طارق اسماعیل ساگر
پاکستان
عالمی سازش کے نرغے میں
PDFBOOKSFREE.PK

طارق اسماعیل ساگر کے چشم کشا مضامین کا مجموعہ......جن میں تمام اندرونی و بیرونی خطرات وسازشوں کی نشاندہی کی گئی ہے

14 اگست 2009 کے موقع پر، پاکستانی نوجوانوں کو باشعور کرنے کی کتاب گھر کی ایک خصوصی کاوش

پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں

طارق اسمٰعیل ساگر

ترتیب وتحقیق : فضل حسین اعوان

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور

فون 7223584 موبائل 0300-4125230

نوٹ:

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

پیش رفت

فضل حسین اعوان کا تعلق صحافیوں کی اُس قبیل سے ہے جو کچھ کرنے کی ٹھان لیں تو کر گزرتے ہیں۔ان کی مستقل مزاجی نے مجھ جیسے ناکارہ کو بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ کتاب جو فضل حسین اعوان نے مرتب کی ہے میرے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو گزشتہ دو سال میں وقتاً فوقتاً ملک کو درپیش صورتحال کے حوالے سے لکھے گئے ہیں اور بدقسمتی سے گزشتہ آٹھ دس سال سے ملک کو ایک ہی جیسے حالات کا سامنا ہے۔ بدامنی ہماری بدبختی بن گئی ہے۔امن وامان کی صورتحال ایسی ہے جس نے عوام کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ دھماکوں، خودکش حملوں، مہنگائی، کرپشن اور لوڈشیڈنگ نے ہر چوتھے پاکستانی کو نفسیاتی اور ذہنی مریض بنا دیا ہے۔

میں نے ان مضامین میں اپنی دانست میں ایک ذمہ دار صحافی ہونے کے ناطے پاکستان کے تمام شہریوں کو اُن خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ہماری سلامتی کو عالمی اور اندرونی سطح پر لاحق ہیں۔ بدقسمتی سے میں بھی آپ کی طرح صرف نوحہ خوانی ہی کر سکتا ہوں۔جنھوں نے ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے وہ سودے بازی کرنے کے بعد اقتدار کے ایوانوں میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اُن بے چاروں کی حیثیت ''غلام'' سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے

طارق اسمٰعیل ساگر

18اکتوبر2008

پاکستان پر دہشت گردوں کا حملہ

ایشیا ٹائمز کی اطلاع کے مطابق پاکستان میں امریکی فوج کی پراسرار آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور تین سو امریکی کمانڈوز تربیلا پہنچ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ امریکہ سے 20 بڑے کنٹینرز بھی آئے ہیں جنہیں کھول کر دیکھنے کی اجازت پاکستانی حکومت کو نہیں ملی البتہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ان کے ساتھ آئی ہیں۔ ایشیا ٹائمز نے دعویٰ کیا ہے کہ ان امریکی میرینز کا کوئی تربیتی مشن نہیں' نہ ہی یہ اس پروگرام کے تحت آئے ہیں جس میں امریکہ کی طرف سے پاکستانی افواج کو ٹریننگ کی بات کی گئی ہے بلکہ یہ تربیت یافتہ کمانڈوز تو اس مہم کا حصہ بننے آئے ہیں جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سلسلے میں' نئے راونڈ کے تحت شروع ہونے والی ہے۔ اس ضمن میں بعض باخبر عالمی حلقوں کا دعویٰ ہے کہ امریکن الیکشن سے پہلے کے چند ہفتے پاکستانیوں کیلئے بڑے آلام و مصائب لے کر آ رہے ہیں۔ یہ حلقے بضد ہیں کہ پاکستانی حکومتی عہدیداروں کے بیانات اور اس نوعیت کی خبریں کہ پاکستان امریکی مداخلت اپنی سرحدوں میں برداشت نہیں کرے گا صرف خبریں ہیں' باقی تمام معاملات طے پا چکے ہیں اور امریکن اپنے انتخابات سے پہلے کچھ خصوصی کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے زیادہ شدت سے حملہ آور ہوں گے جس میں انہیں پاکستان کی مکمل معاونت حاصل ہو گی۔ ان خدشات کو رحمٰن ملک کے اس حالیہ بیان سے تقویت ملتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ پاکستان قبائلی شورش زدہ علاقوں اور سوات میں مزید فوج بھیجے گا اور عسکریت پسندی کے مکمل خاتمے تک یہ جنگ جاری رہے گی۔

امریکی میڈیا کی طرف سے پاکستان سے متعلق بعض چونکا دینے والے حقائق سامنے آئے ہیں اور امریکی ذرائع ابلاغ کا یہ دعویٰ ہے کہ آصف زرداری کے ساتھ بھی امریکہ کے تمام معاملات طے پا چکے ہیں۔ اس ضمن میں امریکی فوج کی طرف سے "فرنٹیر کانسٹیبلری" کی ٹریننگ کا معاہدہ بھی شامل ہے۔ جنرل مشرف سے ہمدردی رکھنے والے حلقوں کا دعویٰ ہے کہ امریکنوں نے انہیں متعدد مرتبہ اس کی پیشکش کی تھی لیکن وہ امریکی فوجیوں کی پاکستان میں آمد کے خلاف تھے گو کہ یہ بھی بڑی عجیب بات لگتی ہے کیونکہ جنرل مشرف نے تو امریکیوں کیلئے پاکستان کو چراگاہ بنا کر پیش کر دیا تھا۔ آج بھی جیکب آباد کا ہوائی اڈہ اور پاکستان کے دو تین اہم شہروں میں امریکنوں کے خفیہ سنٹر بہر حال کام کر رہے ہیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق سی آئی اے کے قریباً تین سو ایجنٹ پاکستان میں ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ میریٹ ہوٹل میں ہونے والے دھماکوں کے حوالے سے بھی یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ وہاں امریکنوں کی پراسرار نقل و حرکت نوٹ کی گئی تھی۔ دھماکہ کرنے والے اور اس کی ذمہ داری لینے والوں نے یہ تعداد قریباً ڈھائی سو بتائی ہے۔ بہر حال یہ کہنا کہ جنرل مشرف اس کے خلاف تھے خاصا مضحکہ خیز لگتا ہے اس کے باوجود یہ حلقے بضد ہیں کہ امریکی فوجیوں کی پاکستان میں موجودگی کا معاہدہ بھی حکومت سے ہوا ہے۔

کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ شاید اس سوال کا پاکستانی عوام کو کبھی جواب نہ مل سکے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان پر ایک

منظم سازش کے تحت دہشت گردوں نے حملہ کر دیا ہے۔ میریٹ ہوٹل پر حملے کو صرف کسی فائیو سٹار ہوٹل پر حملے سے تشبیہ دینا کم عقلی ہے' یہ دراصل پاکستان کی سالمیت پر حملہ ہے۔ حملہ آوروں نے وی آئی پی کی آماجگاہ پر حملہ کر کے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اگر وہ سکیورٹی الرٹ کے باوجود اسلام آباد میں چھ ویلر ٹرک اور ہزار کلو بارود لا سکتے ہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں اور پاکستان کا کوئی شہران کی دسترس سے باہر نہیں۔ 23 ستمبر کے نیوز ویک نے ایک اہم سٹوری Pakistan's Dangerous Double Game کے عنوان سے شائع کی ہے جس میں آئی ایس آئی کے حوالے سے بہت گھٹیا الزامات لگائے گئے ہیں اور ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب آئی ایس آئی کو ٹارگٹ کیا جائے تو اس کے پس پردہ بہت سے اور مقاصد ہوتے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ حکومتی سطح پر ان الزامات کا مثبت جواب نہیں دیا جاتا۔ میریٹ ہوٹل پر حملہ ناقص سکیورٹی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں خواہ اس کا کچھ بھی جواز پیش کیا جائے اور دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ جو آر ڈی ایکس اور دوسرا مواد استعمال کیا گیا وہ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہے' جو اسلحہ بارود پاکستان آرمی کے خلاف عسکریت پسند استعمال کر رہے ہیں وہ بھی اس سے زیادہ مالیت کا ہوگا' یہ بھی شنید ہے کہ بعض عسکریت پسند گروپ اپنے کارکنوں کو باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں' آخر یہ سارا خرچ کون اٹھاتا ہے؟ جو غیر ملکی دہشت گرد وہاں موجود ہیں ان کی دیکھ بھال اور دیگر معاملات پر جو خرچ اٹھتا ہے وہ کون اٹھاتا ہے؟ ظاہر ہے پس پردہ کوئی اور ہے اور اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے کوئی بڑے پزل حل نہیں کرنے پڑتے۔ اس وقت افغانستان میں دس ہزار بھارتی فوجی موجود ہیں جو بظاہر تو انجینئرنگ سے متعلق بتائے جاتے ہیں لیکن وہ سب پیشہ ور فوجی ہیں اور وہاں صرف اس لئے موجود ہیں کہ پاکستان کے خلاف انہیں استعمال کیا جا سکے۔ افغان سرحدوں کے ساتھ ساتھ قریباً بھارتی قونصلیٹ بھی افغانستان کی خدمت کرنے کے لئے اور بھارت کے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لئے موجود ہیں۔ ان حالات میں جب دہشت گردوں نے چاروں طرف سے پاکستان کا گھیراؤ کر لیا ہے' حکومت کو بہر حال ایک واضح پالیسی اپنانا ہوگی۔ قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا کہ سوائے اس کے اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

انٹیلی جنس امور خصوصاً تزویرات کو سمجھنے والے عموماً خط کا مضمون لفافہ دیکھ کر بھانپ لیا کرتے تھے۔ امریکہ نے جب کسی ملک کا گھیراؤ کرنا ہو تو اس کے سی آئی اے باقاعدہ ایک منصوبہ بناتی ہے جس پر مرحلہ وار عمل کیا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ اتنا فول پروف ہوتا ہے کہ اس میں غلطی کی گنجائش عموماً ہوتی نہیں لیکن کسی مرحلے پر اگر غلطی ہو بھی جائے اور یہ ناقابل عمل دکھائی دے تو منصوبہ ختم کرتے ہوئے اپنے دو تین ایجنٹوں کی بلی چڑھانا بھی سی آئی اے کی بھیانک تاریخ ہے۔

جنرل (ر) مشرف کی چھٹی ہوتے ہی جب ہمارے سیاسی زعماؤں نے ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور قوم سے کئے اپنے وعدے بھول گئے تو عوام میں ایک خاص ردعمل فطری طور پر پیدا ہوا، لیکن طویل آمریت سے خوفزدہ پاکستانی اب سڑکوں پر آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے اس صورت میں دوبارہ ایک طویل آمریت ان کے سروں پر مسلط ہو جاتی یہی وجہ تھی کہ نئی سیاسی حکومت کی وعدہ خلافیاں عوام نے ٹھنڈے پیٹوں پر برداشت کر لیں اور تماش بینوں کو مطلوبہ نتائج نہ مل سکے جس کے فوراً بعد انہوں نے دوسرا حملہ کیا اور اچانک پاکستانی سرحدی علاقوں میں پہلے سے موجود شورش اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگی حیرت انگیز طور پر تین چار محاذ کھول دیے گئے۔

پہلا محاذ تو شیعہ سنی فساد کا کھلا اچانک اس کی شدت بڑھنے لگی دونوں مسلح گروپوں نے ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیئے۔

دوسرا محاذ بریلوی' دیوبندی ٹکراؤ کا کھلا جب منگل باغ اور متحارب گروپ کا تکرار شروع ہوا۔ مہمند ایجنسی میں طالبان کے دو گروپ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ باڑہ اور خیبر ایجنسی کے دیگر علاقوں میں مختلف عسکریت پسند گروپ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے جبکہ وزیرستان میں بیت اللہ محسود کے پیروکاروں نے خودکش حملے بند کر دیئے۔ درہ آدم خیل میں سکیورٹی فورسز عسکریت پسندوں سے ٹکراؤ شدت پکڑ گیا۔ سوات میں دوبارہ مولوی فضل اللہ سرگرم ہو گیا۔ اس سلسلے میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان تمام واقعات میں کہیں بھی افغانستان یا امریکی فوج کی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھی یہ سب گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے سے فارغ ہوں تو پاکستانی سکیورٹی فورسز سے لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی کہیں بھی امریکہ یا افغانستان متاثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ ساری شورش اس سازش کا حصہ ہے جو پاکستان اور صرف پاکستان کے خلاف ہو رہی ہے۔ تمام گروہ پاکستان پر حملہ آور ہیں اپنے ملک کی فوج سے لڑ رہے ہیں۔ امریکہ صرف اتنا رول ادا کرتا ہے کہ باجوڑ وزیرستان یا کسی بھی اور مقام پر جہاں پاکستان بعد از خرابی بسیار صلح کی کوئی صورت نکالتا ہے جرگے اور عسکریت پسندوں کے درمیان معاملات طے پاتے ہی وہاں حملہ کر کے معاملات بگاڑ دیتا ہے۔ اب ہمیں اس سازش کی سمجھ آ جانی چاہئے اور یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ بیت اللہ محسود نے اب تک کتنے حملے امریکن فوج پر کیے ہیں اور کتنے پاکستان پر؟ اب آخری بات پر بھی غور فرما لیں کہ جو 'مجاہدین' مارے جاتے ہیں ان میں سے اب تک درجنوں کی لاشیں ایسی ہیں جن کے لباس اور شکل وصورت تو طالبان جیسی تھی لیکن ان کی سنت (ختنہ) نہیں ہوئی تھی یہ کون لوگ ہیں؟ امید ہے آسانی سے سمجھ آ جائے گی۔ پشاور کے مضافات سے افغانی قونصلیٹ کا اغوا' افغانی قونصلیٹ کا اطلاع دیئے بغیر پرائیویٹ سفر کرنا اور اب افغانستان کی چیخ و پکار کہ ان کے سفارتکاروں کا تحفظ کیا جائے۔ اس سازشی سلسلے کی کڑی ہے اور مرے پر سو دُرے اب امریکہ نے جنرل (ر) مشرف کی مشترکہ فوجی گشت' والی تجویز بھی اپنی فائلوں سے نکال لی ہے کہ پاکستان نے خود ہی یہ درخواست کی تھی اگر امریکہ افغانستان اور پاکستان کی مشترکہ فوج ہو گی تو وہ شورش زدہ علاقوں میں مشترکہ کارروائی بھی کریں گے اور اس تلخ حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ القاعدہ کا ٹھکانہ پشاور' راولپنڈی' لاہور' ملتان' کراچی کسی بھی جگہ دریافت کیا جا سکتا ہے اور وہاں یہی فوج کارروائی کر سکتی ہے۔ خدارا عقل کے ناخن لیں ہوش کریں اور پاکستانیوں کیلئے محض اپنے چند روزہ اقتدار کیلئے لاینحل مسائل کھڑے نہ کریں۔

20 ستمبر پاکستان کا نائن الیون بن گیا

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہفتہ کی شب 20 ستمبر ہونے والے خوفناک ہیبت ناک اور دل لرزا دینے والے خودکش حملے نے ایک بار پھر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عملداری اور حساسیت کو چیلنج کر دیا ہے کہ کس طرح 1 ہزار کلو گرام بارود سے لدے منی ٹرک نے اسلام آباد کے معروف میریٹ ہوٹل کو نشانہ بنا کر موت بانٹ دی اور سیکورٹی ادارے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بے بس نظر آئے۔ حکومت کو اطلاع تھی کہ خودکش حملے کا خدشہ ہے لیکن سیکورٹی ایجنسیوں کی تمام تر توجہ پارلیمنٹ کی طرف تھی جہاں 20 ستمبر کو قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے نومنتخب صدر آصف علی زرداری نے خطاب کرنا تھا۔ اس سلسلے میں پارلیمنٹ کی حفاظت کیلئے 3 سیکورٹی زون بنائے گئے تھے۔ جبکہ اسلام آباد میں جگہ جگہ پر چیک پوسٹیں بھی قائم کی گئی تھیں لیکن صدر کے خطاب کو تو فول پروف بنا دیا گیا تاہم عوام کی حفاظت کیلئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا اور آصف علی زرداری کے خطاب کے چند گھنٹے بعد رات 8 بجے وفاقی دارالحکومت خوفناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ ماہرین کے مطابق یہ خودکش حملہ شدت کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ کا سب سے خوفناک حملہ ہے۔ اس سے قبل امسال کے آغاز میں لاہور کی ایف آئی اے بلڈنگ میں ہونے والے خودکش حملے میں بھی اسی طرز کا طریقہ کار استعمال کیا گیا تھا جس میں 60 کلو گرام دھماکہ خیز مواد استعمال ہوا تھا۔

سانحہ میریٹ ہوٹل میں 60 سے زائد افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں چار غیر ملکی اور 4 خواتین بھی شامل ہیں۔ دھماکے کے وقت میریٹ ہوٹل کی 5 منزلہ عمارت کے 315 کمروں میں سے 90 میں غیر ملکی رہائش پذیر تھے۔ جبکہ افطاری کیلئے 300 سے زائد افراد ہوٹل میں موجود تھے۔ دھماکے سے ہوٹل سے متصل ایک کلو میٹر کے اندر موجود عمارتوں فرنٹیئر ہاؤس، پی ٹی وی بلڈنگ، کشمیر ہاؤس، نج کاری کمشن کی عمارت وغیرہ کو شدید نقصان پہنچا جبکہ ہوٹل کے پارکھڑی گاڑیوں سمیت کل 450 گاڑیاں تباہ ہو گئیں، اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ دھماکے سے ہوٹل میں آگ لگ گئی جس پر گھنٹوں کی کاوش کے بعد قابو پایا گیا۔ دھماکے کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پر 20 فٹ چوڑا اور 15 فٹ گہرا گڑھا پڑ گیا۔

اسلام آباد خودکش حملے پر صدر وزیر اعظم سمیت ہر مکتبہ فکر نے اظہار افسوس کیا۔ صدر آصف علی زرداری جو اس وقت وزیر اعظم ہاؤس میں سپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا کی جانب سے دی جانے والی افطاری میں شریک تھے بعد میں قوم سے اپنے مختصر خطاب میں انہوں نے کہا کہ خودکش حملے کے باوجود دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ قوم ان شدت پسندوں کی بزدلانہ حرکتوں سے ڈرنے والی نہیں ہے اور ایک دن آئے گا کہ یہ شدت پسند اس پاکستانی قوم کے سامنے جھکیں گے۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے کہا کہ وہ حکومت کے ساتھ مل کر ملک سے ان انتہا پسندوں کا خاتمہ کریں۔ صدر نے خودکش حملے میں ہلاک ہونے والوں سے ہمدردی کا اظہار کیا جبکہ زخمیوں کے بارے میں ان کا کہنا

تھا کہ حکومت اُن کا خیال رکھے گی۔

ادھر میڈیا سے بات کرتے ہوئے پاکستان کے وزیرِ دفاع احمد مختار نے کہا۔ دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں اسی طرح کا ردِعمل سامنے آسکتا ہے جس طرح میریٹ کے باہر خودکش حملہ ہوا ہے۔ جائے حادثہ کے دورے کے موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایسے واقعات میں ملوث افراد کو پیسہ افغانستان سے منشیات کے سمگلر فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں سالانہ 50 ملین ڈالر منشیات کی تجارت ہو رہی ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا اس واقعہ میں کوئی غیر ملکی ہاتھ ملوث ہیں تو انہوں نے کہا کہ جب تک اس کی تحقیقات نہیں ہوتیں اُس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ادھر مشیر داخلہ رحمان ملک نے میریٹ دھماکے کو پاکستان کا نائن الیون قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دھماکے کی شدت سے ہونے والے نقصان کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ واقعہ پاکستان کا نائن الیون ہے۔ وفاقی وزیر قانون فاروق حسین نائیک نے بھی میریٹ دھماکے کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حملے کے ذمہ دار افراد کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ نے کہا کہ حال ہی میں دہلی بم دھماکوں کے بعد بھارت میں نعرے لگے تھے کہ ہم دہلی بم دھماکوں کا انتقام پاکستان سے لیں گے۔ حکومت کو اس جانب بھی غور کرنا چاہئے۔ دریں اثناء عالمی رہنماؤں نے بھی خودکش حملے کی مذمت کی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ سیکرٹری جنرل نے حکومت پاکستان، پاکستانی عوام اور دھماکے کے متاثرین سے تعزیت کرتے ہوئے واقعہ پر دلی رنج کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہریوں پر ایسے حملوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے کہا کہ امریکہ اسلام آباد بم حملے کے ذمہ دار افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے میں پاکستان کی مدد کرے گا۔ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ پاکستان اور امریکہ کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ کسی گروپ نے اس حملے کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے تاہم پھر بھی صدر بش نے کہا کہ یہ حملہ امریکہ، پاکستان اور اقوام عالم کی سکیورٹی کو القاعدہ اور اس کے حامیوں سے درپیش خطرے کا مظہر ہے۔ یمن میں امریکی سفارتخانے پر حملے کو پاکستان میں ہونے والے حملے سے جوڑتے ہوئے صدر بش نے کہا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ دہشت گردی کی کوئی سرحد نہیں ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے کہا ہے کہ اسلام آباد حملہ ایک شرمناک عمل ہے، اور برطانیہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے پاکستان کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے پر عزم ہے۔ برطانوی دفتر خارجہ کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق ڈیوڈ ملی بینڈ کا کہنا تھا کہ اسلام آباد میں بم دھماکے کا تازہ ترین واقعہ ایک ایسا قبیح اور شرمناک عمل ہے جس کی کوئی توجیح پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس بربریت کی عالمی سطح پر مذمت کی جانی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس دھماکے سے متاثر ہونے والے افراد کے غم میں شریک ہیں اور برطانیہ ان شدت پسندوں کے خلاف حکومت پاکستان کے شانہ بشانہ کھڑا ہے جو صرف انتشار پھیلانا اور موت بانٹنا جانتے ہیں۔

میریٹ ہوٹل میں ہونے والا خودکش حملہ اسلام آباد میں ہونے والے خودکش حملوں کا دسواں حملہ تھا اور اس حملے سمیت ان حملوں میں سو سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلا خودکش حملہ انیس نومبر انیس سو پچانوے میں اسلام آباد میں قائم مصر کے سفارتخانے میں ہوا۔ مصری حملہ آور نے بارود سے بھرا ٹرک سفارتخانے کے احاطے میں اڑا دیا جس کے نتیجے میں چودہ افراد ہلاک ہوئے۔ اسلام آباد

میں دوسرا خودکش حملہ 27 مئی 2005ء کو اسلام آباد میں بری امام کے مزار میں ہوا۔ اس سانحہ میں لگ بھگ بیس افراد ہلاک ہوئے۔ 26 جنوری 2007ء کو وفاقی دارالحکومت میں میریٹ ہوٹل کے باہر خودکش حملے میں حملہ آور اور سکیورٹی گارڈ ہلاک ہوا جبکہ پانچ لوگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد 2007ء ہی کو 6 فروری کو اسلام آباد ایئرپورٹ کے احاطے میں ایک اور خودکش حملہ ہوا جس میں صرف حملہ آور ہلاک ہوا جبکہ تین سکیورٹی اہلکار زخمی ہوئے۔ 2007ء ہی میں 18 جولائی کو اسلام آباد ڈسٹرکٹ کورٹس میں وکلاء کنونشن کے پنڈال کے قریب خودکش حملے میں بیس سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ یہ حملہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی آمد سے کچھ دیر قبل ہوا۔ ابھی اسلام آباد کے رہائشی لال مسجد آپریشن کے ذہنی دباؤ سے نکلے نہ تھے کہ 27 جولائی 2007ء کو مسجد کو دوبارہ کھولا گیا اور ایک بار پھر ہنگامہ آرائی ہوئی۔ اس ہنگامے کا اختتام لال مسجد کے قریب آبپارہ مارکیٹ میں خودکش حملے سے ہوا جس میں سات پولیس اہلکاروں سمیت پندرہ افراد مارے گئے۔ 15 مارچ 2008ء کو اسلام آباد کے علاقے سپر مارکیٹ کے قریب ایک غیر ملکی ریستوران میں دھماکے کے نتیجے میں ایک خاتون ہلاک اور کم از کم پندرہ افراد زخمی ہو گئے۔ 2 جون 2008ء کو اسلام آباد میں ڈنمارک کے سفارتخانے کے باہر کار بم دھماکے میں چھ افراد ہلاک اور پچیس زخمی ہو گئے۔ 6 جولائی 2008ء کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ایک خودکش حملے میں کم از کم انیس افراد ہلاک اور چالیس سے زائد زخمی ہو گئے۔ یہ دھماکہ ایسے وقت ہوا جب اسلام آباد میں لال مسجد آپریشن کے ایک سال مکمل ہونے کے موقع پر علماء کنونشن کا انعقاد ہو رہا تھا اور اس حوالے سے شہر بھر میں سکیورٹی کا خصوصی بندوبست کیا گیا تھا۔

اسلام آباد کے ریڈ سکیورٹی زون میں واقع اس میریٹ ہوٹل پر حالیہ برسوں میں حملے کا یہ تیسرا واقعہ قرار دیا جا رہا ہے اس سے قبل 26 جنوری 2007ء کو ہوٹل کے باہر خودکش حملے میں حملہ آور اور سکیورٹی گارڈ ہلاک ہوا جبکہ 5 زخمی ہوئے۔ 2004ء میں جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھنے والے عسکریت پسند عبداللہ محسود نے ہوٹل میں ہوئے ایک پراسرار دھماکے کی ذمہ داری قبول لی تھی جو اس وقت کی حکومت کے مطابق شارٹ سرکٹ کی وجہ سے ہوا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں اور قبائلی علاقوں میں امسال 63 حملے ہوئے جن میں سے 35 خودکش حملے ہیں۔ میریٹ ہوٹل خودکش حملے والے دن بھی وانا اور میران شاہ میں سکیورٹی فورسز پر خودکش حملے ہوئے جن میں 17 افراد لقمہ اجل بن گئے۔ پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم دن جس روز پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے صدر آصف علی زرداری نے چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ سیاسی قائدین اور عسکری قیادت کی موجودگی میں بڑے پرامن انداز میں خطاب کیا اور جمہور جمہوریت کا جشن منا رہے تھے کہ چند گھنٹوں بعد میریٹ کے سانحہ نے ساری فضا سوگوار بنا دی۔

دھماکے

یوں تو قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی تخریب پاکستان کا بھی اس کے بدخواہوں نے آغاز کر دیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو تقسیم ہند کے معاہدے پر دستخط کر رہے تھے اور کچھ کانگریسی راہنما نہایت سوگوار دکھائی دے رہے تھے تو انہوں نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں' جلد یا بدیر پاکستان پکے ہوئے آم کی طرح ہماری جھولی میں آن گرے گا۔ فی الوقت اگر ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت جاری رکھی تو بھارت کے مسلمانوں کی حمایت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے آج تک بھارت کا طرزِ عمل خصوصاً پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے میں اس کا کردار ہر ذی شعور پاکستانی پر عیاں ہے۔ 1971ء کا سانحہ گو کہ اب ہمارے لئے محض ایک تعریفی حوالہ بن چکا ہے اور ہماری نااہل قیادت اور ناعاقبت اندیش اسٹیبلشمنٹ نے کبھی یہ چاہا ہی نہیں کہ ہماری نئی نسل اس المیے کے درد کا ادراک کرے اور اسے ہمیشہ یاد رہے کہ اس کے ہمسائے میں ایک ایسی ریاست بھی موجود ہے جس نے ان کے ملک کو دولخت کیا تھا۔

پاکستان کے خلاف غیر ملکی سازشوں کی تاریخ بڑی بھرپور اور خوفناک ہے۔ بدقسمتی سے پاکستانی عوام کو ہمیشہ ان سازشوں سے بے خبر رکھا گیا' گو کہ ان کا ارباب بست وکشاد کو بہت پہلے علم ہو جاتا تھا لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی سے چونکہ ہماری بیوروکریسی نے خود کو ماورائی مخلوق سمجھ کر عوام سے الگ تھلگ ایک جزیرے میں آباد کر لیا تھا اور کبھی کسی مسئلے پر عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ نتیجہ ظاہر ہے عوام کو کسی بھی سازش کا علم یا احساس تب ہوا جب ان کے سر پر آسمان ٹوٹا۔ ہم نے اخبارات میں پڑھا اور اخبارات کو یہ خبریں ریٹائرڈ سرکاری افسران نے بتائیں جن میں بعض جغادری جرنیل بھی شامل ہیں کہ کبھی پاکستان پر اسرائیلی فضائیہ بھی حملہ آور ہونے والی تھی۔ اس کے جہاز سرینگر کے فوجی ہوائی اڈے پر حملے کیلئے پَر تول رہے تھے۔ جب کسی بروقت اور جاندار وارننگ نے انہیں تل ابیب واپس جانے کی راہ دکھادی۔ اسی طرح پاکستانی ایٹمی پروگرام خصوصاً کہوٹہ کے حوالے سے بھی ہم تک سنی سنائی اطلاعات ہی پہنچتی ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے اربابِ اختیار خود کو عقلِ کُل سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک پاکستانی عوام اس قابل بھی نہیں کہ کسی معاملے پر انہیں اعتماد میں لیا جائے حالانکہ تاریخ سے ایسی درجنوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ جب کسی قوم پر کوئی مشکل وقت آیا اس کے لیڈروں نے عوام کو اعتماد میں لینا ضروری جانا اور عوام نے حکومت کے کندھے سے کندھا ملا کر اس سازش کو ناکام بنایا۔

اسے بدقسمتی یا ہمارے اربابِ اختیار کی ناعاقبت اندیشی ہی کہا جائے گا کہ وہ ایسا ضروری نہیں سمجھتے۔ اِلّا یہ کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو تیس سال تک عوام سے چھپائے رکھا لیکن ایک بھارتی رسالے میں اس رپورٹ کے بیشتر مندرجات شائع ہونے کے بعد حکومت کو بادل نخواستہ یہ رپورٹ شائع کرنی پڑی۔

نائن الیون سے آج تک پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی کا ایک سیلاب امڈا چلا آتا ہے لیکن کیا مجال جو ہمارے حکمرانوں نے کبھی عوام کو سچ بتانے کی زحمت کی ہو۔انہیں ہمیشہ الٹی سیدھی تاویلات سے مطمئن کردیا جاتا ہے۔دہشت گردی کے ہر واقعہ کے بعد سرکاری بیان آتا ہے حملہ خودکش تھا۔حملہ آور کا اتفاق سے سر ضرور بچ جاتا ہے‘ کبھی کبھی ٹانگیں بھی......جس کو جوڑ توڑ کر ایک تصویر بنادی جاتی ہے جسکے متعلق بعد میں اکثر یہی سننے میں آتا ہے کہ وہ حملہ آور کی نہیں کسی نامعلوم مرنے والے کی تصویر تھی۔موجودہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان ایسی دشمنی کی فضا بنی ہوئی ہے کہ جوش غضب میں وہ ایک دوسرے پر عجیب وغریب الزامات لگاتے ہیں اور اگر حکومت کی طرف سے کبھی حقائق بتانے کی کوشش بھی کی گئی تو نااعتباری اور حکومت کے سابقہ ریکارڈ کے پیش نظر کوئی اسے ماننے کو تیار نہیں ہوتا جسکی تازہ مثال سوات کے واقعات ہیں۔

مصدقہ ذرائع نے اس کی تصدیق کی ہے کہ سوات میں فوج کے خلاف لڑنے والے بعض ایسے ”مجاہدین“ کی لاشیں بھی ملی ہیں جنہوں نے طالبان کا بھیس بدل کر پاکستانی فوج کے خلاف جنگ میں حصہ لیا لیکن ان کے ختنے نہیں ہوئے‘ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور ماہر کمانڈوز کی طرح پاکستانی فوج سے کیوں جنگ لڑ رہے ہیں؟ کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں۔جن ایجنسیوں کو اس کا علم ہے وہ اسے اپنے تک محدود رکھیں گے۔جس کے پس پردہ ان کے نزدیک بھی دلیل ہوگی کہ یہ ”ٹاپ سیکرٹ“ ہے۔جس کا علم عوام کو نہیں ہونا چاہئے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر اس سلسلے میں عوام کو اعتماد میں لے لیا جائے تو کم از کم وہ اصلی اور نقلی عسکریت پسندوں کا فرق تو کرسکتے ہیں۔گزشتہ دنوں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے روزنامہ نوائے وقت سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو اس لئے شہید کروایا گیا کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان‘ جنرل (ر) حمید گل اور بیت اللہ محسود کو انکے خلاف امریکی منصوبے سے آگاہ کردیا تھا جس سے ظاہر ہے امریکیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے۔جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ کا ماضی شفاف اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ ہوس اقتدار میں مبتلا نہیں اور نہ ہی محض اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کیلئے ایسی بات کہیں گے۔انکے اس بیان کو اگر سچ مان لیا جائے تو قوم کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں اور حقائق کتنے بھیانک ہیں۔

آج امریکہ کا ہر صدارتی امیدوار اپنی صدارتی مہم پاکستان کی قیمت پر چلا رہا ہے‘ کیوں؟ کیا امریکیوں کیلئے اور کوئی مسئلہ نہیں رہا؟ وہ القاعدہ کو بھول کر آخر ہاتھ دھو کر پاکستان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔محض یہ کہہ دینا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام تک شدت پسندوں کی رسائی ہوجائے گی اور وہ تمام بم امریکہ پر چلادیں گے‘ انتہائی احمقانہ بات ہے۔جس بات کا دعویٰ بار بار ہمارے صدر اور جرنیل صاحبان کررہے ہیں کہ ہمارا ایٹمی پروگرام بہت محفوظ ہاتھوں میں ہے‘ جہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں۔اس دعویٰ کی صداقت سے امریکہ سے زیادہ کون آگاہ ہوگا، جس کی رسائی پاکستان کے ہر حساس معاملے تک ہے اور جو جانتا ہے کہ صدر پرویز مشرف سچ کہہ رہے ہیں‘ اس کے بعد بھی امریکی صدارتی امیدواروں کے دماغ پر پاکستانی ایٹمی اسلحہ ہی کیوں سوار ہے؟

گوادر سے شروع ہونے والی بدامنی سوات تک پہنچ چکی ہے۔جس کے بعد شانگلہ سے ہوتے ہوئے بشام‘ پٹن‘ کوہستان کے راستے آخر کار بدامنی کا یہ طوفان اپنے حتمی ٹارگٹ شمالی علاقہ جات تک پہنچ جائے گا۔حالات کا گہری نظر سے تجزیہ کرنے والوں کی یہ متفقہ اور پختہ رائے ہے کہ پاکستان میں جاری بدامنی کا اصل مقصد ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ امریکہ جب اپنے اصل مقصد یعنی چین کو لگام دینے کیلئے کارروائی کا آغاز کرے

تو اسے چین کے سب سے قریبی دوست اور عالم اسلام کے واحد مستند ایٹمی ملک کی طرف سے کسی بھی طرح کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امریکہ کو اس وقت عالمی سطح پر دو چیلنجز کا سامنا ہے۔ ایک امریکہ میں بسنے والے لوگوں کی زندگیاں یعنی امریکہ کی قومی سلامتی اور دوسرا اپنی معاشی واقتصادی بالادستی کو برقرار رکھنا' امریکہ کی قومی سلامتی کو عالم اسلام سے شدید خطرات لاحق ہیں جس کیلئے امریکی تھنک ٹینکس نے مرحلہ وار تمام اسلامی ممالک کو فوجی قوت سے زیر کرنے کی پلاننگ کی ہے جس پر منظم انداز میں کام جاری ہے۔

عالم اسلام کے 80 فیصد ممالک اس قابل ہی نہیں کہ انہیں کوئی اہمیت دی جائے۔ اسرائیل سے قریب واقع اسلامی ممالک میں سے بیشتر کو فوجی قوت استعمال کئے بغیر لگام دی جا چکی ہے جبکہ خودسری کرنے والے ممالک میں عراق اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی البتہ تین اسلامی ممالک ایسے ہیں جنہیں زیر کرنے کیلئے امریکہ کو لمبی پلاننگ درکار ہے۔ ان ممالک میں سرفہرست ایران' پاکستان اور سعودی عرب شامل ہیں۔ سب سے پہلے ایران کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ ایران کو گرانے کے بعد پاکستان کی باری آئے گی اور پاکستان کی تباہی کے بعد عالمی دہشت گرد سعودی عرب پر قبضہ کرلیں گے۔ یہ کوئی ڈھکا چھپا منصوبہ نہیں ہے۔ اپنے مذموم خیالات کا اظہار اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے برملا ہوتا رہتا ہے۔ امریکہ کے کئی تھنک ٹینک ایسے نقشے شائع کر چکے ہیں۔ حالات بہت خراب ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان میں بیک وقت کئی قوتیں اپنے اپنے ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں۔ یہودی' یورپ کے عیسائی اور ہندو پاکستان کی تباہی چاہتے ہیں اور اپنا مکروہ ایجنڈا مکمل کرنے کیلئے ہر طرح کا فاؤل پلے کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور طویل آمریت نے پورے پاکستانی معاشرے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اپنی کرسی بچانے کیلئے فوجی آمروں نے قوم کو دبایا اور بیرونی طاقتوں سے تائید وحمایت لے کر اقتدار بچاتے رہے۔ فوجی آمروں کی کرسی بچانے کے عوض عالمی طاقتوں نے ان حکمرانوں سے ایسے ایسے کام لئے کہ سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور اقتدار میں تو پاکستان عالمی سازشوں کا گڑھ بن گیا۔ اب حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ خود صدر پرویز مشرف کے کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے آخری تازہ بیان میں حالات کی سنگینی اور عالمی طاقتوں کی من مانیوں کو پہلی بار مسترد کیا ہے۔ انہیں شاید پہلی بار احساس ہوا ہے کہ پاکستان کی سلامتی کو انہی قوتوں سے خطرہ ہے جن کے تحفظ کیلئے انہوں نے ملک کو فرنٹ لائن سٹیٹ قرار دیا تھا۔ صدر نے وارننگ دی ہے کہ اگر امریکہ یا اتحادی فوجوں نے پاکستان کے کسی بھی حصے پر حملے کی کوشش کی تو بھرپور جواب دیا جائے گا۔ صدر کا بیان بہت حوصلہ افزاء ہے لیکن یہ امریکی غنڈہ گردی کا صحیح جواب نہیں۔ ملک میں مقبول سیاسی حکومت کا قیام اور فوجی آمریت کا ہمیشہ کیلئے دروازہ بند کرنا اصل جواب ہے۔ ہر پاکستانی اس بات کو سمجھتا ہے کہ بیرونی ایجنٹوں کو چھوڑ کر مملکت کے اپنے بیٹے آج حکومت اور فوج سے محض اس لئے برسرپیکار ہیں کہ وہ اس حکومت کو اپنے عظیم ملک کیلئے خطرناک سمجھتے ہیں۔ جونہی آمرانہ حکومت کا خاتمہ ہوگا اور امریکہ کی زبان بولنے والے حکمران اقتدار سے علیحدہ ہونگے' یہ قوتیں خود بخود منظر سے غائب ہو جائیں گی جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بیرونی طاقتوں کو اپنے گھناؤنے منصوبوں کی تکمیل کیلئے کسی مقامی فرد یا تنظیم کی سپورٹ حاصل نہیں ہو سکے گی۔ ایسی صورت میں بیرونی ایجنٹوں کی کارروائیاں صاف نظر آئیں گی اور پوری قوم ان کے خلاف میدان میں اتر آئے گی۔ اس وقت عام پاکستانی حیران ہے کہ وہ کس کے خلاف میدان میں نکلے۔ صدر پرویز مشرف اور ان کے حامی سیاستدانوں کو سنجیدگی سے اس پہلو

پر سوچنا ہوگا اس وقت کی غیر سنجیدگی نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام اور چین سمیت دنیا کے تمام غریب ممالک کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ بلاشبہ تاریخ نے ہم پر بڑی ذمہ داری عائد کردی ہے۔ پاکستان وہ ملک ہے جس نے امریکی معاونت سے روس کے حصے بخرے کروائے اور عالمی طاقت کے توازن کو بگاڑا۔ اب اسے سنوارنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔

وطن کی فکر کرناداں!

وکلاء کا لانگ مارچ ہوگیا' قومی فنانس بل بھی پاس ہوگیا' سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد بھی بڑھ کر 29 ہوگئی' مسلم لیگ (ن) نے ان تمام منظوریوں میں اپنا حصہ ڈالا جبکہ مسلم لیگ (ق) لاتعلق رہی۔ جناب آصف علی زرداری نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی سالگرہ پر اس عزم کو دہرایا کہ وہ جلد ہی ایوان صدر میں بھی پیپلز پارٹی کے کارکن کو پہنچائیں گے اور صدر پاکستان بنائیں گے کیونکہ صدارت پر سب سے زیادہ سندھ کا حق ہے۔ انہوں نے اپنے اس بیان کو تکرار سے دہرایا کہ عوام جسٹس افتخار کی بحالی نہیں روٹی مانگ رہے ہیں۔ ملک کا بڑا مسئلہ مہنگائی ہے۔ عوام نے ووٹ ججوں کی بحالی کیلئے نہیں بلکہ روٹی کیلئے دیئے تھے۔ آپ کی شریک حکومت مسلم لیگ (ن) کا کہنا ہے کہ انہوں نے ووٹ عدلیہ کی بحالی اور 2 نومبر کی پوزیشن پر واپس بٹھانے کیلئے حاصل کیے تھے۔ اعلان مری پر عملدرآمد اس کی روح کے مطابق ہونا چاہئے۔ پہلے مسلم لیگ (ن) پی سی او ججوں کو تسلیم نہیں کرتی تھی اور پھر 2 نومبر والی عدلیہ کی بحالی کی شرط پر تسلیم کرنے لگی، اور اب 29 ججوں کی منظوری بھی ہوگئی جبکہ پیپلز پارٹی کی طرف سے ابھی تک 2 نومبر والی عدلیہ کی بحالی کا کوئی عندیہ نہیں دیا جارہا۔ جہاں تک بیانات کا تعلق ہے وہ آئینی پیکیج کے گرد گھومتے ہیں اور طویل عرصے تک یہی بازگشت سنائی دیتی رہے گی۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مسلم لیگ (ن) نے بادل نخواستہ یا بعض نادیدہ قوتوں کے خوف سے بعض ایسے کمپرومائز کرلئے ہیں جن کا اسکی پالیسیوں اور عزائم سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی کے سینئر ممبران جو بیانات دیتے ہیں عمل بظاہر اسکے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ فنانس بل کی منظوری کے فوراً بعد بیگم تہمینہ دولتانہ' احسن اقبال اور جاوید ہاشمی کو یہ بات پھر دہرانا پڑی کہ انہوں نے اپنے بنیادی موقف سے انحراف نہیں کیا لیکن ان حالات میں کولیشن توڑنا ملک کیلئے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔

دراصل یہی وہ خوف ہے جس نے آج تک تمام اصول پسندوں کو مصلحت پسند بنا رکھا ہے۔ وہ کوئی بھی انتہائی اقدام اس لئے نہیں کرتے کہ اس کے نتائج بڑے تباہ کن ہوں گے۔ چودھری اعتزاز احسن لانگ مارچ کے بعد دھرنا اس لئے نہیں دیتے کہ اس سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھالے اور موقع کی تاک میں بیٹھے شرارتی عناصر کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل جائے جبکہ میاں نواز شریف کو بیک وقت صدر مشرف اور ان کے حواریوں کی طرف سے ہونے والی کسی بھی شرارت کا تو خطرہ رہتا ہی ہے' دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے موقف میں سختی اختیار کی تو کہیں پنجاب میں شورش نہ برپا ہوجائے جہاں پہلے ہی گورنر کی شکل میں خطرے کی تلوار ان کے سر پر لٹک رہی ہے۔ اس صورتحال کا ایمانداری سے تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دراصل موجودہ کولیشن حکومت کے قیام کی وجہ سے اس میں شامل پارٹیوں کی جمہوریت اور اعلیٰ اقدار کیلئے قربانی نہیں بلکہ ایک بے نام خوف نے ان متضاد خیال جماعتوں کو آپس میں باندھ رکھا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کو مسائل درپیش ہیں' پیپلز پارٹی بھی ان سے مبرا نہیں۔ آصف زرداری بھی یہ جانتے ہیں کہ اگر اس مرحلے پر اگلے الیکشن کا ڈول ڈالا گیا تو شاید یہ پیپلز پارٹی کی

آخری اننگ ہوگی کیونکہ اب ان کا سامنا ایک بدلے ہوئے پاکستان سے ہے۔ ایک ایسے پاکستان سے جس میں صمد خرم جیسے غیرت مند بچے بھی موجود ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے بعد امریکہ کی اصلیت جاننے لگے ہیں۔ شاید ہمارے حکمرانوں کو اس تبدیلی کا احساس نہیں ہو رہا جو عوام میں بڑی تیزی سے آ رہی ہے۔ وزیر داخلہ کا یہ بیان کہ طالبان پشاور تک آ گئے ہیں' مبالغہ نہیں' امر واقعہ ہے۔ امریکہ کی طرف سے پاکستانی سرحدی علاقوں کے ساتھ ساتھ طالبان کے خلاف فوجی کارروائی کا آغاز اور پاکستانی علاقوں میں دراندازی بھی بڑی تلخ سچائی ہے۔ صوبہ سرحد آگ میں جل رہا ہے' سندھ میں لسانیت اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے اور بلوچستان پر پاکستان دشمن قوتیں سرخ دائرہ لگا چکی ہیں۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ نئی منتخب حکومت نے بلوچستان کے مسائل کے حل کیلئے کوششیں شروع کر دی ہیں۔ بلوچستان کا مسئلہ اس لحاظ سے روز بروز سنگین ہوتا جا رہا ہے کہ بلوچستان میں وفاق کی سیاست کرنے والے عناصر آہستہ آہستہ بددل یا کمزور ہوتے جا رہے ہیں، اور وہاں علیحدگی پسندی کے جذبات اپنے عروج پر ہیں۔ بلوچستان آپریشن اور بلوچ رہنماء نواب اکبر بگٹی کے قتل کے بعد بلوچ عوام کی اکثریت شدید مایوسی کا شکار ہے' یہاں تک کہ وہ بلوچ سیاستدان بھی جو ماضی میں صوبے اور وفاق میں حکومتوں میں شامل رہے ہیں' اب آزادی کی باتیں کرنے لگے ہیں اور بلوچستان میں اب گریٹر بلوچستان کا تصور تیزی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ منگل کے روز سینٹ میں بحث کے دوران ڈپٹی چیئرمین میر جان محمد جمالی نے بلوچوں کو حقوق نہ ملنے کی صورت میں علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی دھمکی دی۔ میر جان محمد جمالی نے اپنی جذباتی تقریر میں کہا کہ اگر مرکز نے بلوچستان کو اس کے حقوق سے اب بھی محروم رکھا تو وہ وقت دور نہیں جب وہاں جانے کیلئے پاکستانیوں کو پاسپورٹ درکار ہوگا۔ جان جمالی کا کہنا تھا کہ اب صرف چند گنے چنے سیاسی رہنماء رہ گئے ہیں جو بلوچستان میں رہتے ہوئے وفاق کی بات کرتے ہیں لیکن اگر مرکزی پالیسیوں میں تبدیلی نہ آئی تو پھر' ہم بھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اب بھی وقت ہے کہ حکومت بلوچستان کو اسکے وسائل کے مطابق رقم ادا کر دے ورنہ وقت بہت تیزی سے ہمارے ہاتھوں سے نکل رہا ہے، اور اب بات خودمختاری سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین نے جس خطرے کی نشاندہی کی ہے وہ غیر حقیقی نہیں ہے۔

بلوچستان کی صورتحال پر گہری نظر رکھنے والے بہت سے مبصرین کے مطابق حالات اس سے بھی کہیں زیادہ خراب ہو چکے ہیں، جس کا اسلام آباد کے حکومتی ایوانوں میں تصور کیا جا رہا ہے۔ حالیہ دنوں میں بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر مینگل نے ایک سیمینار سے خطاب کیا جس کے سٹیج کے پس منظر میں گریٹر بلوچستان کا باقاعدہ نقشہ بنایا گیا تھا، اور جسے میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں دکھایا گیا۔ 18 فروری کے انتخابات کے بعد نئی منتخب حکومت نے ماضی کی غلطیوں پر بلوچ عوام سے معافی مانگی اور بلوچستان کے متعدد علاقوں سے سکیورٹی فورسز کو واپس بلایا گیا۔ سردار اختر مینگل سمیت متعدد رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا اور بلوچستان کی صوبائی حکومت نے بھی تمام ناراض گروپوں سے مذاکرات کا اعلان کیا لیکن ان تمام اعلانات واقدامات کے باوجود بلوچستان کے عوام کے دکھوں کا مداوا ہوتا دکھائی نہیں دیتا اور بلوچ رہنماؤں کی مایوسی میں کمی دیکھنے کو نہیں ملتی۔ گزشتہ دنوں سینٹ میں بلوچستان کی نمائندگی کرنے والے ثناء اللہ زہری نے مستعفی ہونے کا اعلان کر کے حکمران حلقوں کو دعوتِ فکر دے دی تھی تو اب خود ایوان بالا کے ڈپٹی سپیکر نے علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی دھماکہ خیز دھمکی دے دی ہے، جس کے بعد یہ ازحد ضروری ہو گیا ہے کہ حکومت بلوچستان کے

مسئلے کے حل پر ترجیحی بنیادوں پر توجہ دے اور بلوچ رہنماؤں کے جائز مطالبات کا جائزہ لے کر ان پر عملدرآمد کی کوئی صورت نکالے۔ بلوچ رہنماء پہلے مرحلے میں بلوچستان میں فوجی کارروائیوں کے مکمل خاتمے اور تمام لاپتہ اور گرفتار بلوچ کارکنوں کی رہائی کا مطالبہ کرر ہے ہیں۔ حکومت کو ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کرنا چاہیے اور بلوچ رہنماؤں کے ساتھ سرحد میں طالبان کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے طرز کا معاہدہ کر کے اعتماد سازی کا ماحول تشکیل دینا چاہیے۔ ساتھ ساتھ نئے این ایف سی ایوارڈ میں بلوچستان کو ترجیحی بنیاد پر وسائل فراہم کرنے' گیس کی رائلٹی اور بلوچستان میں جاری میگا پروجیکٹس کے بارے میں بلوچوں کے شکوک وشبہات دور کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ علاوہ ازیں براہ راست عوام کو فائدہ پہنچانے والے نئے منصوبے پیش کیے جانے چاہئیں۔

بلوچستان ایک عرصے سے وسائل کی قلت کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کی حکومت کے نئے بجٹ کی تیاری میں مشکلات کا سامنا ہے۔ وزیراعظم نے بلوچستان حکومت کو 3 ارب روپے کی خصوصی امداد دینے کا اعلان کیا ہے تاہم بلوچستان کی حکومت کے مطابق اسے 20 ارب روپے کے خسارے کا سامنا ہے۔ وفاقی حکومت کو اس خسارے کو پورا کرنے کیلئے بلوچستان حکومت کے ساتھ مزید تعاون کرنا چاہیے تاہم ساتھ ساتھ بلوچستان حکومت کو بھی اپنے غیر ترقیاتی اخراجات پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بلوچستان کابینہ میں 45 کے قریب وزراء شامل کیے گئے ہیں جو کہ وسائل سے محروم اس چھوٹے صوبے کے خزانے پر بوجھ ہیں۔ پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کو کابینہ کا حجم اپنے وسائل کے مطابق رکھنا چاہیے۔ بلوچ عوام کی محرومیوں کا خاتمہ وفاقی حکومت کی اولین ذمہ داری ہے تاہم اس سلسلے کی کچھ ذمہ داری بلوچستان کے منتخب نمائندوں اور بلوچ عوام کی نمائندگی کرنے والے سیاسی رہنماؤں کو بھی اٹھانی چاہیے۔ خطے میں سرگرم بعض عالمی طاقتیں گریٹر بلوچستان کے تصور کو پاکستان کے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ تمام محب وطن قومی حلقوں اور خود بلوچ رہنماؤں کو ان طاقتوں کے عزائم سے ہوشیار رہنا ہوگا اور بلوچستان کے مسئلے کو ملکی سالمیت کے خلاف سازش کیلئے استعمال کیے جانے سے بچانا ہوگا۔ ان مسائل کا حل بظاہر تو ہر پاکستانی کیلئے ''انصاف'' کی فراہمی یقینی بنانا ہی دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جناب آصف زرداری یہ فرماتے ہیں کہ غریب جسٹس افتخار کی بحالی نہیں روٹی مانگ رہے ہیں۔

پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں

امریکہ کے متوقع صدر باراک اوباما نے حال ہی میں افغانستان کا طوفانی دورہ کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ صدر منتخب ہوتے ہی 10 ہزار مزید امریکی فوج افغانستان میں بھیج دیں گے۔ قبل ازیں باراک اوباما کے پاکستان سے متعلق زہریلے بیانات اور دھمکیاں گزشتہ دنوں اخبارات کی زینت بنتی رہی ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ میں ری پبلکن یا ڈیموکریٹس کسی کی بھی حکومت ہو پاکستان سے متعلق ان کی پالیسی پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے، جس سے وہ سرمو انحراف نہیں کرتے۔ صرف ایک کام ہوتا ہے کہ امریکی اپنی گاڑی میں جوتنے کیلئے کبھی کبھی پاکستان سے گدھا تبدیل کرلیتے ہیں۔ عموماً اسے گھوڑا تبدیل کرنا کہا جاتا ہے لیکن پاکستان میں انہیں جس نوعیت کے اور جس اعتبار کے وفادار غلام میسر ہیں' ان کو گھوڑے کے بجائے گدھے سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے۔ گزشتہ قریباً 9 سال کی امریکی ''گدھا گیری'' کا ہمیں بالآخر یہ انعام ملا کہ امریکی صدر بش نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ آئندہ جو بھی خطرہ لاحق ہوا وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے ہوگا، اسی لئے امریکنوں نے پاکستان کے قبائلی علاقوں پر اپنا تصرف قائم کرنے کی عملی منصوبہ بندی کرلی ہے۔

ہماری حکومت کی کارکردگی پر کوئی تبصرہ اس لئے لاحاصل ہے کہ وہ بے چارے اپنے دماغ سے فیصلہ کرہی نہیں سکتے۔ جتنی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اس کے بعد ان میں ذاتی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہی سلب ہوچکی ہے۔ جس ملک کے وزیراعظم کو حکومت چلانے کیلئے ہدایات لینے اپنے لاؤلشکر سمیت دوبئی جانا پڑے اس پر رحم ہی کھایا جاسکتا ہے۔ حالت یہ ہے کہ طالبان اور ہماری سکیورٹی فورسز حالت جنگ میں ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف کامیابیوں کے دعوے اس طرح کیے جاتے ہیں جیسے یہ پاک بھارت جنگ ہورہی ہو۔ سکیورٹی فورسز کے ترجمان کہتے ہیں کہ ہم نے قلعہ ہنگو آزاد کروالیا ہے' اتنی تعداد میں طالبان مارے گئے ہیں۔ طالبان کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے جبکہ ان کی طرف سے سکیورٹی فورسز کے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد سرکاری اعلانات سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ فاٹا کی سات ایجنسیاں ہیں اور کہیں بھی عوام کو سکون نہیں۔ راتوں رات نئے نئے لشکر جنم لے رہے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔ درمیان میں ہماری سکیورٹی فورسز کھڑی ہیں۔ اب انتہائی خطرناک اور تشویشناک بات یہ ہے کہ اچانک بلوچستان کا محاذ پھر گرم ہوگیا ہے۔ ڈیرہ بگٹی میں سکیورٹی فورسز اور علیحدگی پسندوں کے درمیان لڑائی ہورہی ہے، جس میں دونوں اطراف سے مرنے والوں کی تعداد یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ ان جھڑپوں کی نوعیت کیا ہے۔

پاکستانی معیشت مجموعی طور پر اس وقت شدید مندی کا شکار ہے۔ عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں بڑھنے اور ملک میں سیاسی افراتفری کے باعث اس وقت ملکی معیشت کے تمام سیکٹرز جہاں بحران کے شکار ہیں' وہاں سٹاک مارکیٹ بھی اپنے تاریخی بحران سے گزر رہی ہے۔ جمعرات کے روز سٹاک مارکیٹ کا بحران اس وقت انتہائی شدت اختیار کرگیا جب کراچی اور لاہور کی سٹاک مارکیٹوں کے چھوٹے سرمایہ کاروں نے پرتشدد احتجاج کا

سلسلہ شروع کرتے ہوئے سٹاک ایکسچینج کے باہر توڑ پھوڑ شروع کردی۔ چھوٹے سرمایہ کاروں نے اس تمام بحران کا ذمہ دار سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اور ریگولیٹرز کو قرار دیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کی جانب سے حصص کی فروخت کی حکمت عملی اور سٹاک مارکیٹ سے سرمایہ نکال کر اس کی بیرون ملک منتقلی بھی اس بحران کا باعث ہے۔ بعض بروکرز کے بقول غیر ملکی سرمایہ کاروں نے حصص کی فروخت کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سرکاری اعدادوشمار کے مطابق صرف بدھ کے روز سٹاک مارکیٹ سے 14 ارب روپے کی رقم نکال لی گئی تھی۔ یہ سلسلہ گزشتہ ایک ماہ سے مسلسل جاری ہے لیکن حکومت اور سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اسے روکنے میں بری طرح ناکام رہی ہے جس کے باعث جمعرات کے روز سٹاک مارکیٹ مکمل طور پر کریش کر گئی۔

18 اپریل 2008ء کو کے ایس ای 100 انڈیکس 15676 پوائنٹس کے ساتھ ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر پہنچ چکا تھا، لیکن اس کے باوجود تمام سرکاری اور بڑے نجی مالیاتی اداروں کی جانب سے مارکیٹ کو سپورٹ نہ کرنا انتہائی حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ شکوک وشبہات کو بھی جنم دیتا ہے۔ 18 اپریل کو کراچی سٹاک ایکسچینج میں حصص کی مالیت 4791 ارب روپے تھی لیکن صرف تین ماہ کے دوران 1312 ارب روپے کی کمی کے ساتھ 14 جولائی 2008ء کو حصص کی یہ مالیت 3479 ارب روپے رہ گئی تھی۔ یوں کراچی سٹاک مارکیٹ کے سرمائے میں مجموعی طور پر 30 سے 35 فیصد کمی واقع ہوچکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سٹاک مارکیٹ کے بحران کی اصل وجوہات کیا ہیں؟ بظاہر تو یہی کہا جارہا ہے کہ ملک کے معاشی و سیاسی حالات اور امن وامان کی خراب تر ہوتی ہوئی صورتحال نے اس بحران کو جنم دیا ہے۔ اس کے علاوہ نومنتخب جمہوری حکومت کی ڈانواں ڈول پوزیشن کو بھی اس کی بڑی وجہ قرار دیا جارہا ہے۔ تاہم ان تمام وجوہات اور عوامل کے ساتھ ساتھ ایک اور بنیادی عنصر جو ہمارے ملک کی سٹاک مارکیٹس میں پایا جاتا ہے وہ "سٹہ بازی" کا عنصر ہے۔ سٹاک مارکیٹ کے بحران میں سٹہ بازی کے پہلو کو قطعی طور پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ پاکستانی سٹاک مارکیٹ کا شمار دنیا کی بڑی سٹہ باز سٹاک مارکیٹوں میں ہوتا ہے بلکہ کراچی سٹاک مارکیٹ کو کسی حد تک سٹہ بازی کا بہت بڑا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ عمل جہاں ایک طرف اسلامی احکامات کے منافی اور شرعی اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے وہاں دوسری طرف ملکی معیشت کیلئے زہر قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ حکومتی ریونیو کو بھی بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا رہا ہے۔ حکومت میں شامل بعض کرپٹ عناصر حصص کے کاروبار پر کیپیٹل گین ٹیکس عائد نہ کرکے نہ صرف یہ کہ سٹہ بازوں کی حمایت وحوصلہ افزائی کررہے ہیں بلکہ ان سٹہ بازوں سے اپنا "حصہ" بھی وصول کررہے ہیں۔ گزشتہ ہفتے کی ہی ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ان کرپٹ اور خفیہ عناصر نے سٹاک مارکیٹ کے کرتا دھرتا بروکرز کے ساتھ ساز باز کرکے حصص کے کاروبار پر کیپیٹل گین ٹیکس عائد نہ کرنے کے صلے میں 30 ارب روپے وصول کئے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ 30 ارب روپے کی بھاری بھرکم "بخشش" عنایت کرنے والے بروکر حضرات اپنا یہ خسارہ چھوٹے سرمایہ داروں سے پورا کرنے کیلئے وہ تمام ہتھکنڈے آزمائیں گے جو ان کیلئے ممکن ہوسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعرات کے روز احتجاج کرنے والے چھوٹے سرمایہ داروں نے سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اور بڑے بروکرز کو ہی اس تمام صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق تاجروں اور صنعتکاروں نے حکومت کی جانب سے اعلان کردہ نئی تجارتی پالیسی کو غیر واضح اور ناقابل عمل

قرار دے کر مسترد کر دیا ہے اور الزام عائد کیا ہے کہ حکومت نے نئی تجارتی پالیسی کے حوالے سے تاجروں اور صنعتکاروں کی تمام تجاویز کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تاجر رہنماؤں نے وزیر تجارت چودھری احمد مختار کے اس دعویٰ کو کہ رواں مالی سال کے 22 ارب 10 کروڑ ڈالر کا برآمدی ہدف بآسانی حاصل کر لیا جائے گا' ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت' سیاسی عدم استحکام اور امن وامان کی خرابی کے عوامل کے ہوتے ہوئے برآمدات کے ہدف تجارت کو گزشتہ سال 19.2 بلین ڈالر کا برآمدی ہدف سونپا گیا تھا جو پورا نہ ہو سکا۔ یہ ہدف بھی غیر حقیقت پسندانہ تھا کیونکہ 17 بلین ڈالر کا جو ہدف ہم نے 07-2006ء میں حاصل کیا تھا وہ اس ہدف سے 2.2 بلین ڈالر زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ گزشتہ سال خدمات کی برآمدات جو کہ نیشنل اکاؤنٹس کے مختلف اجزاء میں تقسیم ہیں' 2.9 بلین ڈالر تھیں اور دفاع سے متعلق برآمدات 63.9 ملین ڈالر تھیں۔ پیداواری شعبہ نے بھی گزشتہ عشرے کی سب سے کم شرح ترقی دیکھی جو کہ گزشتہ سال کے 8.1 فیصد کے مقابلے میں اس سال 5.4 فیصد رہی۔ لارج سکیل پیداواری شعبہ کے حالات اس سے بھی خراب رہیں۔ اس شعبہ میں ترقی گزشتہ سال کے 8.6 فیصد کے مقابلے میں صرف 4.8 فیصد رہی۔ برآمدی شعبہ نے کسی حد تک اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور برآمدات میں سال 08-2007ء میں 13.23 فیصد ترقی ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ برآمدات کے شعبے میں پاکستان معاصر دنیا سے بہت پیچھے ہے۔ عالمی نقطہ نظر سے پاکستان کی بڑی 200 برآمدی اشیاء کا برآمدات میں تناسب 91 فیصد ہے جبکہ ان اشیاء کا عالمی مارکیٹ میں تناسب صرف 19 فیصد ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیا کی 81 فیصد اشیاء تجارت میں پاکستان کو کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر درآمدات اور برآمدات کے تناسب میں زمین وآسمان کا فرق موجود ہے جس کی وجہ سے ملک کا تجارتی خسارہ اپنی انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔ رواں سال میں ہمیں 20.77 بلین امریکی ڈالر کے تجارتی خسارے کا سامنا ہے۔ اس سال درآمدات میں پچھلے سال کے مقابلے میں 9.428 ارب ڈالر کا اضافہ ہوا جبکہ برآمدات میں صرف 2.246 ارب ڈالر اضافہ ہوا۔

100 دنوں میں موجودہ حکومت نے معاشی بدحالی کا جو تحفہ دیا اس نے نہ صرف عوام کی کمر توڑ دی بلکہ اس کے اثرات سٹاک مارکیٹ تک جا پہنچے اور سٹاک مارکیٹ بدترین مندی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ کراچی سٹاک ایکسچینج میں چھوٹے سرمایہ کاروں نے مشتعل ہو کر عمارت پر ہلہ بول دیا اور توڑ پھوڑ کی۔ سرمایہ کاری میں ملک وقوم کو 933 ارب روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا کیونکہ 31 مارچ 2008ء کو مارکیٹ میں کل سرمایہ کاری کی مالیت 4623 ارب روپے تھی جو اب 3690 ارب روپے رہ گئی ہے۔ سٹاک مارکیٹ 15126 پوائنٹ سے 3248 پوائنٹس گر کر 11878 پر پہنچ گئی ہے۔ یہ سطور لکھتے وقت یہ گراوٹ 36 فیصد تک پہنچ چکی ہے اور معاملہ 3248 پوائنٹس سے گر کر 5600 تک آ گیا ہے۔ افراطِ زر صرف غذائی اجناس میں 19.7 فیصد بڑھا ہے۔ پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر میں 15.8 فیصد (2.1 ارب ڈالر) کمی واقع ہوئی ہے۔ ڈالر کے مقابلے میں پاکستانی کرنسی 8.3 روپے ان سو دنوں میں کم ہو چکی ہے۔ عالمی منڈی میں پاکستانی روپیہ سب سے کم قیمت کرنسیوں میں شامل ہو چکا ہے۔ سو دنوں میں بیرونی قرضوں کا حجم 373.5 ارب روپے بڑھ گیا ہے۔ اس کی وجہ روپے کی قدر میں کمی ہے۔ پاکستان کے عوام پر روزانہ کی بنیاد پر قرضوں کا بوجھ 3.70 ارب روپے بڑھ رہا ہے۔ اس معاشی بحالی کا بنیادی سبب ملک میں سیاسی عدم استحکام اور گومگو کی پالیسی ہے۔ جغرافیائی صورتحال کا اثر انداز ہونا لازمی امر ہے۔ لوڈشیڈنگ کے باعث بے شمار صنعتیں بند ہو چکی ہیں' درآمدات پر زور' بھارت سے سی این جی بسوں اور تیل وڈیزل

درآمد کرنے کی' یہ سطور تحریر کرتے وقت اجازت دی گئی ہے۔ گندم 15 لاکھ ٹن امریکہ سے آرہی ہے' برآمدات نام کی کوئی چیز نہیں اور درآمدات پر زرمبادلہ لٹایا جارہا ہے۔ مذاکرات کا سلسلہ دباؤ کے باعث مشاجرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ملک کو چند سرمایہ کار نہ صرف لوٹ رہے ہیں بلکہ اسے گروی رکھنے کا بندوبست بھی جاری ہے۔ مہنگائی' بدامنی اور لاقانونیت کا لاوا پھٹ گیا تو پھر اس میں سب کچھ بہہ جائے گا۔ وطن عزیز میں انقلاب کی نفی کرنے والوں کو کہیں اپنے موقف سے رجوع نہ کرنا پڑے۔

حکومت شاید یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان میں رہنے والے انسان گوشت پوست کے بجائے فولاد سے بنے ہیں یا پھر ہم کوئی جناتی مخلوق ہیں۔ مسلسل مہنگائی کا کلہاڑا چلانے کے بعد بھی حکومت کی تسلی نہیں ہوتی۔ وجوہات کچھ بھی رہی ہوں' یہ عذاب آخر عوام پر ہی کیوں گرایا جارہا ہے؟ ان لٹیروں' حرامیوں اور غداروں کو کیوں نہیں پکڑا جارہا جنہوں نے کھربوں روپے خورد برد کئے' جن کے اربوں روپے غیر ملکی بینکوں میں جمع ہیں۔ 20 جولائی کو پٹرول کی قیمت میں قریباً 11 روپے' ڈیزل کی قیمت میں قریباً 10 روپے اور مٹی کا تیل قریباً 9 روپے مزید مہنگا کر کے زندہ درگور پاکستانیوں کی ہڈیوں سے رہا سہا گودا بھی نکال لیا گیا ہے۔ سنا ہے یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا۔ پانی' بجلی' گیس' ٹیلیفون' غرض ہر وہ ضرورت زندگی جس سے عوام کا کسی نہ کسی طور واسطہ پڑتا ہے' عوام پر عذاب بنادی جائے گی۔

پاکستانیوں کو قحط کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ وہ ملک جسے اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے مالا مال کیا' اس کو بدکردار' بدعنوان' بے حیا اور غداروں نے آکٹوپس کی طرح اپنے پنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ لوڈشیڈنگ کے اندھیروں میں ڈوبی قوم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ گزشتہ سال کی نسبت اس سال پانچ چھ گنا زیادہ لوڈشیڈنگ کی جارہی ہے' کیا پاکستان کی آبادی ایک سال میں پانچ گنا بڑھ گئی ہے؟ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ آئندہ ہر ماہ بجلی کی قیمتوں میں ردوبدل کیا جائے گا۔ کیا یہ فیصلہ بھی مسلم لیگ (ن) کے اسحاق ڈار کی مرضی سے ہوا؟

پٹرول اور تیل کی قیمتوں کو مدنظر رکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بجلی کی قیمتوں میں ردوبدل اور جائزے کا مقصد ان میں اضافہ ہی ہوگا۔ مختلف محکموں کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی لوٹ مار میں لگے ہوئے ہیں' کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نجی ٹی وی چینلز کے آزاد ہونے سے عوام کی سیاسی اور غیر سیاسی تربیت ہورہی ہے۔ اب شاطر سیاستدانوں کیلئے ممکن نہیں رہا کہ وہ دو چار جذباتی بیانات دے کر یا تقاریر کر کے عوام کو دوبارہ یا سہ بارہ بیوقوف بنائیں۔ ضمنی انتخابات میں عوام نے قطعاً دلچسپی نہ لے کر ثابت کیا ہے کہ پہلے والے بے کار لوگ تھے اور موجودہ حکمران انہی کا تسلسل ہیں۔ ایک پرائیویٹ چینل پر لوگ اپنے خیالات کا اظہار فون پر کررہے تھے۔ ایک کالر کا کہنا تھا کہ جب تک عام لوگوں کی بے حسی دور نہیں ہوگی' معاملات ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اس کا نکتہ نظر یہ تھا کہ لوگ اگر کسی شخصیت کو نقصان پہنچائے بغیر واپڈا کے صدر دفتر اور دیگر دفاتر پر بار بار مظاہرہ کریں یا وفاقی وزیر راجہ پرویز اشرف پر بار بار مختلف عوامی وفود کے ذریعے قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے دباؤ ڈالتے رہیں تو بہت سے ڈرامے بند ہوسکتے ہیں۔ عوام کے ایک حلقے کی رائے ہے کہ لوڈشیڈنگ ٹوپی ڈرامہ ہے' مہنگائی ایک ڈرامہ ہے' اسی طرح اعتزاز احسن صاحب کا لانگ مارچ بھی ایک ڈرامہ تھا' ڈراموں کے سہارے حکمرانوں کی عزت نہیں رہتی۔ لوگ توقع کررہے تھے کہ گزشتہ دور حکومت میں بے مثال لوٹ مار کرنے والوں کا موجودہ حکمران اتحاد احتساب کرے گا لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ جلد ہی لوگ موجودہ حکمرانوں کے احتساب کی خواہش کرنے لگیں گے۔

کاش ان حکمرانوں کو یہ سمجھ آجائے کہ انسان تو بے بس ہوتے ہیں لیکن انسانوں کو پالنے والا نہیں۔ ڈرو اللہ کے عذاب سے کہ اس کی گرفت کے سامنے تمہاری ساری تدابیر اور چالاکیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور تم کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے۔ پاکستانی عوام بددعائیں مانگ رہے ہیں' خودکشیاں کر رہے ہیں لیکن ہمارے ارباب بست وکشاد سیاست کر رہے ہیں' سیر سپاٹے کر رہے ہیں۔ کوئی ہے جو انہیں آنے والے عذاب سے خبردار کرے جو بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے......!

حکمتِ عملی یا سازش

ان حالات میں جبکہ ساری قوم پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے سحر میں گرفتار صدر کے مواخذے کے نتائج کی منتظر ہے۔ اس تلخ حقیقت اور خطرناک سازش سے ہماری آنکھیں قریباً بند ہو چکی ہیں جو فاٹا میں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے۔ باجوڑ اور سوات میں خطرناک اور خونی جھڑپیں جاری ہیں لیکن یہ کسی دشمن ملک کی فوج کے خلاف ہونے والی کارروائی نہیں بلکہ پاکستانی سیکورٹی فورسز اپنے ہی ملک کے شدت پسندوں سے حکومتی رٹ نافذ کرنے کے لئے نبرد آزما ہیں۔ بظاہر تو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے صدر کے مواخذے کا مسئلہ ہی شاید ''فاٹا'' میں انتہائی شدید کارروائی کے لئے کھڑا کیا گیا تھا اور عوام کی توجہ مبذول کروانا مقصود تھا کیونکہ مسلسل دس بارہ روز سے سیکورٹی فورسز اور شدت پسندوں کے درمیان لڑائی میں تیزی آ رہی ہے۔ ہیلی کاپٹروں' میزائلوں اور نظر نہ آنے والے جہازوں کے حملوں میں سینکڑوں بے گناہ قبائلی عوام جاں بحق ہو چکے ہیں۔

14 اگست کو پشاور میں ہونے والی پریس کانفرنس جس میں وزیر اعلیٰ سرحد امیر حیدر ہوتی گورنر سرحد اویس غنی اور وفاقی وزارت داخلہ کے سربراہ رحمان ملک شامل تھے کہا گیا ہے کہ اب تک باجوڑ میں 462 جنگجو مارے گئے ہیں۔ جبکہ سیکورٹی فورسز کے 22 جوان اور افسران بھی جاں بحق ہوئے ہیں۔ رحمان ملک کا کہنا ہے کہ باجوڑ میں حکومت قریباً تین ہزار مسلح عسکریت پسندوں کا مقابلہ کر رہی ہے جن میں چیچن' افغان' یمنی اور افریقی عسکریت پسند شامل ہیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ان عسکریت پسندوں کو سرحد پار سے مکمل مدد مل رہی ہے اور پاکستان دشمن قوتیں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ اسی پریس کانفرنس میں رحمان ملک نے یہ بھی بتایا کہ قریباً 2 لاکھ 20 ہزار مقامی قبائلی باجوڑ سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔ ان کی غالب تعداد پشاور اور دوسرے علاقوں کی طرف آ گئی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان نقل مکانی کرنے والوں کی ''دیر'' میں آمد کے بعد وہاں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کے درمیان الگ سے جھڑپیں ہو رہی ہیں اور سوات میں ہونے والی خونریز جھڑپوں سے مٹہ میں خوبانی اور آڑو کے باغات بھی جل کر خاکستر ہو گئے ہیں۔ مقامی آبادی زندہ درگور ہو چکی ہے خوف اور خونریزی نے چاروں طرف ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔

باجوڑ میں طالبان گروپوں کی طرف سے لوئی اور سم نامی علاقوں پر قبضے کے بعد ان علاقوں میں سیکورٹی فورسز نے زبردست جوابی حملہ کیا تھا۔ جس میں فضائی حملہ بھی شامل ہے جس میں کئی قابل ذکر طالبان لیڈر مارے جا چکے ہیں۔ باجوڑ ایجنسی میں سیکورٹی فورسز کے فضائی حملوں کے بعد طالبان نے صدر مقام خار سمیت لوئی سم اور صادق آباد کے علاقوں پر اپنا قبضہ ختم کر دیا ہے۔ دوسری طرف باجوڑ سے سینکڑوں مقامی افراد کے محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے۔ تحریک طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی کو فون کر کے بتایا کہ انہوں نے صدر مقام خار کے مضافات' لوئی سم اور صادق آباد میں اپنے زیر قبضہ علاقوں کو خالی کر دیا ہے۔ ان کے مطابق انہوں نے ان علاقوں کو اس لئے خالی کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی ایک حکمت عملی کے تحت سیکورٹی فورسز کی پیش قدمی روک دی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ گن شپ ہیلی کاپٹروں نے ان کے

مشتبہ ٹھکانوں پر گذشتہ روز کے مقابلے میں زیادہ شدت کے ساتھ فائرنگ کی ہے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر مراد نے بی بی سی کو بتایا کہ منگل کے روز بھی توپخانوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے طالبان کے مشتبہ ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ انہوں نے گذشتہ چھ روز کے دوران ہونے والی کارروائیوں میں سکیورٹی فورسز کے تیرہ اہلکاروں جبکہ طالبان کے ایک سو پچاس ساتھیوں کو ہلاک کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم طالبان اپنے ایک درجن سے زائد ساتھیوں کی ہلاکت کی تصدیق کر رہے ہیں۔ دوسری طرف باجوڑ کے تقریباً تمام علاقوں سے شہریوں کا محفوظ مقامات کی جانب نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ سینکڑوں بچے، خواتین اور معمر افراد ضلع دیر، مہمند اور پشاور کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ صدر مقام خار کا بازار، تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر مکمل طور پر بند ہیں۔ باجوڑ میں چند روز قبل صدر مقام خار سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور لوئی سم کے علاقے کی جانب سکیورٹی فورسز کی پیشقدمی کے بعد طالبان اور ان کے درمیان جھڑپیں شروع ہوئی تھیں۔ کئی دنوں تک ایک سو پچاس کے قریب اہلکاروں کے محاصرے کے بعد طالبان نے لوئی سم کے علاقہ پر قبضہ کر کے صدر مقام خار کی طرف پیشقدمی شروع کر دی تھی۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق گھیرے میں آئے سکیورٹی فورسز کے جوانوں نے بڑی بہادری سے گھیرا توڑا اور اپنے ساتھیوں سے آملے جس کے بعد ایک بڑا حملہ کر کے سکیورٹی فورسز نے ان تمام ٹھکانوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا جو طالبان کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ دوسری طرف صوبہ سرحد کے شورش زدہ ضلع سوات میں سرکاری سکولوں پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے، اور تازہ واقعات میں مسلح افراد نے لڑکیوں کے کالج اور ایک مڈل سکول کو نذر آتش کیا ہے، جس سے گذشتہ دو ماہ کے دوران جلائے جانے والے تعلیمی اداروں کی کل تعداد تقریباً نوے تک پہنچ گئی ہے۔ سوات سے موصولہ اطلاعات میں پولیس کے مطابق پہلا واقعہ بدھ کی رات طالبان کے ایک اہم گڑھ تحصیل مٹہ میں پیش آیا جہاں مسلح افراد نے لڑکیوں کے ایک کالج کو تیل چھڑک کر آگ لگائی۔ تھانہ مٹہ کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ کالج آٹھ کمروں پر مشتمل تھا جس سے تمام کمروں کو نقصان پہنچا ہے۔ تحصیل مدائن کے علاقے میں بھی پندرہ کے قریب مسلح افراد نے ایک مڈل سکول کو نذر آتش کیا ہے جس سے پولیس کے مطابق سکول کا فرنیچر اور تمام ریکارڈ تباہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک کسی تنظیم نے ان واقعات کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔ سوات میں تعلیمی اداروں پر حملوں کا سلسلہ گذشتہ دو ماہ سے جاری ہے تاہم حکومت کی طرف سے سکولوں کی حفاظت کے لئے بظاہر کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری طرف بدھ کی شام طالبان کے ایک اہم رہنما علی بخت خان اور ان کے چند ساتھیوں کی سکیورٹی فورسز کے حملے میں ہلاکت کے واقعہ کے بعد تحصیل کبل میں حالات بدستور کشیدہ بتائے جاتے ہیں۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ کبل میں غیر اعلانیہ طور پر کرفیو نافذ ہے جبکہ سکیورٹی فورسز نے چیک پوسٹوں پر تلاشی کا کام بھی سخت کر دیا ہے، جس سے عام لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ پاکستانی فوج کے دعوے کے مطابق اس حملے میں علی بخت سمیت نو شدت پسند مارے گئے تھے تاہم آزاد ذرائع سے پانچ طالبان جنگجوؤں کی ہلاکت کی تصدیق کی ہے۔ عینگو لئی کے مقام پر مقامی لوگوں نے ایک احتجاجی مظاہرہ منعقد کیا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سکیورٹی فورسز طالبان کے خلاف کارروائیوں میں عام شہریوں کے گھروں کو نشانہ بنائے۔ مظاہرے میں تحصیل کبل کے مختلف دیہات سے تعلق رکھنے والے درجنوں افراد نے شرکت کی۔ مقامی ذرائع کے مطابق گذشتہ دس دنوں کے دوران سکیورٹی فورسز اور طالبان کے مابین ہونے والی جھڑپوں میں تیس کے قریب عام شہری مارے جا چکے ہیں۔ واضح رہے کہ سوات میں گذشتہ ہفتے طالبان کی طرف سے خفیہ ادارے آئی ایس آئی کے تین اہلکاروں کی ہلاکت کے بعد

سکیورٹی فورسز نے عسکریت پسندوں کے خلاف آپریشن شروع کیا تھا جو تا حال جاری ہے، اور اب رحمان ملک کی پریس کانفرنس سے یہ علم ہوا ہے کہ سوات میں ہونے والا امن معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں کیئے گئے اقدامات کا مثبت جواب نہیں ملا اور اب سکیورٹی فورسز وہاں اس وقت تک موجود رہیں گی جب تک مکمل امن قائم نہ ہو اور حکومتی رٹ بحال نہ ہو جائے۔ قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی سے نقل مکانی کرنے والے لوگوں کی امداد میں مصروف رضا کاروں کا کہنا ہے کہ سکیورٹی فورسز اور طالبان کے درمیان جاری جھڑپوں کی سب سے بڑی قیمت خواتین اور بچے ادا کر رہے ہیں کیونکہ ہجرت کرنے والوں میں سے زیادہ تعداد ان خواتین اور بچوں کی ہے جو بغیر کسی سرپرست کے نقل مکانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ صوبہ سرحد کے دارالحکومت پشاور میں واقع چارسدہ اڈہ اس وقت ایک مہاجر کیمپ کا منظر پیش کر رہا ہے، جہاں پر سواری کم اور باجوڑ سے ہجرت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہجرت کرنے والوں میں زیادہ تعداد خواتین اور چھوٹے بچوں کی ہے جنہیں اڈے کے مختلف برآمدوں میں قناتیں لگا کر بٹھا دیا گیا ہے۔ ہر طرف میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بچے اور شٹل کاک برقعوں میں ملبوس خواتین نظر آ رہی ہیں۔ بچوں کے رونے اور ماؤں کو انہیں خاموش کرنے کی التجائی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ دوسری طرف کونے میں ان مہاجرین کے لئے چاول کی دیگ چڑھائی گئی ہے، اور ساتھ میں سڑک کے کنارے ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے کئی افراد ان کی خوراک و رہائش کے لئے لاؤڈ سپیکروں پر لوگوں سے چندہ وصول کر رہے ہیں۔ چارسدہ اڈے کے سوزوکی اور ٹیکسی ڈرائیور کئی دنوں سے اپنا کام چھوڑ کر ان مہاجرین کی مدد کرنے میں مصروف ہیں۔ بی بی سی کے نامہ نگار کے مطابق خواتین اور بچوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ایک برآمدے میں داخل ہوا تو شیر خوار بچے ماؤں کی گود میں بلک رہے تھے جبکہ باقی بچے مایوس چہرے لئے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی مشکلوں سے بعض خواتین کو بات کرنے پر راضی کیا تو ان میں ایک ادھیڑ عمر خاتون نے بتایا کہ یہاں پر تقریباً دو سو خواتین و بچے ہیں جن میں سے بعض ایک کے علاوہ باقی سب کے ساتھ کوئی مرد نہیں آیا۔ ان کے بقول ’ہمارے مرد زیادہ تر کراچی میں محنت مزدوری کرنے کے لئے گئے ہیں جب بمباری میں شدت آئی تو ہم ان سے رابطہ کئے بغیر گھروں میں سارا سامان چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف نکل آئے۔ انہوں نے مزید کہا ’یہاں پر ہمیں کھانا تو دیا جا رہا ہے لیکن کب تک اس ماحول میں پڑے رہیں گے۔ ہمارے پاس نہ پیسہ ہے اور نہ ہی کوئی اور آسرا‘ اب میں ان سے بات ہی کر رہا تھا کہ ایک بوڑھی عورت لپک کر میری طرف بھاگ کر آئی اور روتے ہوئے کہا کہ ’ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے پھر ہم پر کیوں بمباری کی جا رہی ہے۔ میں اپنا بوڑھا شوہر گھر میں چھوڑ کر اپنے گھر کے پچاس افراد جن میں ایک سترہ سالہ بچے کے علاوہ باقی سبھی خواتین اور چھوٹے بچے ہیں نقل مکانی پر مجبور ہوئی ہوں۔‘ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت نے اعلان کر کے علاقہ چھوڑنے کو کہا لیکن جب ہم پیدل روانہ ہوئے ’تو طالبان نے ہمیں روک کر جانے نہیں دیا پھر ہم خفیہ پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ پیدل چلتے ہوئے ہم سب کے پاؤں کا چمڑا اتر گیا ہے۔ میں نے پاس روتی ہوئی خاتون سے بات کرنا چاہی تو بتایا گیا کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتی کیونکہ ان کے بچے باجوڑ میں ہی رہ گئے ہیں۔ ایک اور خاتون روتے ہوئے آگے بڑھی اور میرے پوچھنے پر گویا ہوئی ”اس بات پر رو رہی ہوں کہ یہ دیکھو میرے بچے رو رہے ہیں بھوکے پیاسے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرے ساتھ کوئی مرد نہیں آیا ہے وہ کراچی میں محنت مزدوری کر رہا ہے۔“ وہ مزید کہنے لگی۔ ”علاقے میں شدید بمباری ہو رہی تھی رات کے وقت ہم غاروں میں پناہ لیتے تھے اور دن کو گھر کے کونے کھدروں میں پڑے رہتے تھے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز

میسر نہیں تھی۔'' بی بی سی کا نامہ نگار کہتا ہے یہ پشاور کے چارسدہ اڈہ میں مقیم صرف دو سو مہاجرین کی کہانی ہے۔ صوبہ سرحد کے ضلع دیر، پشاور، مردان، چارسدہ اور دیگر علاقوں میں باجوڑ کے نو لاکھ کی آبادی میں سے بے یارومددگار پڑے تقریباً تین لاکھ لوگوں کی داستان بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

محتاط ترین اندازے کے مطابق اس وقت باجوڑ سے ہجرت کر کے آنے والوں کی تعداد قریباً دو لاکھ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بدامنی اور بدبختی دونوں کا بیک وقت شکار ہوئے ہیں۔ انہیں یہ بات ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر وہ کس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں؟ ان کا جرم پاکستانی ہونا ہے یا مسلمان ہونا؟ اپنے علاقوں میں وہ عسکریت پسند گروپوں کی اطاعت کے پابند ہیں، اور اب بدقسمتی سے یہ گروپ بھی آپس میں لڑنے لگے ہیں۔ کرم ایجنسی، باڑہ اور مہمند اس کی بہترین مثال ہیں اور یہ سلسلہ اب ''فاٹا'' کی دیگر ایجنسیوں کی طرف پھیل رہا ہے یا ایک سازش کے تحت پھیلایا جا رہا ہے۔ اس سوال کا جواب کوئی بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہے، لیکن یہ بات صاف دکھائی دے رہی ہے کہ ایک سازش کے تحت ان علاقوں میں سازش کی آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ جو لوگ آگ کے شعلوں کو ہوا دے رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کا اپنا دامن بھی اس میں جل جائے گا۔

طالبان آ رہے ہیں؟

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی کی کئی دیواریں ان دنوں ایسے پوسٹروں سے بھری ہیں جن میں عوام کو طالبانائزیشن سے ہوشیار رہنے اور اپنی حفاظت خود کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اردو اور انگریزی زبان میں لکھے ان پوسٹر میں کٹے ہوئے سروں اور ٹانگوں کی تصاویر بھی ہیں۔ ان پوسٹروں پر یہ عبارت تحریر ہے کہ ''ہوشیار، ہوشیار طالبانائزیشن سے ہوشیار' اپنی حفاظت کا خود انتظام کریں شہر کو طالبانائزیشن سے بچائیں''۔ ان پوسٹروں میں اردو میں تحریر پوسٹر پر سندھ بچاؤ تحریک نامی تنظیم کا نام تحریر ہے جو غیر معروف ہے جبکہ انگریزی میں لکھے گئے پوسٹر پر سٹیزن آف کراچی یعنی کراچی کے شہری درج ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین نے اتوار کی شب ورکرز کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے بھی کچھ انہی خدشات کا اظہار کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بندوق کے زور پر کراچی میں طالبانائزیشن کی جا رہی ہے اور کراچی کو فاٹا بنانے کی کوششیں تیز کر دی گئی ہیں۔ ''میں اہلیان کراچی غریب اور امیر ہر فرد سے یہ کہتا ہوں کہ طالبانائزیشن کی کلاشنکوف بردار اور ڈنڈا بردار شریعت سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی حفاظت کا خود بندوبست کریں۔ میں ڈنڈا بردار شریعت اور کلاشنکوف بردار شریعت کراچی میں نفاذ کرنے والوں کو بتا دینا چاہتا ہوں یہ فاٹا نہیں کراچی ہے''۔ الطاف حسین نے لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کی اہلیہ اور جامعہ حفصہ کی پرنسپل ام حسان کے کراچی کے دورے اور مدارس میں خطاب پر بھی تنقید کی اور اسے ایک سازش قرار دیا۔ دوسری جانب فی الوقت قبائلی علاقوں تک محدود تحریک طالبان پاکستان کا دعویٰ ہے کہ کراچی سمیت سندھ بھر میں طالبان وجود رکھتے ہیں۔ تحریک کے ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ کراچی ان کی تحریک کے لیے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ''کراچی ایک کاروباری شہر ہے۔ یہاں بہت سے مدارس، طلبہ اور علماء ہیں۔ دنیا کی آنکھیں اس پر مرکوز ہیں۔ بھارت چاہتا ہے کہ وہ کراچی میں مداخلت کرے۔ دیگر دشمن ممالک بھی یہاں مداخلت کرنا چاہتے ہیں۔ جتنی اس شہر کی اہمیت ہے اتنی ہی یہاں طالبان کی اہمیت ہے''۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اگر طالبان یہاں وجود میں آ جائیں یہاں جو فحاشی اور عریانی عروج پر ہے وہ ختم ہوگی، اور بیرونی مداخلت کا بھی خاتمہ ہوگا۔ ''یہ کاروباری شہر ہے یہاں امن کی ضرورت ہے اور امن اسلام اور اسلامی نظریے سے ہے''۔

تحریک طالبان کا دعویٰ تھا کہ پاکستان میں ایسا کوئی خطہ یا شہر نہیں جہاں طالبان نہ ہوں کیونکہ یہ عقیدے اور نظریے کا مسئلہ ہے۔ ''طالبان اسی زمین کی پیداوار ہیں کہیں باہر سے نہیں آئے ان کا نظریہ اسلام ہے، اور پاکستان کا بنیادی نظریہ بھی اسلام ہے۔ طالبان ہی پاکستان کے اصل وارث ہیں، جو بھی اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس کے دشمن ہیں''۔ کراچی سے ماضی میں بھی طالبان تحریک کا نظریاتی تعلق رہا ہے۔ اس تحریک کے رہنما ملا عمر نے اسی شہر کے مدرسہ بنوریہ سے تعلیم حاصل کی اور یہاں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ افغانستان پر امریکی حملے سے قبل پاکستان حکومت کی جانب سے ملا عمر کی طرف بھیجے گئے علماء کے وفد میں بھی اس شہر کے علماء شامل تھے۔

کراچی میں گزشتہ دنوں پولیو مہم کے دوران محکمہ صحت کی جانب سے یہ شکایت کی گئی تھی کہ شہر میں بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے سے انکار میں اضافہ ہو رہا ہے، اور خاص طور پر یہ صورتحال ان علاقوں میں درپیش ہے جہاں افغانستان اور فاٹا سے لوگ آ کر آباد ہوئے ہیں۔ اس سے قبل تیل بردار ٹرک مالکان اور ٹھیکیداروں کو بھی دھمکی آمیز چٹھیاں موصول ہو چکی ہیں جن میں انہیں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں امریکی فوج کو تیل کی رسد بند کر دیں بصورتِ دیگر نتائج کیلئے تیار رہیں۔ ان تمام واقعات کے جواب میں حکومت سندھ کا یہ کہنا ہے کہ کراچی یا سندھ میں طالبان کا کوئی خطرہ موجود نہیں اور ان کی حالات پر مکمل نظر ہے۔ یہی بات دیگر سیاسی جماعتوں کی طرف سے کہی جا رہی ہے۔ خیال رہے کہ کچھ عرصہ پہلے طالبان کے پشاور پر حملے کا بہت زور و شور سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا لیکن آج بھی جبکہ پشاور سے بمشکل دس بارہ کلومیٹر دور باڑہ میں پاکستانی سکیورٹی فورسز اور عسکریت پسندوں کے درمیان تصادم ہو رہا ہے، اور ایک دوسرے کے ہلاک شدگان کی تعداد بڑھ چڑھ کر بتائی جا رہی ہے' پشاور بہرحال طالبان کے حملے اور قبضے سے محفوظ ہے۔ امید ہے انشاء اللہ کراچی اور ملک کے دیگر شہر بھی محفوظ رہیں گے۔

قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں حکام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مقامی طالبان کے ساتھ برسرِ پیکار سکیورٹی فورسز کے ایک سو پچاس کے قریب اہلکار گزشتہ تین روز سے طالبان کے محاصرے میں ہیں، لیکن فوج کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ یہ سکیورٹی اہلکار محاصرے میں نہیں لڑائی میں مصروف ہیں۔ دوسری طرف سکیورٹی فورسز اور طالبان کے درمیان جھڑپیں کئی روز سے جاری ہیں اور مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ درجنوں افراد کی لاشیں لوئی سم کے بازار میں پڑی ہیں۔ باجوڑ میں ایک اعلیٰ حکومتی اہلکار نے نام نہ بتانے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ تین دن قبل صدر مقام خار سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور لوئی سم کے علاقے کی جانب جن دو سو کے قریب اہلکاروں نے پیش قدمی کی تھی ان میں سے ایک سو پچاس کے قریب اہلکار طالبان کے محاصرے میں ہیں۔ انہیں مسلح طالبان نے چاروں طرف سے محاصرے میں لے لیا ہے، اور انہوں نے گزشتہ تین روز سے کھانا نہیں کھایا ہے اور نہ ہی انہیں پانی دستیاب ہے۔ یہ اہلکار مزاحمت کے طور پر ایک آدھ فائر بھی کر لیتے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ تین دنوں کی جھڑپوں میں سکیورٹی فورسز کے کئی اہلکار جاں بحق ہوئے ہیں جن کی لاشیں وہاں پڑی ہیں اور انہیں اٹھانے کا کوئی موقع نہیں مل رہا۔ ان کے بقول مارے جانے والے اہلکاروں کی حتمی تعداد معلوم نہیں ہو سکی ہے البتہ ہمارے اندازے کے مطابق تیس کے قریب اہلکار ہلاک ہوئے ہوں گے۔ پاکستانی سکیورٹی فورسز کے ترجمان میجر مراد نے بتایا کہ گزشتہ تین دنوں کی کارروائی میں سکیورٹی فورسز کے سات جوان ہلاک جبکہ تیس طالبان ہلاک ہوئے ہیں۔ ترجمان کے مطابق طالبان کے خلاف کارروائی جاری ہے، اور ان کے مشتبہ ٹھکانوں کو توپخانے اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

طالبان ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی کو فون کر کے بتایا کہ ان کے ساتھیوں نے گھات لگا کر جمعہ کی رات صادق آباد اور لوئی سم کے علاقے کے درمیان ایک فوجی قافلے پر راکٹوں اور ہلکے ہتھیاروں سے حملہ کیا جس میں ان کے دعویٰ کے مطابق چالیس اہلکار ہلاک ہو گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے خود جا کر لاشوں اور تباہ شدہ گاڑیوں کو دیکھا ہے، اور طالبان نے اپنے موبائل سے جائے وقوعہ کی ویڈیو فلم بھی بنائی ہے۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ تین دنوں کی جھڑپوں کے دوران 65 کے قریب اہلکاروں کو ہلاک جبکہ چھبیس کو یرغمال بنایا گیا ہے۔ مولوی عمر نے کہا کہ ان کے چار ساتھی مارے گئے ہیں جبکہ لوئی سم کے بازار میں سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں کے علاوہ ان کے کئی ساتھیوں کی لاشیں بھی پڑی ہیں

جس سے جھڑپوں کی وجہ سے اٹھائے جانے کا موقع نہیں مل رہا۔

پاکستان کے اندر موجود شدت پسند تنظیموں کی جانب سے خطرے سے فکرمند امریکی حکومت ان دنوں افغانستان، وہاں تعینات اتحادی افواج اور خود امریکہ کے لیے پیدا ہونے والے سکیورٹی چیلنجز سے نمٹنے کی خاطر ایک جامع حکمت عملی تشکیل دے رہی ہے۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے گزشتہ دنوں کہا کہ وہ پاکستان سے افغانستان آنے والے مزاحمت کاروں سے نمٹنے کے لیے مزید امریکی فوجی افغانستان بھیجنے پر غور کر رہے ہیں۔ رابرٹ گیٹس کے بیان سے ایک روز قبل کانگریس میں ایک بل پیش کیا گیا جس میں پاکستان کو انسانی امداد تین گنا کرنے کی تجویز ہے تاکہ امریکہ اور سویلین حکومت کے تعلقات مضبوط ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے تعلقات جواب تک صرف پاکستانی فوج کے ساتھ رہے ہیں ان میں تبدیلی لائی جائے۔

امریکہ کو یہ بھی امید ہے کہ آئندہ ہفتے عراق سے پانچ بریگیڈز کی واپسی سے امریکی افواج پر پہلے جیسا دباؤ نہیں رہے گا، اور ان کی مختلف مقامات پر تعیناتی کرنے کا فیصلہ آسان ہو جائے گا۔ ایڈمرل مولن نے کہا کہ وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کے افغانستان میں مزید افواج تعینات کرنے کی تجویز سے یقیناً مزاحمت کاروں کے لیے سرحد پار آنا جانا مشکل ہو جائے گا تاہم ''یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ پاکستان پر بھی دباؤ ہو''۔ گزشتہ ہفتے واشنگٹن کے دورے پر پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا تھا کہ پاکستان جتنا ہو سکتا ہے شدت پسندوں سے لڑنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن امریکہ ان کے اس بیان سے متفق دکھائی نہیں دیتا۔ امریکہ نے مزاحمت کاروں کے خطرے سے نمٹنے کیلئے یکطرفہ کارروائی کرنا شروع کر دی ہے۔ حال ہی میں افغانستان سے امریکی فوج نے پاکستان میں بمباری بھی کی ہے۔ اس سے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں کشیدگی آئی ہے۔ اس مسئلے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام آباد میں قیادت کا فقدان ہے۔ انتخابات کے پانچ ماہ گزرنے کے باوجود اتحادی حکومت صدر پرویز مشرف کو ان کے عہدے سے ہٹانے کے لیے الجھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس سال کے آغاز سے نئی سویلین حکومت قبائل اور شدت پسندوں کے ساتھ امن معاہدے کر رہی ہے، اس امید میں کہ سرحدی علاقوں میں استحکام لایا جا سکے۔ ان معاہدوں کے تحت پاکستانی فوج شدت پسندوں کو جیل سے رہا کر رہی ہے اور بعض علاقوں میں تعینات فوجیوں کو ہٹا رہی ہے۔ اس پر افغانستان اور امریکہ ناراض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے اس طرح کے ماضی کے تجربوں سے تشدد میں اضافہ ہوا تھا۔ ادھر نیٹو حکام کا کہنا ہے کہ گزشتہ مئی میں سرحد پار حملوں میں پچاس فیصد اضافہ دیکھا گیا۔

امن معاہدوں کی شرائط پر بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔ امریکی وزارت خارجہ کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ یہ معاہدے کافی حد تک خفیہ ہیں اور یہ واضح نہیں ہے کہ پاکستان نے شدت پسندوں کے سرحد پار جا کر حملے کرنے پر کوئی پابندی عائد کی ہے۔ پینٹاگون میں ایک پریس کانفرنس کے دوران رابرٹ گیٹس کا کہنا تھا کہ یہ کافی اہم ہے کہ پاکستانی حکومت خود پاکستان کے لیے شدت پسندوں سے پیدا ہونے والے خطرات کو سمجھے۔ رابرٹ گیٹس نے کہا کہ یہ کافی اہم ہے کہ سویلین حکومت فاٹا اور صوبہ سرحد میں ان تنظیموں پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جانب سے پاکستان کے لیے پیدا ہونے والے خطرے کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لے لیکن امریکہ اس بات پر بھی فکرمند ہے کہ شدت پسندوں کا خطرہ بہت دور پھیل سکتا ہے، شاید امریکہ تک بھی۔ ایڈمرل مولن کا کہنا تھا ''مجھے یقین ہے کہ اگر امریکہ پر حملہ ہوا تو یہ القاعدہ اور فاٹا میں موجود شدت پسندوں کی

قیادت کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوگا''۔انہوں نے مزید کہا'' ہمارے لیے خطرہ یہی ہے جس سے نمٹنا ضروری ہے''۔

اس سکیورٹی خدشے کے پیش نظر امریکی کانگریس میں منگل کے روز ایک بل پیش کیا گیا، جس کے تحت پاکستان کو ملنے والی غیر فوجی امداد آئندہ پانچ برسوں کے لیے بڑھا کر ساڑھے سات بلین ڈالر کردی جائے گی تاکہ پاکستان میں ہسپتال، اسکول اور دیگر ترقیاتی منصوبوں پر کام ہو سکے۔ڈیموکریٹک سینیٹر جوسیف بدین نے یہ بل پیش کرتے ہوئے کہا'' ایک زمانے تک پاکستان کی جانب ہماری پالیسی تبدیلی کی متوجہ رہی ہے''۔اس موقع پر ریپبلکن سینیٹر رچرڈ لوگار نے کہا'' یہ قانون سازی اس بات کا اعتراف ہے کہ انسدادی دہشت گردی اور جمہوریت کو مضبوط کرنے کا کام ساتھ ساتھ ہوگا''۔ کانگریس میں پیش کیے جانے والے اس بل میں کہا گیا کہ پاکستانی فوج یا پاکستانی حکومت سے تعلقات کو فروغ دینے کے بجائے پاکستانی عوام سے امریکہ کے تعلقات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔اس بل میں پاکستانی فوج کو ملنے والی امداد کو اس کی کارکردگی سے مشروط کیا گیا تاہم امریکی صدر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس شرط کو امریکہ کے قومی سلامتی کے مدنظر نظرانداز کرسکتا ہے۔دونوں سینیٹروں کو امید ہے کہ اس بل کو اس سال کے اختتام تک امریکی صدر کی منظوری مل جائے گی، لیکن اس بات کے بھی خدشات ہیں کہ پاکستان میں عوام کے دل و دماغ جیتنے کی اس پالیسی میں شاید تاخیر ہوگئی ہے اور مستقبل قریب میں فوجی طریق کار ہی جاری رہے گا۔

گزشتہ ایک ہفتے کے دوران پاکستان کے قبائلی علاقوں میں مہمند اور باجوڑ ایجنسیوں میں سکیورٹی فورسز کی طرف سے عسکریت پسندوں کے خلاف کارروائیوں کے دوران ایک درجن سے زائد عام شہری مارے جاچکے ہیں جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔سکیورٹی فورسز کی طرف سے مقامی طالبان کے خلاف کارروائیوں میں عام شہریوں کو نشانہ بنائے جانے کے واقعات میں اضافے کو قبائلی عوام میں انتہائی تشویش کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔

اگر ماضی پر نظر ڈالی جائے تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکے گا کہ باجوڑ ایجنسی کی موجودہ صورتحال کی سب سے بڑی وجہ وہاں گزشتہ تین سالوں میں شہری آبادی پر مبینہ بیرونی حملے ہیں۔دو بار فضائی کارروائیاں القاعدہ کے رہنما ڈاکٹر ایمن الزواہری کی موجودگی کی اطلاعات پر کی گئیں اور پھر چنگئی کے مقام پر دینی مدرسے کو نشانہ بنایا گیا جس میں اسی سے زائد طالب علم اور اساتذہ ہلاک ہوئے۔زیادہ تر حملوں میں شہری آبادی نشانہ بنی اور پھر حملے بھی مقامی ذرائع کے مطابق سرحد پار سے ہوئے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان واقعات سے وہاں مقامی طالبان کی حمایت اور اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا۔باجوڑ میں مقامی طالبان اب بظاہر ایک قوت کے طور پر سامنے آرہے ہیں۔یہی صورتحال شمال اور جنوب میں بھی ہے۔پاکستان میں عام شہریوں کی ہلاکت کے حالیہ واقعات نے افغانستان کی یاد تازہ کردی ہے۔افغانستان میں گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد امریکہ کی طرف سے طالبان شدت پسندوں کے خلاف کارروائیوں میں متعدد بار شہری علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے جس میں اطلاعات کے مطابق ہزاروں بے گناہ لوگ مارے جاتے رہے ہیں۔مبصرین کے مطابق امریکہ کی افغانستان میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ شہری علاقوں پر بمباری کو قرار دیا جارہا ہے۔بتایا جاتا ہے کہ افغانستان میں فضائی حملوں میں شہریوں کی ہلاکت سے عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت بڑھی ہے جب کہ اس کا فائدہ کسی حد تک طالبان کو ہوا ہے۔پاکستان کے قبائلی علاقوں پر بھی عرصہ ہوا سرحد پار سے میزائل حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔جس کا نشانہ بھی زیادہ تر شہری آبادی رہی ہے۔

شمالی وزیرستان میں تین دن قبل ایک گھر پر سرحد پار سے اتحادی افواج کی جانب سے میزائل حملہ اس کی زندہ مثال ہے، لیکن حکومت پاکستان نے اکثر اوقات افغانستان سے ہونے والے حملوں کو بھی اپنے ہی 'کھاتے' میں ڈالا ہے۔

گزشتہ تین سال کے دوران باجوڑ اور وزیرستان میں متعدد بار سرحد پار سے مبینہ میزائل اور فضائی حملے کیے گئے، جب کہ ملکی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں شواہد سے ثابت بھی کیا گیا کہ ان حملوں میں مبینہ طور پر امریکہ اور ان کے اتحادی ملوث تھے، اور خود اتحادی افواج بھی اس کا اقرار کرتی رہی لیکن اس کے باوجود پاکستانی حکام ان حملوں کو اپنی سکیورٹی فورسز کی کارروائیاں قرار دیتے رہے۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستان سے دہشت گردی کے نام پر امریکہ کی نام نہاد جنگ میں کئی غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں جن کا خمیازہ اب اسے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اگر قبائلی علاقوں میں شہری آبادی پر ہونے والے حملوں کا سلسلہ بند نہیں کیا گیا تو اس کا فائدہ شدت پسندوں کو ہو سکتا ہے، اور اس سے عام لوگوں میں ان کی حمایت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وزیراعظم کے حالیہ دورہ امریکہ کے بعد پاکستان پر قبائلی علاقہ جات میں فوجی کارروائی کرنے کیلئے دباؤ بہت بڑھ گیا ہے، لیکن یہ بات حکومت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اگر ہم نے صرف امریکی دباؤ پر ہی پالیسیاں بنانی ہیں تو اس کی قیمت بھی ہم ادا کریں گے امریکہ نہیں۔

محلاتی سازشوں کے شکار

اسے پاکستانی عوام کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے کہ ایک مرتبہ پھر پاکستانی حکومت اور قبائل کے درمیان ہونے والا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ طالبان تحریک پاکستان کے سربراہ بیت اللہ محسود نے کہہ دیا ہے کہ وہ اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حکومت پاکستان اس کی پابندی نہیں کررہی جبکہ وہ اس کے مکمل پابند ہیں۔ حقائق کیا ہیں؟ اس کا علم تو معاہدہ کرنے والوں ہی کو ہوگا، اور اس بات کا جواب بھی وہ خود ہی دے سکیں گے کہ کون سی ایسی شرائط ہیں جن کی پابندی ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے کیونکہ اس کھیل کا اہم فریق امریکہ بھی ہے، جو کبھی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ پاکستان کے سرحدی علاقوں میں نائن الیون سے پہلے والی صورتحال واپس آجائے کیونکہ امریکن اب بھی بضد ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں القاعدہ کوئی کارروائی کرتی ہے اس کا مرکز پاکستان کے قبائلی علاقہ جات ہی ہوتے ہیں۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ امریکہ نے افغانستان کو اس ضمن میں مکمل بے گناہی کا سرٹیفکیٹ جاری کررکھا ہے، جہاں امریکہ کو قریباً ہر دوسرے تیسرے روز طالبان کی طرف سے کسی نہ کسی نوعیت کی ہزیمت اٹھانی پڑتی ہے۔ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ افغانستان بھی پاکستان کے خلاف سازش کا اہم مہرہ ہے، اور صدر حامد کرزئی امریکی شاطروں کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان پر بغیر کسی ثبوت کے تسلسل سے الزام لگاتے رہنا حامد کرزئی کی مجبوری بن گئی ہے۔ زیادہ دن نہیں ہوئے جب کابل کی پریڈ میں ہونے والے حملے کا ذمہ دار انہوں نے پاکستانی علاقے میں چھپے عسکریت پسندوں کو ٹھہرایا تھا، اور افغانستان انٹیلی جنس کے چیف اسد اللہ صالح نے بڑھ چڑھ کر پاکستان کے خلاف الزام تراشی کی تھی لیکن آج ہی کی ایک اطلاع کے مطابق جو اسد اللہ صالح کے حوالے سے جاری ہوئی ہے۔ حملے کے دو ملزم گرفتار ہو گئے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق افغان وزارت دفاع سے ہے اور دوسرا وزارت داخلہ کا ملازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس الزام کی تکرار موجود ہے کہ افغان حکومت اب بھی یہی سمجھتی ہے کہ اس حملے کے پیچھے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں سرگرم القاعدہ عناصر کا ہاتھ ہے۔

یہ صورتحال بڑی الارمنگ ہے۔ افغانستان کی طرف سے ہونے والی یہ مسلسل الزام تراشی پاکستان کے امیج کو عالمی سطح پر تباہ کررہی ہے، اور ہم اسے معمول کی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کررہے ہیں، لیکن یہ اتنا آسان اور سہل مسئلہ نہیں۔ پاکستانی حکومت متعدد مرتبہ کہہ چکی ہے کہ وہ امریکہ کو پاکستانی علاقوں میں براہ راست کارروائی کی اجازت نہیں دیں گے جبکہ شواہد اس کے بالکل برعکس ہیں اور امریکہ کا جب جی چاہے اپنی سی کر گزرتا ہے۔ حال ہی میں امریکہ کی طرف سے پھر اس عزم کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وہ القاعدہ کی اطلاع ملنے پر پاکستانی علاقے میں براہ راست کارروائی کر سکتے ہیں جبکہ پاکستانی دفتر خارجہ میں نہ مانوں کی رٹ لگا رہی ہے۔

پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر حالات تشویشناک سے اب انتہائی خطرناک ہو چکے ہیں اگر انہیں تباہ کن کہا جائے تو بھی مبالغہ نہیں ہو

گا۔حکومت کے دعوے ایک طرف بین الاقوامی سطح پر بڑی خطرناک اطلاعات آرہی ہیں۔امریکی ذرائع ابلاغ کا دعویٰ ہے کہ امریکہ افغانستان میں سات ہزار تازہ دم افواج بھیج رہا ہے۔واشنگٹن پوسٹ میں شائع ایک خصوصی رپورٹ میں اعلیٰ امریکی انتظامی عہدیدار کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ کے لئے نیٹو کے اتحادی ممالک سے کمک میں متوقع کمی کے پیش نظر امریکہ عراق سے فوجیوں کی تعداد کو کم کرتے ہوئے افغانستان میں اپنی فوج کی سطح 40 ہزار تک مزید بڑھا سکتا ہے۔رپورٹ کے مطابق صدر جارج ڈبلیو بش نے بخارسٹ میں نیٹو کے سالانہ اجلاس کے دوران اپنے نیٹو کے اتحادیوں کو بتایا تھا کہ امریکہ آئندہ سال افغانستان میں اپنی فوج کی تعداد میں نمایاں اضافہ کرسکتا ہے۔امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے یورپی اتحادیوں سے افغانستان کے جنوب کے لئے مزید فوج اور آلات بھجوانے کے لئے زور دیا تاہم پینٹاگون نے اندازہ لگایا ہے کہ نیٹو اپنے فوجی کردار کو مزید وسعت نہیں دے سکے گا۔افغانستان میں فوجی کمانڈروں نے مزید دس ہزار فوج کی کمک طلب کی لیکن نیٹو ممالک دو ہزار سے زائد اضافی فوج بھجوانے پر رضامند نہیں ہوئے۔افغانستان میں امریکہ کی 34 ہزار فوج ہے،جس میں سے 16 ہزار نیٹو کے کمانڈ کے تحت ہے جبکہ باقی 18 ہزار انسداد دہشت گردی کے آپریشنوں اور افغان سکیورٹی فورسز کو تربیت دینے پر مامور ہے

مبصرین کے مطابق امریکہ کی جانب سے اپنے مزید 7000 فوج افغانستان بھیجنے کے فیصلے سے دو باتیں واضح طور سامنے آگئی ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ افغانستان میں ہر حال میں موجود رہنا چاہتا ہے،اور وہ اب بھی افغانستان میں اپنی شکست کا تصور قبول کرنے کو تیار نہیں ہے،دوسری یہ کہ وہ اپنے نیٹو اتحادیوں کو اس جنگ میں مزید سرگرم کردار ادا کرنے کے لئے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔سات سال کے تلخ تجربات نے نیٹو ممالک کو یہ سبق سکھا دیا ہے کہ امریکہ افغانستان کی جنگ میں انہیں خواہ مخواہ گھسیٹ رہا ہے،اور یہ کہ اس جنگ میں کامیابی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے،نیٹو ممالک کو یہ بھی شکایت ہے کہ ان کی افواج کو افغانستان میں "امن" کے طور پر بلایا گیا تھا جبکہ امریکہ ان کو طویل جنگ لڑنے پر مجبور کر رہا ہے،اسی شکایت کی بناء پر نیٹو ممالک نے بخارسٹ کانفرنس میں امریکہ کی تمام تر ترغیب و ترہیب کے باوجود اپنے مزید فوجی بھیجنے سے انکار کر دیا، صرف فرانس نے چھ سات سو فوجی بھیجنے کا وعدہ کیا جبکہ امریکہ یوکرائن اور جارجیا جیسے ممالک کو نیٹو کی رکنیت دینے اور پولینڈ کو خطیر معاوضے کا لالچ دے کر ان سے چند ہزار فوجی بھجوانے کا وعدہ لے سکا،اب صورتحال یہ ہے کہ اکثر نیٹو اتحادی ممالک افغانستان سے اپنی افواج مرحلہ وار واپس بلانے کے اعلانات کر رہے،اور افغانستان میں موجود ان کی افواج نے مشرق اور جنوب کے گرم محاذوں میں جانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔جس کے بعد افغانستان میں امریکہ کی تنہائی میں نہ صرف اضافہ ہوگیا ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہ جنگ اب واقعتہً صرف امریکہ کی جنگ بن گئی ہے،اور امریکہ کے اتحادی ایک ایک ہو کر اس جنگ سے کنارہ کش ہو رہے ہیں،شائد یہی وجہ ہے کہ امریکی عہدیدار اب افغانستان میں نیٹو فوج کی کمان براہ راست اپنے ہاتھ میں لینے کا عندیہ دے رہے ہیں،اور وہ اس امکان پر بھی غور کر رہے ہیں کہ آیا افغانستان میں فوجی کمان کو دو حصوں میں تقسیم بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہی نہیں نکلتا ہے کہ امریکہ کو اپنے اتحادیوں پر بھی اعتبار نہیں رہا اور وہ اب اس خوفناک جنگ کا خمیازہ اکیلے بھگتنے پر مجبور ہے۔بعض مبصرین کے مطابق یہ امر دلچسپ ہے کہ امریکہ نے تیسری دنیا بالخصوص اسلامی ممالک سے عراق کی طرح افغانستان میں فوج بھیجے کا

مطالبہ نہیں کیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ افغانستان کے معاملے میں وہ کسی پر بالخصوص اسلامی ممالک پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں، امریکہ اور مغرب کو افغانستان اور اس خطے سے ہمیشہ سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اور نیٹو اتحادی مشترکہ مفادات کی خاطر ہی افغانستان میں آئے تھے۔ برطانوی وزیر دفاع نے کچھ عرصہ قبل افغانستان میں کئی عشروں تک رہنے کے عزم کا اظہار کیا جبکہ امریکی صدارتی امیدوار نے افغانستان میں صدیوں تک رہنے کی آرزو ظاہر کی تو یہ بے وجہ نہیں ہے لیکن مشکل یہ آ پڑی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیلئے زیادہ دیر افغانستان میں رہنے کا سامان میسر نہیں ہے، اور صورتحال یہ ہے کہ وہاں روزانہ کی بنیاد پر اتحادیوں کی ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔

یہ بات امریکہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کبھی طالبان کو فتح نہیں کر سکتا اور پاکستان کے باخبر جاسوسی ادارے اس حقیقت سے مکمل آگاہ ہیں کہ پاکستان میں کہیں بھی دور دور تک القاعدہ کا نام ونشان باقی نہیں رہا جو لوگ نائن الیون کے بعد فرار ہو کر پاکستانی علاقے میں آئے تھے انہیں حکومت نے بڑی ایمانداری سے چن چن کر پکڑا اور امریکہ کے حوالے کیا ہے۔ اس ضمن میں اپنے اور پرائے کی بھی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ اب امریکہ کو مطمئن کرنے کیلئے پاکستان سے کسی کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کرنا ناممکن ہے کیونکہ پاکستان میں القاعدہ کا کوئی نیٹ ورک ہی نہیں۔ امریکہ بہرحال بضد ہے۔ یہ ہے وہ صورتحال جس میں ہم ججوں کی بحالی، پی سی او، آٹا، بجلی، گیس، پیٹرول کے چکر میں باؤلے ہو رہے ہیں۔

افغانستان سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور افغانستان کے اندر بھارتی اثر ورسوخ میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کابل، جلال آباد اور دوسرے بڑے شہروں کے تمام بڑے بڑے پراجیکٹ کسی نہ کسی حوالے سے بھارتیوں کے کنٹرول میں ہیں، اور انہوں نے اس آڑ میں اپنا گھناؤنا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے معاملہ بلوچستان تک تھا اب پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں بھی پھیلنے لگا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ نائن الیون سے پہلے جو علاقہ امن وامان کا گہوارہ تھا، اور جہاں افغان جہاد کے دوران بھی کوئی عسکری تحریک نہیں تھی وہاں آئے روز کسی نہ کسی عسکری گروپ کی اطلاع سامنے آجاتی ہے اور یہ تمام گروپ اسلامی نظام نافذ کرنے کے علمبردار ہوتے ہیں طاقتور ایف ایم ریڈیوز اور دیگر الیکٹرونکس ڈیوائس کی موجودگی کئی سوالات کو جنم دیتی ہے۔

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی وزیر خارجہ اور آصف زرداری کی طرف سے گو کہ اس نوعیت کے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہم پاکستانی مفادات پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے لیکن عملاً ایسا نہیں ہو رہا۔ پاکستانی مفادات کیا ہیں؟ قوم کو آج تک اس کی بھی سمجھ نہیں آسکی۔ امریکہ، بھارت، اسرائیل تکون روز بروز مضبوط ہو رہی ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے 2007ء کے دوران دہشت گردی بارے جو رپورٹ جاری کی ہے اس میں ''مظلوم بھارت'' کا شمار بھی ان ملکوں میں کیا ہے جو ''اسلامی انتہا پسندی'' کا شکار ہیں۔ اس صدی کا اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن ہم خاموشی سے اپنی بے بسی کا نظارہ کر رہے ہیں۔ محلاتی سازشوں کے شکار پاکستان کی شمال مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ اس تلخ سچائی کا ادراک نہ کیا گیا تو اللہ ہی ہمارا حافظ ہے۔

ابھی تو آغاز ہوا ہے!

آٹھ سال کی طویل آمریت کے بعد جمہوری حکومت کا قیام پاکستانی عوام کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔ جس سے مشام جان معطر ہوا لیکن توقعات کے عین مطابق حکومت کے قیام کے فوراً بعد اس کے خلاف سازشوں کا سلسلہ زور وشور سے جاری ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نادیدہ قوتیں جو اپنی مرضی کا نظام چلانے پر تلی ہوئی ہیں اُن کیلئے کچھ عرصہ کیلئے بھی کسی عوامی حکومت کا قیام ناقابل برداشت ہے۔

یہ ''نادیدہ قوتیں'' گو کہ اپنی دانست میں بہت ہوشیاری سے خود کو عوام کی نظروں سے چھپائے ہوئے ہیں، لیکن اب پاکستانی سول سوسائٹی اتنی بیدار ہو چکی ہے کہ اس ارضِ پاک کو آسانی سے سازشیوں کی شکارگاہ نہیں بننے دے گی۔

پاکستان کے خلاف اس سازش میں جس کا تسلسل جاری ہے صرف پاکستانی اسٹیبلشمنٹ ہی نہیں امریکہ، بھارت اور انتہائی محتاط انداز ے کے مطابق اسرائیل بھی شامل ہے۔ اگر ہمارا حافظہ کمزور نہیں تو 2007ء کے وہ دن یاد کیجئے جب اسرائیل اور بھارت نے ایک مشترکہ جاسوسی سیارہ فضا میں چھوڑا اور اعلان کیا کہ یہ سیارہ پاکستان اور ایران کی ایٹمی سرگرمیوں پر نظر رکھے گا۔ اس کے بعد ہی ایرانی حکومت نے بھی بھارت کے ساتھ اپنا طرزِ عمل کچھ تبدیل کیا ہے ورنہ تو بھارت نے ایران کے ساتھ خاصے مضبوط تعلقات قائم کر لئے تھے اور اسے پاکستان کے خلاف باقاعدہ اپنا ایک فضائی مستقر بنانے کے لئے بھی پر تول رہا تھا۔ پاکستان میں جمہوری حکومت کے قیام کے بعد بھارتی وزیراعظم کی طرف سے دورہ پاکستان کا اعلان خوش آئند ہے، لیکن ابھی سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ وہ پاکستان کی نئی حکومت کو شاید گذشتہ حکومت کے وعدے یاد دلانے آئیں گے کیونکہ پاکستان میں جمہوری حکومت کے قیام کے ساتھ ہی کشمیر کے حوالے سے دبی دبی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں، اور پیپلز پارٹی کی قیادت نے بھی اس بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کو جنرل مشرف کی پالیسیوں کے مطابق نہیں کشمیری عوام کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق حل کرے گی۔ قبل ازیں چیف آف آرمی سٹاف جنرل کیانی نے بھی پاکستانی فوج کے حوالے سے کہا تھا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے متعلق اپنے پرانے مؤقف پر قائم ہیں۔ یہ صورتحال بھارت کے لئے تشویشناک ہے۔

گذشتہ حکومت اپنی بعض مجبوریوں اور امریکہ کے بے پناہ دباؤ کی وجہ سے خاموش تھی جبکہ وہ بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بھارت نے پاکستانی سرحدوں کے چاروں اطراف سازشوں کا جال بچھا دیا ہے خصوصاً بلوچستان اور پاکستان کے شورش زدہ علاقوں میں بھارتی انٹیلی جنس کی موجودگی کے ثبوت پاکستان کے پاس موجود ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہماری گذشتہ حکومت کی کچھ غلط پالیسیوں اور امریکہ کی ضرورت سے زیادہ تابعداری خصوصاً لال مسجد آپریشن کی وجہ سے پاکستان کا ہر شہر انارکی کی زد میں ہے، اور پاکستانی فورسز کو اپنے ہی عوام کے خلاف ایک لایعنی جنگ لڑنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن صرف یہی وجہ کافی نہیں تھی اصل میں نائن الیون کے بعد امریکہ کی ہاں میں ہاں ملاتے چلے جانے سے

صورتحال نے یہ رُخ اختیار کیا لیکن کوئی احمق یا عقل کا اندھا ہی اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ اس صورتحال سے بھارتی ایجنسیوں نے جی بھر کے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ پاکستان میں لگی آگ کے شعلوں کو ہوا دینے کا ہر سامان مہیا کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اس انارکی اور شورش نے جہاں پاکستانی ایجنسیوں کو اندرونی معاملات میں ضرورت سے زیادہ مصروف کر دیا وہاں ہم بیرونی محاذ پر کمزور پڑ گئے، جس کا بھارت نے بے رحمی سے فائدہ اُٹھایا اور حیرت انگیز طور پر انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گذشتہ چار پانچ سال سے پاکستان میں قحط کا سماں باندھنے پر تُلا ہوا ہے۔ پاکستان (خاکم بدھن) ریگستان بنانے کے لئے بھارتی حکومت نے تمام عالمی قوانین کی دھجیاں اُڑائیں، اور مقبوضہ کشمیر کے متنازعہ دریاؤں پر پچاس مقامات پر بند باندھ کر ڈیم بنانے میں مصروف ہے، یہی وجہ ہے کہ سوائے دریائے سندھ کے پاکستان کے باقی تمام دریا عملاً جوہڑوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بگیہار ڈیم پر پاکستانی حکومت نے عالمی عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ ہمارے بیانات ایک طرف عملاً بھارت یہ کیس جیت چکا ہے کیونکہ ہم شاید دنیا کی واحد ایسی قوم ہیں جسے آج بھی یہ اُمید ہے کہ کمزور کو دنیا میں انصاف مل سکتا ہے جبکہ اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پاکستان کی سابقہ حکومت نے تو اس پر بھی خاموشی اختیار کر لی تھی وہ تو بھلا ہو کچھ این جی اوز کا جنہوں نے شور مچایا اور میڈیا کے ذریعے یہ حقائق پاکستانی عوام کے علم میں آئے چیخ و پکار شروع ہوئی اور حکومت نے شاید پاکستانی عوام کا منہ بند کرنے کے لئے نیلم، جہلم ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹس کے لئے 130 ارب روپے کی لاگت سے منصوبہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے نے 2016ء میں مکمل ہونا ہے۔ ہماری باخبر اور روشن خیال حکومت کو اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ بھارت تو پہلے ہی کشن گنگا پراجیکٹ پر کام شروع کر چکا ہے اور اس نے دریائے نیلم کا رُخ موڑنے کے لئے 32 کلومیٹر طویل سرنگ کی تعمیر شروع کی ہوئی ہے، اور جب ہم یہ اعلان کر رہے تھے تو بھارتی انجینئرز تقریباً 25 کلومیٹر طویل سرنگ تو تیار کر ہی چکے تھے کیونکہ بھارتی حکومت نے یہ منصوبہ 2012ء تک مکمل کرنا ہے۔ ہم تو بگلیہار کا رونا رو رہے ہیں بھارت پنجاب اور جہلم پر آٹھ بڑے اور چار درمیانی درجے کے اور 30 چھوٹے ڈیمز بنا رہا ہے جو تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ خیال رہے یہ تمام منصوبے اسرائیل کی بھرپور تکنیکی معاونت سے مکمل کئے جا رہے ہیں۔ اسرائیل اور بھارت نے عملاً انڈس واٹر سسٹم پر قبضہ کر لیا اور ہم ترقی پسند روشن خیالی کی جان کو روتے رہے۔ یوں تو گذشتہ دورِ حکومت کی کئی باتیں اور کارنامے ہماری تاریخ کا حصہ بنیں گے لیکن گذشتہ حکومت کی اس نااہلی کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا کہ اس نے بھارتی آبی جارحیت کی طرف سے آنکھیں قریباً بند کی ہوئی تھیں۔ اگر کبھی وہ کھولنے کی کوشش بھی کرتے تو امریکہ دوبارہ ہماری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔

ماضی میں سرگرم جہاد مٹھی بھر مجاہدین نے بھارت کو سلال ڈیم تعمیر نہیں کرنے دیا تھا اور انڈس واٹر سسٹم پر قبضہ کرنے کے لئے ان سے جان چھڑانا بھارت کے لئے ناگزیر تھا۔ اس نے امریکہ کو اپنی ملکی منڈی خدا واسطے نہیں دی۔ اس کے عوض امریکہ سے ایسا کام لیا ہے کہ بھارتی اس پر ہمیشہ فخر کریں گے۔ امریکہ کی معاونت سے دہشت گردی کا ڈھول پیٹنے کے بعد بھارت نے پاکستان کو کشمیر پالیسی پر بھی افغان پالیسی کی طرح یوٹرن لینے پر مجبور کر دیا تھا' جس کے نتیجے میں مجاہدین کا قلع قمع ہوا۔ بھارتی حکومت نے اپنے گھناؤنے منصوبے پر عمل کا آغاز کنٹرول لائن پر خاردار تار

بچھانے سے کیا جس کے لئے وہ کئی سال سے کوشش کر رہا تھا لیکن ہماری طرف سے مزاحمت کی وجہ سے اس میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ حیرت انگیز طور پر بھارت اس میں کامیاب ہوگیا اور ورکنگ باؤنڈری سے کنٹرول لائن تک کو محفوظ کرلیا۔

بھارت کے منصوبے ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ اپنے "سٹریٹجک پارٹنر" امریکہ کی مدد سے وہ پاکستان کو نیپال اور مالدیپ جیسا ملک بنانا چاہتا ہے۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام اس کے گلے کی ہڈی بن چکا ہے۔ بھارت اور امریکہ دونوں جانتے ہیں کہ راکٹ سازی کے میدان میں پاکستان بھارت سے بہت آگے ہے اور بھارت کنونشنل اسلحہ کے جتنے بھی ڈھیر لگا لے پاکستانی دفاع کے لئے خطرہ نہیں بن سکتا کیونکہ پاکستان کا مضبوط میزائل سسٹم بھارتی جارحیت کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ بھارت اور امریکہ مسلسل پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر تنقید کرتے ہیں اور ایٹمی ذخائر کو غیر محفوظ ثابت کرنے لئے جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے ہماری گذشتہ روشن خیال قیادت اس پر بھی کوئی انقلابی پالیسی بنا لیتی لیکن پاکستان آرمی کبھی اس پر کمپرومائز نہیں کرے گی محض اس وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

سیاسی حکومت کے قیام کے بعد یہ سازشی خاموش نہیں ہوگئے، وہ حکومت کو ہر ممکن ٹف ٹائم دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ ناکام حکومت ہے اور گذشتہ حکومت کی پالیسیاں بھی جاری رکھنا پاکستان کی سلامتی کا راز ہے۔ اس کے لئے وہ ہر چال چلیں گے ہر ممکن دباؤ ڈالیں گے۔ اندرونی اور بیرونی سطح پر سازشوں کا سلسلہ بڑھتا رہے گا کیونکہ پاکستان میں ان کے گھناؤنے عزائم کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے لئے بہت سے لوگ قطار میں کھڑے ہیں۔

اس مرحلے پر موجودہ حکومت کو بہت تدبر، تحمل اور منصوبہ بندی سے کام لینا ہوگا، اور اس تلخ حقیقت کو ہرگز نظر انداز نہ کریں کہ دنیا میں اب لڑائیاں صرف کھانے اور پانی پر ہوا کریں گی ان کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو؟

بلیک واٹر آرمی' اکتوبر سرپرائز اور ''کشمیری دہشت گرد''

وال سٹریٹ جرنل کو دیئے صدر آصف زرداری کے اس انٹرویو کے بعد کہ امریکی میزائل حملے ہماری اجازت سے ہو رہے ہیں اور اہم دونوں یعنی پاکستانی اور امریکی افواج مشترکہ دشمن کا پیچھا کر رہے ہیں' احمقوں کی جنت میں رہنے والے ان سیاسی پاٹے خانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات آزادانہ خارجہ پالیسی کا راگ الاپ رہے اور پاکستانی عوام کو یہ باور کروانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ موجودہ حکومت نے گزشتہ حکومت کی امریکہ سے متعلق پالیسی کا تسلسل برقرار نہیں رکھا بلکہ ہم تو امریکیوں کی مداخلت کے خلاف باقاعدہ فائرنگ کر کے بھی آپ کو بیوقوف بنا چکے ہیں۔ قبل ازیں ایک نجی ٹی وی سے انٹرویو میں سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے برملا اعتراف کیا کہ ان کے دور حکومت میں جتنی بھی امریکی مداخلت پاکستانی سرحدوں میں ہوتی تھی اور امریکہ نے جتنے بھی حملے کیے وہ سب پاکستان کی رضامندی سے کیے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ ہم نے امریکہ سے کہا تھا آپ اپنا کام کرتے رہیں اور ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔ یعنی آپ ہمارے بے گناہ عوام کے خون سے ہولی کھیلتے رہیں اور ہم شور و غوغا کر کے اپنے عوام کو الو بناتے رہیں گے۔

اس نوعیت کے انکشافات کے بعد جنہیں انکشافات کہنا بھی شاید مناسب نہ ہو' کیونکہ حقیقت احوال سے آگاہ ہر پاکستانی پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ سب ملی بھگت ہے اور یہ ممکن بھی نہیں کہ امریکہ پاکستان کی اجازت کے بغیر اس کی سرحدوں میں اس طرح مداخلت کرے۔ خود امریکی ذرائع ابلاغ بھی متعدد مرتبہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکستان کی اجازت ہی سے یہ ساری کارروائی ہو رہی ہے اور افغانستان میں موجود نیٹو اور امریکہ فوجوں کے کمانڈروں نے تو کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ انہوں نے کوئی کارروائی پاکستان کے علم میں لائے بغیر کی ہے۔

اگر معاملہ امریکہ تک ہی محدود رہتا تو بھی کوئی بات تھی لیکن جیسا کہ میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں عرض کیا تھا کہ اگر امریکہ نے ''دہشت گردوں کے تعاقب'' میں پاکستانی سرحدوں کا تقدس پامال کرنے کی ٹھان لی ہے اور ہم نے کمال فراخدلی سے اسے یہ اجازت بھی دے دی ہے تو پھر ہمیں اس بات کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کہ بھارت بھی اب ''گرم تعاقب'' کرے گا۔ وہ بھی خود کو بزعم خویش اس خطے کا امریکہ ہی سمجھتا ہے۔ آپ نے دیکھا جیسے ہی ہمارے صدر محترم نے ''مسلح جدوجہد کرنے والے کشمیری دہشت گرد ہیں'' کا فتویٰ جاری کیا' مقبوضہ جموں و کشمیر میں موجود بھارتی فوجی بھوکے بھیڑیوں کی طرح کشمیریوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اب تک کی اطلاعات کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں کرفیو نافذ ہے۔ سرینگر میں کسی کشمیری کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ بھارت اور پاکستان کے پپو کشمیری لیڈر میر واعظ عمر فاروق اور ان کے سازندوں سمیت تمام حریت اور غیر حریت کشمیری لیڈرشپ پابند سلاسل ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو مسلح جدوجہد کی بات کرتے ہیں اور وہ بھی جو اس کے خلاف اور ''شانتی شانتی'' کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے اتنا بھرپور تبصرہ ہونے کے بعد کہ مسلح جدوجہد کرنے والے

کشمیر دہشت گرد ہیں' بھارت اگر کشمیریوں کا ناطقہ بند نہ کرے تو پھر وہ بے وقوف ہی ہوگا۔

یہ ہیں ہماری وہ انقلابی پالیسیاں جن کے بل بوتے پر ہم پاکستان کو ایشیائی ٹائیگر بنانے کی احمقانہ سوچ رکھتے ہیں۔ صدر نے اپنے انٹرویو میں فرمایا کہ پاکستانی سیمنٹ فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملز بھارت کی ضروریات پوری کر سکتی ہیں۔ شاید ان کے علم میں یہ بات نہ رہی ہو کہ پاکستان بھارت سے سیمنٹ درآمد کرتا ہے اور جہاں تک ٹیکسٹائل انڈسٹری کا تعلق ہے' وہ ہماری گزشتہ حکومت کی مہربانیوں سے زندہ درگور ہے۔ اللہ جانے کس نے ہمیں یہ مشورہ دیا کہ صوبہ سرحد کے عوام کو آپس میں ٹکرا دو۔ اس طرح نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ہمارے سیاسی وعسکری قائدین کو شاید یہ اندازہ نہیں ہے کہ وہ امریکی ایماء پر ملک کے سرحدی علاقوں میں کس قدر خطرناک کھیل کھیلنے جا رہے ہیں اور طالبان کے خلاف لشکر کشی کے نام پر قبائل کو آپس میں لڑانے کا انجام ملک کی سالمیت کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ سرحد اور قبائل میں جاری شورش کی زمینی صورتحال سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقامی طالبان کوئی باہر کی مخلوق نہیں بلکہ اسی خطے کے غیور قبائل کا حصہ ہیں' انہیں قبائلی عوام کی اکثریت کی حمایت اس لئے حاصل ہے کہ وہ قبائلی خطے پر امریکی جارحیت کی مزاحمت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، یہ کسی مخصوص گروہ کا نام ہے نہ اس کا کوئی متعین ٹھکانہ ہے۔ اگر مقامی طالبان کو قبائلی عوام کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو اب تک کی جانے والی سینکڑوں کارروائیوں کے نتیجے میں ان کا خاتمہ ہو جانا چاہئے تھے۔ خود امریکہ کے فوجی کمانڈر جنرل پیٹرس نے کہا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے بعض علاقوں سے طالبان کا کنٹرول ختم کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ایک امریکی اخبار کو انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ افغانستان کی صورتحال پر ہر ایک کو تشویش ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عراق میں حاصل ہونے والے تجربے کو افغانستان میں استعمال کرنا چاہئے تھا۔ جنرل پیٹرس کا کہنا تھا کہ ہر جگہ صورتحال مختلف ہوتی ہے۔ افغانستان میں کامیابی کے لئے قبائلی رہنماؤں کو سیاسی دھارے میں شامل کیا جائے اور اس سلسلے میں سعودی عرب سمیت خطے کے دیگر ممالک کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ پاکستان اور افغانستان میں ''دہشت گردوں'' سے نمٹنے اور بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکی سپہ سالار کا یہ بیان یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ بش انتظامیہ عراق میں مقامی قبائل کو مزاحمت کاروں کے خلاف اکسانے کا تجربہ اب یہاں دہرانا چاہتی ہے جس کے لیے حکومت نے اپنی خدمات پیش کر دی ہیں تاہم خود امریکی جنرل کے بقول یہ حکمت عملی یہاں مزاحمت اور تشدد کو کم کرنے کی بجائے مزید بڑھانے کا بھی باعث بن سکتی ہے جبکہ یہاں صورتحال پہلے سے انتہائی مخدوش ہے۔

اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق پاکستان میں جنگ صرف بم حملوں اور دہشت گردی تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو چکا ہے۔ جنگ کے باعث 1250 افراد جھڑپوں کی وجہ سے نقل مکانی کر چکے ہیں اور تقریباً 20 ہزار افراد باجوڑ سے افغانستان میں پناہ لے چکے ہیں۔ دیگر افراد پشاور میں اقوام متحدہ کے قائم کردہ کیمپوں میں پناہ گزین ہیں۔ ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی کے مطابق تو پاکستان اب ایک وار زون ہے۔ ایسے حالات میں مقامی قبائل کو مقامی طالبان کے خلاف ہتھیار اور وسائل فراہم کر کے میدان میں اتارنے سے پورے خطے میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہونے کا خدشہ ہے جو ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس جنگ کو مزید ہوا دینے اور قبائلی عوام کو آپس میں لڑانے کے امریکی منصوبے پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ امریکہ افغانستان کی جنگ کو پاکستان منتقل کرنا چاہتا

ہے۔ وہ پاکستان کے جوہری اثاثوں تک رسائی کے لیے راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے پاکستان میں بدامنی اور انتشار پھیلانا اس کی باقاعدہ حکمت عملی کا حصہ ہے' پاکستان کے حکمران اگر اس امریکی سازش کا منہ توڑ جواب نہیں دے سکتے تو انہیں کم از کم اس کا حصہ بننے سے تو گریز کرنا چاہئے۔ انہیں اس امر کا ادراک ہونا چاہئے کہ امریکہ کی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہے۔ امریکہ کسی کا دوست رہا ہے نہ امریکی دوستی کا بھرم رکھنے والے حکمرانوں کو دائمی اقتدار نصیب ہوا ہے۔ پرویز مشرف کی مثال زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو امریکی خوشنودی کی خاطر آگ سے کھیلنے اور ملک وقوم کے مفادات کو معرض خطر میں ڈالنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں البتہ ان قوتوں کو ضرور بے نقاب کرنا چاہئے جو شورش زدہ علاقوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حالات خراب کر کے پاکستانی فوج اور قبائلی عوام کو لڑانے کے عالمی منصوبے کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ حکومت کو قبائلی عوام کے تعاون سے ایسے عناصر کو بے نقاب کرنے پر ہی توجہ دینی چاہئے۔ یہی پاکستان کی بقاء اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ امریکہ سے جنگ شروع کر دیں۔ یا پھر امریکہ کے خلاف اتنی سخت پالیسی اپنا لیں کہ وہ آپ کو بھی القاعدہ کی فہرست میں شامل کر لے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم امریکہ کو ہی اپنا ملجا و ماویٰ سمجھ لیں۔ اگر پاکستان کے پاس نومبر میں پٹرول خریدنے کے لیے زرمبادلہ نہیں تو اس کا علاج یہ نہیں کہ ہم کشمیری حریت پسندوں کو دہشت گرد قرار دینے لگیں اور امریکہ کے ہر جائز ناجائز حکم پر آمنا صدقنا کہیں۔ اگر حکومت جرأت کرے' خصوصاً پیپلز پارٹی کی حکومت اپنے عظیم لیڈر ذوالفقار علی بھٹو جیسی جرأت کا مظاہرہ کرے تو اس ملک کے ذخیرہ اندوزوں کے گوداموں میں اتنی گندم موجود ہے جو اگلے دس سال تک پاکستانیوں کے پیٹ کا جہنم بجھا سکتی ہے۔ کھربوں روپے کے قرضے ہڑپ کرنے والے آدم خوروں کی جائیدادیں ضبط کر کے عوام کے خون پسینے کی کمائی ان سے واپس لے اور غیر ملکی بینکوں میں جمع وہ کھربوں روپیہ جو ان درندوں نے پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکالتے ہوئے جمع کیا ہے' واپس لانے کے لیے امریکہ کی مدد حاصل کرے تو یہ مسئلہ کیسے حل نہیں ہوگا' لیکن یہ کام کرے گا کون؟ جہاں حمام میں سارے ہی ننگے ہوں وہاں بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟ بدترین حالات میں بھی اس مملکت خداداد میں اتنا دم خم ہے کہ یہ اپنے باسیوں کو عزت کی روٹی اور روزگار دے سکتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی حکمران غیرت ملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرف توجہ دے۔

اب شنید ہے کہ پاکستانی فوج کو تربیت دینے کے لئے ''بلیک واٹر کمانڈوز'' (Black Water Comandos) آرہے ہیں۔ امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی کی یہ پرائیویٹ آرمی جو جرائم پیشہ غنڈوں پر مشتمل ہے' اپنے گھناؤنے کارناموں کی وجہ سے ساری دنیا میں بدنام ہے۔ گو کہ امریکہ اور پاکستان کی حکومتیں یہ تسلیم نہیں کرتیں اور آنے والوں کو ''گرد'' انتی ہے لیکن جنرل حمید گل نے ایک نجی ٹی وی سے انٹرویو میں اس کا سارا پول کھول دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آج کل امریکی افواج ''اکتوبر سرپرائز'' کا بھی چرچا کر رہی ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اس ماہ میں امریکن فوجیں حیرت انگیز حد تک جارحیت کرتے ہوئے پاکستانی علاقوں میں کارروائیاں کریں گی تاکہ اگلے امریکی انتخابات میں اپنے امیدوار کے لیے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ اللہ ہی ہمارے حال پر رحم کرے۔

سازشی متحرک ہوگئے ہیں!

انتخابات کے بعد سے اب تک جہاں عوامی مینڈیٹ حاصل کرنے والی بڑی پارٹیاں مرکز اور صوبوں میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کے باوجود ابھی تک اس خوف سے نجات حاصل نہیں کرسکیں جو ''اسٹیبلشمنٹ'' نام کی بلا نے ان پر مسلط کر رکھا ہے۔ وہ خفیہ لیکن انتہائی طاقتور ہاتھ اور چہرے جنہیں غیر ملکی پشت پناہی بھی ہمیشہ حاصل رہی ہے مخصوص مفادات کے لئے اپنے گھناؤنے کام میں مصروف ہیں کیونکہ وہ اس کام کی تنخواہ لیتے ہیں۔ 18 فروری کے نتائج حکومت کے لئے سانحہ سے کم نہیں تھے۔ انہوں نے بہر صورت یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ اس مرتبہ بھی گزشتہ آٹھ سال کی طرح وہ اپنے حامیوں ہی کو برسراقتدار لاکر اپنے عزائم کی تکمیل کریں گے۔ اس طرح وہ غیر ملکی ایجنڈہ بھی کامیابی سے پورا ہوتا رہے گا جس کی تکمیل ہی دراصل ان کی موجودہ نوکری کی بنیادی شرط تھی لیکن سول سوسائٹی کی بیداری خصوصاً وکلاء کی جاندار تحریک نے (جن کا بدقسمتی سے ہمارے سیاستدان مخصوص مقاصد کے تحت دل کھول کر اعتراف کرنے سے گھبراتے ہیں) سابقہ حکومت خصوصاً صدارتی محل میں بُنے سازشوں کے جال کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دیا اور ایسے چونکا دینے والے نتائج سامنے آئے جنہوں نے حکومت کو وقتی طور پر سیاسی سرنڈر کرنے پر مجبور کردیا۔

الیکشن نتائج آنے کے فوراً ہی بعد جب پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی طرف سے اتحادی حکومت قائم کرنے کا اعلان ہوا جس میں اے این پی اور کچھ دوسری جماعتیں بھی شامل ہیں تو پاکستان پر اچانک غیر ملکی سفارتکاروں نے ہلہ بول دیا۔ یہ لوگ مخصوص ایجنڈہ اور مقاصد لے کر قریباً ہر قابل ذکر سیاستدان کے دروازے پر گئے، اور انہیں اپنی بات کا قائل کرنے کی کوشش کی۔ امریکی سفارتکاروں میں نمایاں نیگرو پونٹے جو ماضی میں امریکی مفادات کے لئے درندگی کی حد تک جانے کا مظاہرہ لاطینی امریکہ کے ممالک میں کرچکے ہیں زیادہ نمایاں دکھائی دیئے، ظاہر ہے وہ پاکستان میں بھی سی آئی اے کا ایجنڈہ ہی نافذ کروانے آئے تھے۔ ان لوگوں نے نہ صرف پاکستانی سیاستدانوں بلکہ قبائلی عمائدین سے بھی ملاقاتیں کیں اور اپنے طور پر امریکہ کے لئے تحفظات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے گو کہ سیاستدانوں کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ انہوں نے امریکیوں سے پارلیمنٹ کی برتری اور اس کے ذریعے فیصلے کروانے کی بات کی ہے، لیکن پاکستانی ہونے کے ناطے یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں ہاتھی کے دانتوں کی طرح کھانے اور دکھانے کے معاملات مختلف ہوتے ہیں، اور یقیناً ان لوگوں نے بھی کچھ گارنٹیاں موجودہ حکومت سے حاصل کی ہوں گی جو حکومت کی بھی مجبوری ہیں کیونکہ اس پر اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی میں بہت سے پریشر آ گئے ہیں۔

امریکیوں کی رخصتی کے بعد عمر عبداللہ اور محبوبہ مفتی نے قدم رنجہ فرمایا، یہ لوگ کسی کانفرنس میں شرکت کرنے تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی اہم سیاستدانوں اور حکومتی عہدیداروں سے ملاقاتیں کر کے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ صدر مشرف کی کشمیر پالیسی جاری رکھیں (صدر محترم کی کشمیر پالیسی یہ ہے کہ سوائے استصواب رائے کے جو پاکستان کی کشمیر پالیسی کا ہمیشہ سے بنیادی اور اصولی موقف رہا ہے باقی تمام معاملات پر

بات کی جائے) یعنی کوئی ایسا اقدام ہرگز نہ کیا جائے جو امریکہ یا بھارت کی ناراضگی کا سبب بنے یہی وجہ ہے کہ موصوف جو کبھی خود کو کارگل کا ہیرو بتایا کرتے تھے، کشمیر کے مسئلے پر بسوں اور ٹرکوں کی آمدورفت اور میل ملاپ سے آگے جانے پر تیار نہیں کیونکہ ان کے دوستوں یعنی امریکی دوستوں اور بھارتیوں کا گمان ہے کہ اس طرح مسئلہ کشمیر کا حل نکلے گا۔ جب ادھر اُدھر کے لوگ آپس میں ملیں گے موج میلہ کریں گے تو مسئلہ خود ہی حل ہو جائے گا، جو تین چار پرانے اور گھسے پٹے لیڈر ہیں وہ تب تک شاید زندہ نہ رہیں۔ امید کی جانی چاہئے کہ نئی حکومت جس کی اعلیٰ قیادت نے کشمیر کے مسئلے پر بڑی قربانیاں بھی دی ہیں، اور جو مسئلہ کشمیر کو اب تک زندہ رکھنے کا کریڈٹ بھی رکھتے ہیں کسی ڈکٹیشن کے بجائے پاکستان کے بنیادی موقف یعنی استصواب رائے کے ذریعے کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ کو ہی اپنی پالیسی کی بنیاد بنائیں گے، اور مقبوضہ کشمیر کے بوڑھے شیر سید علی گیلانی کے اس شکوے کا بھی ازالہ کریں گے کہ صدر مشرف نے کشمیریوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے، اور ان کی پالیسیوں سے مقبوضہ کشمیر بھارتی فوجیوں کی شکارگاہ بن گیا ہے۔

اس مرحلے پر وزیراعظم کی طرف سے پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر جاری شورش کے حوالے سے یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ وہ طاقت کے بجائے اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

مقامی طالبان نے وزیراعظم کے اس اعلان کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حکومت مذاکرات کے ذریعے مسائل کے حل میں سنجیدہ ہو تو وہ نہ صرف اس میں تعاون کریں گے بلکہ اپنی روایت کے مطابق وہ پاکستان کے لئے بغیر تنخواہ کے سپاہی کا کردار ادا کریں گے۔ اب طالبان کی اس پیشکش کو قبول کرنے میں دیر نہیں کی جانی چاہئے کیونکہ خارجی ہاتھ خیرسگالی کے ان دوطرفہ جذبات کو ایک بار پھر کسی اشتعال انگیز کارروائی کے ذریعے ختم کر سکتا ہے، اور نئی حکومت کو بھی اپنے قبائلی علاقوں میں طاقت کے استعمال پر مجبور کیا جا سکتا ہے، جس کے نتیجے میں قبائلی عوام امید کی اس نئی کرن سے بھی مایوس ہو کر دوبارہ شورش کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حالیہ دنوں جب سے قومی رہنماؤں کی جانب سے قبائلیوں سے مذاکرات اور سابقہ حکومت کی پالیسیوں میں تبدیلی کرنے کا عندیہ دیا جا رہا ہے، قبائلی علاقوں میں تشدد کے واقعات میں نمایاں کمی دیکھی جا رہی ہے، اور ملک کے دیگر شہروں میں بھی کوئی بڑا ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبائلی علاقوں میں شورش اور ملک میں بدامنی کی اصل وجہ مشرف حکومت کی پالیسیاں ہی ہیں، اور اب اس عفریت سے نبٹنے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ ان پالیسیوں پر نظر ثانی کی جائے اور قبائلی عوام کے اس احساس کو دور کیا جائے کہ انہیں امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں کے ایماء پر نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

وزیراعظم کی جانب سے تشدد کا راستہ اختیار کرنے والوں کو قومی سیاسی دھارے میں شامل ہونے کی دعوت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس سے ملک کے ناراض دینی حلقوں کو ایک بار پھر مین سٹریم کی سیاست کی طرف آنے کی تحریک ملے گی، اور مرکز گریزی کے انتہا پسندانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ گزشتہ آٹھ سالوں کے دوران ملک میں دینی قوتوں کو دبانے اور روشن خیالی کے نام پر غیر اسلامی سرگرمیوں کی جس طرح ترویج کی گئی، اور پھر جس طرح تمام دینی قوتوں کی رائے اور موقف کو نظر انداز کر کے قانون سازی کی گئی، سرحد میں عوام کی خواہشات کے مطابق اسلامی

قانون سازی کا راستہ روکا گیا، اس سے بہت سے دینی حلقے اس احساس کا شکار ہو گئے کہ پاکستان کی جمہوری سیاست میں دینی جماعتوں کا کردار غیر موثر ہو گیا ہے، اور دینی کاز کے تحفظ کے لئے متبادل راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اسی احساس نے لال مسجد کی نفاذ شریعت تحریک، وزیرستان میں طالبان تحریک، سوات میں مولانا فضل اللہ کی تحریک کو تقویت دی، جس کا نتیجہ قوم اور خود ق لیگ کی اس وقت کی حکومت بھگت چکی ہے۔ اب یہ امر از حد ضروری ہے کہ قومی سیاست میں ملک کی دینی قوتوں کے کردار کو اہمیت دی جائے، اور بالخصوص دینی معاملات میں علماء اور مشائخ کی ایک معقول تعداد سینٹ اور قومی اسمبلی میں موجود ہے، حکومت ان کے تعاون سے ملک بھر کی دینی قوتوں کا اعتماد بحال کر سکتی ہے جو کہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

یوں تو گزشتہ حکومت نے بڑی بڑی بڑھکیں لگائی تھیں، لیکن ان کے ترقیاتی اور روشن خیال منصوبوں کی قلعی اب آہستہ آہستہ کھلنے لگی ہے۔ حال ہی میں سٹیٹ بنک کی طرف سے جاری ہونے والی رپورٹ اس کا ثبوت ہے۔ مرکزی بنک کے ذریعے حکومتی قرضوں کے حجم میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 14 گنا سے زیادہ اضافہ ہوا ہے جبکہ کمرشل بنکوں کے قرض واپس کرنے کا عمل جاری ہے، مرکزی بنک کے مطابق جولائی 07ء سے 22 مارچ 08ء تک حکومت نے بنک سے 364 ارب روپے سے زائد قرضے لئے۔ حکومت نے کمرشل بنکوں سے لئے گئے 49 ارب 18 کروڑ روپے کے قرضے واپس کر دیئے ہیں۔ معیشت میں زیر گردش کرنسی میں 59 کروڑ روپے کا اضافہ ہوا۔ اس صورتحال کی وجہ سے بنکاری نظام کے مقامی اثاثوں میں 17.19 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا جبکہ گزشتہ سال یہ 10.37 فیصد تھا۔

وزیر اعظم گیلانی نے منصب سنبھالنے کے بعد ملکی معیشت کو سنبھالنے کے لئے اقدامات کا اعلان کیا ہے، اس کے مدنظر قوم کو توقع ہوئی ہے کہ سابقہ حکومت نے اندھا دھند ملکی اور غیر ملکی قرضے لے کر جس طرح پورے ملک وقوم کو گروی رکھ دیا تھا، اس سے نجات کی سبیل نکل آئے گی۔ اربوں کھربوں کے قرضے معاف کروانے کی سخت ناپسندیدہ روایت ختم ہو گی خصوصاً حکومتی قرضوں کو قابو میں رکھا جائے گا۔ اس تناظر میں یہ تازہ رپورٹ ایک نہایت سنجیدہ اور تلخ سولنامے کی حیثیت رکھتی ہے کہ آخر اتنے بھاری قرضے کس مقصد یا مقاصد کے لئے حاصل کئے جا رہے ہیں، اور صرف ایک سال میں 25 ارب 70 کروڑ سے یک لخت 14 گنا اضافے کے ساتھ 364 ارب روپے کس طرح ہو گئے، اور قوم جو کھربوں کے ٹیکس بھرتی ہے، وہ کہاں جا رہے ہیں ان کے ہوتے ہوئے یہ مزید قرضے در قرضے کیا معنی رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم اس معاملے کی تحقیقات کروائیں اور یہ رقوم فی الفور واپس قومی خزانے پر جمع کروائیں کیونکہ سابقہ دور میں جس بڑے پیانے پر لوٹ مچائی گئی، اس کے مدنظر اب کسی ایسے اقدام کی طرف سے نرمی یا چشم پوشی یا رعایت اس کا سارا وبال موجودہ حکمرانوں کے سرلے آئے گی۔ یہ بات نئے حکمرانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا اور یاد رکھنا چاہیے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!

5 دسمبر کا پشاور دھماکہ ممکن ہے سکیورٹی حکام کی ناکامی کا شاخسانہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ ممبئی کے بعد جس طرح کا موڈ بھارتی حکمرانوں بن چکا ہے۔ خصوصاً ان کے میڈیا کی طرف سے جس تعصب کا مظاہرہ کیا جارہا ہے اور انہوں نے جس طرح اسے ایک ذاتی جنگ بنا رکھا ہے۔ یہ امید ضرور کی جارہی تھی کہ بھارتی انٹیلی ایجنسیاں پاکستانی عوام کو ناکردہ جرم کی سزا ضرور دیں گی اور اس کی ابتداء بھی فوراً کراچی سے کردی گئی۔ ہماری منافقت اور خوف کی ماری سیاسی قیادت جس کے مخصوص مفادات عموماً انہیں مخصوص موضوعات تک ہی بولنے کی اجازت دیتے ہیں اس ضمن میں تشکیک کا شکار ضرور رہی ہوگی لیکن جو لوگ انٹیلی جنس کی الف ب بھی جانتے ہیں انہیں اس کا بخوبی اندازہ ہے کہ کس کا کارنامہ ہے اور جو لوگ پاکستانی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے آئیں بائیں شائیں کر رہے ان سے متعلق بھی پاکستانی عوام بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کس کی نوکری کر رہے ہیں۔

آزمائش اللہ کی سنت ہے اور اس سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو انعام سے نوازے اور اس کے درجات بلند کرنے کے لئے کسی امتحان میں ڈالیں تو مومن کی اطاعت لازم مانتا ہے اور گھبراتا نہیں کیونکہ اسے یہ امید ہوتی ہے کہ وہی اللہ اس مصیبت کو ٹال بھی دے گا اور نجات بھی دلائے گا بدقسمتی سے ہماری بیشتر سیاسی قیادت نے اس مملکت خداداد کی بنیاد کو فراموش کردیا ہے یا پھر انہیں اس پر یقین ہی نہیں رہا کہ یہ ملک جس نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا وہ کوئی ایسا معمول کا واقعہ نہیں تھا انسانی معلوم تاریخ کا دوسرا بڑا واقعہ ہے اور جس اللہ کے نام پر اسے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہے اصل میں وہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی ہے ہم نے بدقسمتی سے اس کی حفاظت کا ذمہ دار کسی اور کو سمجھ لیا ہے اور نادانوں کی طرح ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ذلیل ہورہے ہیں' دھتکارے جارہے ہیں' اس کے باوجود بضد ہیں کہ ان ہی مصنوعی خداؤں کا محتاج بنے رہیں گے جو در اصل شیطان کا دوسرا روپ ہیں اور دنیا کو اپنی مرضی سے چلانا چاہتے ہیں۔ حیرت' شرم اور دکھ کی بات ہے کہ ہم حق گوئی کی قریباً آخری سٹیج یعنی برے کو زبان سے برا کہنے سے بھی لاچار ہیں۔ ایک طرف بھارتی اور امریکی میڈیا ہے۔ جس نے ساری دنیا کو چیخ چیخ کر ہمارے دہشت گرد' روگ سٹیٹ' ناکام ریاست' ناکام حکومت وغیرہ وغیرہ کی دھائی دے رکھی ہے اور ایک ہم ہیں کہ ان کے جھوٹ کا زبانی جواب دینے سے بھی اس لئے خوفزدہ رہیں گے کہ ہمارے آقا ناراض نہ ہوجائیں یا ہماری کسی بات سے ان کی تیوری پر بل نہ پڑے۔ ہم نے ملکی سالمیت کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے فاٹا پر امریکی میزائلوں کے حملے معمول بن چکے ہیں۔ بے گناہ پاکستانی بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو جس بے رحمی سے ان حملوں کے ذریعے قتل کیا جارہا ہے اس پر دنیا کی ہر قابل ذکر انسانی حقوق کی تنظیم سراپا احتجاج ہے لیکن ہماری زبان گنگ ہیں۔ وزیر دفاع صاحب جو اپنے عجیب وغریب بیانات کے حوالے سے شہرت پاچکے ہیں اب اس لئے بھی مزید خاموشی اختیار کرلیں گے کہ انہوں نے خود کو وزارت عظمیٰ کی دوڑ میں شامل کرلیا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ کو خوش رکھا جائے' اطاعت کا یہ عالم ہے کہ ابھی آئی ایم ایف کا قرضہ جاری نہیں ہوا تھا کہ اس کے

احکامات پر عمل شروع ہوگیا۔ آئی ایم ایف نے پاکستان کو 7.6 ارب ڈالر قرضے کے عوض 24 صفحات پر مشتمل شرائط تھما دی ہے جس کے مطابق پاکستان کو آئندہ سال ترقیاتی اخراجات میں ایک ارب 70 لاکھ ڈالر کی کمی اور ٹیکسوں میں ایک ارب ڈالر اضافہ کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ رواں مالی سال میں حکومت اسٹیٹ بینک میں مزید کوئی رقم حاصل نہیں کر سکے گی اور جون 2009ء تک بجلی پر سب سٹڈی ختم کر دی جائے گی۔ اس شرائط نامے کے مطابق 2012ء تک قومی ترقی کی شرح بڑھا کر 7 فیصد اور افراط زر کی شرح کم کر کے 5 فیصد پر لانا ہوگی' کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ 10.6 ارب ڈالر اور مالیاتی خسارہ 4.2 فیصد تک کم کرنے کا ہدف دیا گیا ہے۔ آئی ایم ایف کی شرائط کے مطابق حکومت پہلے ہی پٹرولیم مصنوعات پر سبسڈی ختم کر چکی ہے جبکہ بجلی پر سبسڈی ختم کرنے کے لئے اب تک حکومت نے 71 فیصد بجلی کے نرخ بڑھائے ہیں اور آئندہ سال اس میں مزید 62 فیصد تک اضافہ کر دیا جائے گا' بلکہ آئی ایم ایف کے شرائط نامے کی خبر کے ساتھ ہی متصل دوسری خبر یہ ہے کہ نیشنل پاور پرچیز پرائس وری ایشن کے تحت پاور ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کو 1.18 روپے سے 2.13 روپے فی یونٹ کی حساب سے بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ حکومت نے یہ اقدام بھی آئی ایم ایف کے کہنے کے مطابق ہی کیا ہے جس سے یقیناً بجلی کے صارفین پر خاطر خواہ بوجھ پڑے گا۔ اکتوبر کے بجلی کے بلوں میں حکومت نے 40 فیصد کٹوتی پھر عائد کر دی گئی ہے جس پر کراچی کے تمام صارفین احتجاج کر رہے ہیں مگر حکومت اس سلسلے میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی بلکہ مکمل طور پر ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی ہے اور صارفین کی کہیں بھی شنوائی نہیں ہو رہی ہے کہ ان کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ آخر کون کرے گا؟ اس کے علاوہ عالمی مارکیٹ میں فرنس آئل کی قیمتوں میں 70 فیصد تک کمی ہونے کے باوجود حکومت کی طرف سے بجلی کے نرخ مہنگے کرتے چلے جانا اور آئی ایم ایف کے کہنے پر عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا کر حکومتی اخراجات کا جوں کا توں رکھنا سمجھ سے بالاتر معاملہ ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ کم از کم ان اشیاء صرف میں تو عوام کو فائدہ پہنچائے جن کی قیمتیں عالمی مارکیٹ میں انتہائی کم ہو چکی ہیں جس وقت حکومت اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافہ کرتی ہے تو ہمیشہ عالمی مارکیٹ میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کا حوالہ دیتی ہے مگر جب عالمی مارکیٹ میں انہی اشیاء کی قیمتیں گرتی ہیں تو حکومت چپ سادھ لیتی ہے جو کہ غریب اور مہنگائی کی چکی میں پسے ہوئے عوام کے لئے سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے۔ یہ زیادتی اور ناانصافی صرف ہماری حکومت ہی ہمارے ساتھ نہیں کر رہی ہماری حکومت کے ساتھ بھی ہو رہی ہے اور حکومت شاید یہ غصہ عوام پر نکالتی ہے۔ کنڈولیزا رائس ممبئی حادثے پر تشریف لائیں تو یہ احساس ہوا جیسے وہ بھارت کی وکیل بن کر پاکستان آئی ہیں۔ بی بی سی کے مطابق امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اسلام آباد کے اپنے ایک روزہ مختصر دورے میں پاکستانی قیادت کے لئے کافی واضح اور سخت پیغام دے کر چلی گئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کافی خفیہ معلومات دستیاب ہیں لہٰذا پاکستان کو اب اگر کچھ کرنا ہے تو بس مشتبہ افراد کے خلاف کارروائی ہی کرنی ہے۔ وزیر خارجہ رائس محض پانچ گھنٹے کے قیام کے دوران اپنی اور بھارت کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے بال پاکستانی کورٹ میں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ تاہم انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ پاکستان کی جانب سے کارروائی نہ ہونے کی صورت میں دو ممالک کا یہ پاکستان مخالف اتحاد کیا کر سکتا ہے۔ ویسے پاکستانی سیکورٹی فورسز کی مغربی سرحد پر دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کی وجہ سے شاید نہ امریکہ اور نہ ہی بھارت کے پاس زیادہ آپشن موجود ہیں۔ اکثر تجزیہ نگاروں کے مطابق ایسے میں نہ تو کسی حملے اور نہ ہی کسی جنگ کا امکان موجود ہے۔ مبصرین اسے پاکستان کے خلاف تیار کئے جانے

والے کیس کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی خطرہ ہے تو پاکستان پر مسلسل دباؤ کا جس کا مقابلہ موجودہ حکمرانوں نے اب تک کوئی زیادہ اچھے انداز میں نہیں کیا ہے۔ آئی ایس آئی کے سربراہ کو تحقیقات کے لئے بھجوانے سے لے کر صدر آصف علی زرداری کا خود اعتراف کہ ممبئی حملوں میں حکومت یا اس کا کوئی ادارہ ملوث نہیں تاہم یہ ''نان سٹیٹ'' یا غیر ریاستی عناصر ہو سکتے ہیں۔ حکومت کے لئے آگے چل کر مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ غیر ریاستی عناصر کے ''بھونڈے موقف'' پر بھی اپنی پوزیشن واضح کر چکی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ عناصر حکومت سے یقیناً باہر ہوتے ہیں لیکن ان سے نمٹنا حکومت وقت کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان کا مطلب درست ہے کہ پھر یہ کیسی ریاست ہے جہاں سے دوسرے ممالک پر مبینہ حملے ہوں اور آپ خاموشی سے انہیں دیکھتے رہیں۔ سابق سفارت کار طیب صدیقی کا کہنا ہے کہ غیر ریاستی عناصر والا مفروضہ کوئی بھی نہیں خرید رہا۔ آپ تو یہ کہہ کر مان رہے ہیں کہ حملے شاید اسی علاقے سے ہوئے ہوں۔ یہ راگ الاپنا ہرگز ملک کے مفاد میں نہیں۔ پاکستان کے بھارت سے مطالبے کے مشتبہ افراد کے خلاف ٹھوس ثبوت فراہم کئے جائیں' کنڈولیزا رائس نے اس کو بھی بے معنی قرار دے دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہاں جو ہوا اس کے بارے میں بہت معلومات دستیاب ہیں۔ لہٰذا شواہد کے تبادلے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ انہوں نے یعنی صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ معلومات بہت ہیں اصل مسئلہ اس کی بنیاد پر کارروائی کا ہے۔ اس کے علاوہ امریکی وزیر خارجہ کے دونوں ہمسایہ ممالک کے دورے کے دوران ان کے رویے سے بھی تعلقات کی نوعیت سے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ بھارت میں تو وزیر خارجہ کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لئے مشترکہ پریس کانفرنس منعقد کی لیکن اسلام آباد میں انہوں نے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پاکستان میں بلکہ صدر نے اس نازک موقع پر سنجیدہ مذاکرات کے ساتھ ساتھ اس کو اپنی بیٹی کے ساتھ مشترکہ تصویر کا نادر موقع سمجھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستان کے ساتھ یہ سب سلوک محض اور محض اس کی جوہری صلاحیت کی وجہ سے ہے۔ جوہری ہتھیار جو کہ پاکستان کے لئے سکیورٹی نکتہ نظر سے باعث اطمینان ہونا چاہئے تھا وہی اس کے لئے باعث مشکل بنائی جا رہی ہے۔ اس بابت ماہرین اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ گزشتہ دنوں 'دنیا خطرے میں' کے عنوان سے امریکی کانگریس کی اس رپورٹ میں اس خدشے ظاہر کیا گیا ہے دہشت گرد آئندہ تین سے پانچ برس میں نیوکلیائی یا حیاتیاتی ہتھیار حاصل کر سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس طرح کے حملوں کا منبع پاکستان ہو ماہرین کے مطابق ملک کے اس اہم اور نازک موڑ پر ضرورت 'ایک ٹیلی فون' کی بنیاد پر قومی پالیسی کی تیاری کی بجائے قومی سطح پر بحث کی ضرورت ہے۔ جس پر ہم عموماً گومگو کا شکار رہتے ہیں۔ افسوس پارلیمنٹ کی طرف سے جو مشترکہ قرارداد امریکی حملوں کے ضمن میں پاس کی گئی وہ بھی مذاق بن کر رہ گئی شاید امریکی اس قرارداد کا تمسخر اڑانے کے لئے اپنے حملوں میں اتنی تیزی لے آئے ہیں۔ ان حالات میں صرف اپنی صفائیاں پیش کرتے رہنا مسئلہ کا حل نہیں۔ اب ہمیں جرأت سے کام لے کر اپنے دشمن کو یہ پیغام بہرحال دینا پڑے گا کہ ہمیں حلوہ ہی نہ سمجھ لے۔ یہ قوم بدترین حالات میں بھی اپنی عزت نفس کے ساتھ زندہ رہنے کا شعور رکھتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

پاکستان کے خلاف ''گریٹ گیم''

بے روزگاری یا بھوک کے ہاتھوں خودکشی، بچوں کی فروخت، گردوں کا بیوپار وغیرہ جیسی خبریں اب ہمارے لئے معمول کی خبریں بن چکی ہیں اس لئے ان پر اب اہم زیادہ سرکھپائی نہیں کرتے یوں بھی پاکستان کی زیادہ آبادی قریباً 98 فیصد آبادی غریب یا سفید پوش ہے۔ سفید پوش بھی اب غریب والی کیٹگری میں آ چکے ہیں۔ ان لوگوں کو خود بھی اپنے مسائل خصوصاً غم روزگار سے فرصت نصیب نہیں ہوتی اپنے ہی مسائل اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ بیچارے اردگرد کی فکر سے ویسے ہی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ کہیں بڑے دھماکے کی خبر آئے تو چند لمحوں کے لئے ضرور کسی کو اس کا خیال آتا ہوگا لیکن بعد میں سب نارمل ہو جاتے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ کے باہر اور نزدیک ہی ایف آئی اے کی بلڈنگ اس کی بہترین مثال ہے۔ یہاں دھماکوں کی تباہی کے آثار بڑے نمایاں ہیں لیکن اب شاید کسی کو یاد بھی نہیں رہا ہوگا۔ اب تو میریٹ ہوٹل والا دھماکہ بھی لوگ بھول گئے ہیں۔

اس کی دوسری اہم وجہ ان دھماکوں سے بڑے دھماکے ہیں جن کی خبریں ہمیں روزانہ ملتی ہیں قریباً ہر دوسرے تیسرے روز امریکن ڈرائونز بمبار پاکستانی شہریوں کو پرندوں کی طرح شکار کر کے اپنی راہ ناپتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ''فاٹا'' سے آگے بندوبستی علاقے بنوں کے ایک گاؤں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے، اور ہمارے ارباب اختیار معمول کا بیان جاری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

شاید کوئی نفسیاتی عارضہ من حیث القوم ہمیں لاحق ہو گیا ہے۔ کہ اب ہم نے اپنے اور اپنوں کے ساتھ ہونے والے مظالم پر احتجاج ہی کرنا چھوڑ دیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان جب دنیا کو روندتا اور برصغیر کو تاخت و تاراج کرتا مسلمانوں کے مرکز بغداد کی طرف بڑھا تو اس کے مشیروں نے رک کر دم لینے کی ہدایت کی اور نصیحت کے انداز میں بتایا کہ یہ مسلمان کتنے بھی گئے گزرے ہوں ان میں جہاد کا کیڑا ضرور سلگتا رہتا ہے ایسا نہ ہو وہ لوہے کے چنے بن جائیں۔ ہلاکو خان کو تردد ہوا اور اس کا علاج دریافت کیا تو ایک تدبیر پر سب متفق ہو گئے اس پر عمل کا آغاز بھی کر دیا۔

اس تدبیر کے مطابق بغداد کے دو تین جید علماء اور دانشور خریدے گئے۔ مسلمانوں میں ''بکاؤ مال'' وافر مقدار میں موجود رہتا ہی ہے۔ ان علما اور دانشوروں کو ایک مہم سونپی گئی جس پر انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اب بغداد کے گلی کوچوں خصوصاً جمعہ کے اجتماع میں تکرار سے یہ بات کہی جانے لگی کہ مسلمانو! تمہارے گناہ اور بداعمالیاں بہت بڑھ گئی ہیں اور اب ہلاکو خان تم پر اللہ کا عذاب بن کر نازل ہونے والا ہے۔ بظاہر تو یہ ''وعید'' ہی تھی اس کے پس منظر پر کسی کا دھیان نہیں گیا نتیجہ ظاہر ہے جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو مسلمانوں کی غالب تعداد ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تھی کہ یہ ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے سو مزاحمت دم توڑ گئی، اور عوام نے ہلاکو کے حملے کو ''اللہ کا عذاب'' جان کر قبول کر لیا۔

اس سے ملتی جلتی حکمت عملی پاکستان پر اپنائی گئی۔ ہمیں بھی صحافتی گماشتوں، دو نمبر دانشوروں اور ملت فروش نام نہاد علماء نے یہ بتانا عرصے سے شروع کر دیا ہے۔ کہ امریکہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھ لیجئے تمام وزراء یہی راگ الاپ رہے ہیں۔ بلکہ زیادہ تعداد تو ان کی ہے جنہوں نے

باقاعدہ ڈرانا شروع کردیا ہے کہ جتنے جوتے پڑرہے ہیں انہیں اپنا مقدر جان کر قبول کرلو بصورت دیگر وہ لتر پڑیں گے کہ نانی یاد آجائے گی۔

امریکہ تو بہت دور کی بات ہے ہمارے ہاں تو ''مقامی مافیاز'' سے بھی اب عوام کو اتنا ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ ظلم پر فریاد نہیں کرتے چپ چاپ کان لپیٹ کر نکل جاتے ہیں۔ حال ہی میں کراچی، حیدرآباد اور سندھ کے کچھ علاقوں میں کچھ چینلز کی نشریات اچانک روک دی گئیں جس پر خاصا واویلا مچا۔ ایک ٹی وی چینل نے وزیر نشریات محترمہ شیری رحمان کو بھی اپنے مذاکرے میں زحمت دی جنہوں نے بڑی ردوقد کے بعد فرمایا کہ اگر آپ کے (چینل والوں کے) علم میں ہے کہ ملزم کون ہیں وہ ان کے نام لے کر شکایت کریں۔ چینل کی نمائندگی کرنے والے صاحب نے کہا کہ بطور حکومت آپ کا فرض ہے کہ ملزموں کا تعین آپ کریں۔ دونوں کی بحث ہوئی دونوں نے ایک دوسرے پر ثابت کیا کہ ''ملزموں'' کا انہیں علم ہے لیکن دونوں ملزموں کا نام لینے سے قاصر تھے کیونکہ اس کی قیمت پھر توقع سے بڑھ کر ادا کرنی پڑتی۔

یہ حال ہے حکومت اور ریاست کے پانچویں ستون کا کہ وہ ملزموں کو جانتے ہیں اور ان کا نام لینے سے ڈرتے ہیں۔ ان حالات میں عام پاکستانی شہری کا رویہ کیا ہوسکتا ہے؟ اس پر کسی عالمانہ تبصرے کی ضرورت نہیں۔ حالات ہمیں کس طرف لے جارہے ہیں اور ساری قوم کو بھیڑوں کا ریوڑ بنا کر جس طرح ہانکا جارہا ہے۔ اس کے نتائج کیا ہوسکتے ہیں یہ بھی کوئی بہت بڑا نہیں، نہیں ابھی آئی ایم ایف کی پہلی قسط پاکستان نہیں پہنچی لیکن حکومت ''ان ایکشن'' ہوگئی ہے۔ پہلے او جی ڈی سی کی نجکاری کا نعرہ لگایا گیا جسے وقتی طور پر بظاہر ورکرز نے ناممکن بنا دیا ہے لیکن اس انقلابی حکومت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی بات پر قائم رہے گی احمقانہ سوچ ہے۔

مملکت خداداد پاکستان سترہ کروڑ پچاس لاکھ نفوس کی آبادی کا حامل ملک، سات لاکھ چھیانوے ہزار چھیانوے مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔ عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں بڑی ایٹمی قوم ہے۔ گندم، کپاس، چاول، کھاد، گنا، سویابین، (تیل کے لحاظ سے) خود کفیل ہے۔ زرعی ملک ہونے کے ساتھ ساتھ معدنیات و قدرتی وسائل کے لحاظ سے پاکستان کا اہم مقام ہے۔ خام تیل برآمد کرنا پڑتا ہے جبکہ 47 فیصد خام تیل پاکستان میں خود پیدا ہوتا ہے۔ گیس میں خود کفیل ہے مگر گیس کے ذخائر تقریباً تیس سالوں تک کے لئے ہیں۔ پاکستان کو پھر اس کی ضرورت بڑے پیمانے پر پڑے گی۔ گندھک، کرومائٹ اور کوئلے میں پاکستان خود کفیل ہے۔

پاکستان میں کوئلے کے ذخائر ایک ارب پچاس کروڑ ٹن سے بھی زائد ہیں۔ پاکستان پٹرول کا خام مال صرف 53 فیصد درآمد کرتا ہے جسے بعد میں Refine کیا جاتا ہے، اور Purification کے بعد پٹرول کی متعدد اقسام حاصل ہوتی ہیں۔ گویا پاکستان پٹرول میں خود کفیل ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان کا نہری نظام پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ ملک میں بہنے والے دریاؤں کی بدولت زرخیز زمین کی وجہ سے پاکستان مختلف اجناس کے ساتھ ساتھ ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کی بدولت برآمدات میں بین الاقوامی منڈی میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ بالخصوص ٹیکسٹائل کی مصنوعات وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان افرادی قوت کے لحاظ سے یورپ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کو باصلاحیت ہنرمند اور پیشہ ور افراد مہیا کرتا ہے۔ جہاں یہ لوگ دوسرے ملکوں میں اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں وہاں اپنے ملک کی نیک نامی کے ساتھ ساتھ کثیر زرمبادلہ ملک کو فراہم کرتے ہیں مگر ان تمام خصوصیات کے باوجود پاکستان معاشی اور سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ زرمبادلہ کے ذخائر 17 ارب ڈالر سے گھٹتے

گھٹتے 6 کروڑ 9 لاکھ ڈالر تک آ گئے ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ پانچ ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔

تجارتی خسارہ 7.5 ارب ڈالر سے تجاوز کرنے کو ہے۔ بیرونی قرضوں کی مالیت 56 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ مجموعی قرضوں کا حجم اس سے کہیں زیادہ ہے۔

پاکستان کا بجٹ 55 ارب ڈالر کے قریب ہوتا ہے، اور پھر منی بجٹ آ جاتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے سوچا کہ تمام خرابیوں کی وجہ کیا ہے؟ ہم کرپشن کے حوالے سے رینکنگ کے لحاظ سے 138 ویں نمبر پر ہیں۔ یعنی 137 ممالک ہم سے بہتر ہیں۔

ہنڈی والوں کو تو حکومت نے پکڑ لیا لیکن یہاں ایک اور سوال ابھرتا ہے کہ اسٹیٹ بنک اور ہمارے دوسرے قانونی ادارے کیا کر رہے تھے؟ اس حکومتی اقدام سے ایک نئے بحران نے جنم لیا ہے کہ جو سرمایہ ان منی چینجرز کے ذریعے ملک میں آ رہا تھا وہ بھی رک گیا ہے۔ سرعام لوگ یہ کہتے نظر آ رہے ہیں کہ منی چینجرز بحران کے پیچھے وہ مافیا ہے جو ان گرفتار لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اپنا حصہ مانگ رہا ہے۔ اس میں ملک کی ایک مقتدر ترین شخصیت کا نام ماضی کی طرح ایک بار پھر سننے کو مل رہا ہے۔ پاکستان میں ہر پانچ سے دس سال بعد فاریکس مارکیٹ میں بحران آتا ہے اور کرنسی ڈیلرز کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا جاتا ہے۔ ثبوت نہ ملنے، دباؤ اور مفادات کے تحت آپریشن خاموشی سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ماضی میں ایک کریک ڈاؤن میں امریکہ سے ایف بی آئی کی ٹیم بھی تحقیقات کر چکی ہے، مگر ٹھوس شواہد کی عدم دستیابی کے باعث تحقیقات سرد خانے کی نذر ہو گئی۔ وقت جوں جوں گزر رہا ہے معاملات ماضی کی طرح الجھ رہے ہیں۔ ویسے بھی پاکستان میں قانون سے بڑے افراد ہوتے ہیں۔ قانون تو موم کی ناک کی طرح ترمیمات سے ادھر ادھر موڑ لیا جاتا ہے۔ پاکستان کی معیشت سے کھیلنے والے ہوں یا معاشرت سے، ان کے لئے آپشن ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں، صرف عہدہ، تعلقات اور سفارش ہونی چاہئے یا آپ حصہ بقدر جثہ دینے پر آمادہ ہوں۔

گذشتہ 61 سالوں میں کبھی وائٹ کالر جرائم کرنے والے ہوں یا دیگر کیفر کردار تک نہیں پہنچے۔ پاکستان پر 42 ارب ڈالر کا قرضہ ہے اور اس سے دو گنے چوگنے ڈالر ہمارے سابقہ اور موجودہ مقتدرین کے بیرونی بنکوں میں ہیں۔ صرف 150 ارب ڈالر سوئٹزر لینڈ کے بنکوں میں ہیں۔ پاکستانی عوام جانتے ہیں کہ ان کے حکمرانوں کو پاکستان کی سالمیت کا یقین ہی نہیں اس لئے تو انہوں نے اپنی دولت، گھر، بچے سب باہر رکھے ہیں۔ کیا ہمارے ارباب اختیار اپنا روپیہ پاکستان لا کر کوئی اچھی مثال قائم کرنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔

16 نومبر کو حکومت نے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) سے 7.6 ارب ڈالر کا قرضہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا اعلان وزیراعظم کے غیر منتخب مشیر شوکت ترین اور گورنر سٹیٹ بنک شمشاد اختر نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کیا۔ یہ قرضہ دیگر ممالک کی نسبت کہیں زیادہ شرح سود پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس قرضہ پر 3.51 سے لے کر 4.51 فیصد تک شرح سود دیا جائے گا۔ قرضہ حاصل کرتے وقت آئی ایم ایف نے کم از کم دو فیصد شرح سود کرنے کی شرط پیش کی تھی جسے زرداری حکومت نے بلا چوں چرا تسلیم کر لیا۔ قرضہ کے ساتھ منسلک شرائط کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ دفاعی بجٹ میں کمی نہیں کی جائے گی۔ البتہ ترقیاتی اخراجات کم از کم 50 فیصد کم ہو جائیں گے۔

4 سے 5 فیصد تک شرح سود پر حاصل کیا جانے والا یہ قرضہ زیادہ شرح سود پر حاصل کیا جانے والا یہ قرضہ زیادہ شرح سود اور زیادہ سخت

شرائط کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ان شرائط کے تحت تیل، گیس اور بجلی کی قیمتوں میں 39 فیصد تک اضافہ ہوگا۔ کمرشل اور غیر کمرشل گاڑیوں پر 4 گنا زیادہ محصولات یعنی چنگی لگائی جائے گی۔ دواساز کمپنیوں پر کم از کم 10 فیصد تک نیا ٹیکس لگایا جائے گا۔ موجودہ مالی سال میں ایک ہزار ارب روپے ٹیکس وصولی کا ٹارگٹ ہے اسے 10 فیصد بڑھا کر ایک ہزار ایک سو (1100) ارب روپے ٹیکس وصول کیے جانے کا ٹارگٹ ہے۔ یعنی اس قرضہ کے حاصل کرنے کے بعد عوام پر 100 ارب روپے کے مزید ٹیکس لگائے جائیں گے۔ حکومت کو اپنے انتظامی اخراجات میں بھی 2 فیصد تک کمی لانے کی شرط ہے۔

حکومت قرضہ حاصل کرنے کے عمل کو اپنی کامیابی پر تعبیر کر رہی ہے کہ اس نے یہ قرضہ حاصل کر کے پاکستان کو دیوالیہ پن ہونے سے بچا لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر بنکوں اور مالیاتی اداروں سے مزید قرضہ جات حاصل کرنے کی نوید بھی سنائی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے یہ حکومت اقتدار میں آئی ہے اس نے جنرل مشرف حکومت سے بڑھ کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں ادارے مطالبہ کر رہے تھے کہ قومی بجٹ کا 9.7 فیصد حصہ جو ریاستی سبسڈی کی صورت میں تیل، بجلی، ریلوے اور دیگر اداروں کو دیا جا رہا ہے کو ختم کر دیا جائے۔ ریاستی سبسڈی دینے کا سلسلہ ہی بند کیا جائے۔ پیپلز پارٹی حکومت نے یہ مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ تیل پر تمام حکومتی امداد ختم کر کے اس پر منافع کمایا جا رہا ہے۔ اسی طرح بجلی کے بلوں پر جنرل سیلز ٹیکس دوبارہ لگا دیا گیا ہے، اور اس کی شرح بھی 15 فیصد سے بڑھا کر 16 فیصد کر دی ہے۔ پاکستان میں اس تمام تر مہنگائی کی ایک بڑی وجہ حکومت کی جانب سے آئی ایم ایف کی شرائط پورا کرتے ہوئے سرکاری امداد یعنی سبسڈی کا خاتمہ تھا۔ قرضہ تو ملنا ہی تھا کیونکہ حکومت نے نہ صرف شرائط کو پورا کیا بلکہ یہ قرضہ دیگر ممالک کی نسبت 2 فیصد زیادہ شرح سود پر حاصل کیا۔ بنگلہ دیش نے 490 ملین ڈالر کا قرضہ 3 سال کے لئے 2.9 فیصد پر حاصل کیا۔ روزنامہ جنگ 17 نومبر کو اپنی اشاعت میں اس بارے میں لکھتا ہے۔ ''پاکستان کو پیش کی جانے والی سٹینڈ بائی سہولت پر مارک اپ کی شرح 3.51 سے 4.51'' فیصد تک ہے جو غیر ملکی کرنسی کے بیل آوٹ پیکج کے لئے کسی بھی ملک کے لئے سب سے زیادہ ہے۔'' حکومت نے اپنے لئے بیل آوٹ پیکج حاصل کیا عوام کو گروی رکھ کر۔ عوام کی زندگی قرضہ جات کے گھناؤنے چنگل میں پھنسا دی گئی ہے۔ یہ قرضہ جات معیشت کی بحالی کا تو باعث نہ بنے گا مگر عوام کے لئے مزید تنگی کا باعث ضرور بن جائے گا۔

بجلی گیس کی قیمتوں میں اضافہ اور اب زرعی ٹیکس کی گھناؤنی تجویز اس کی مثال ہیں۔ اس مرتبہ گلوبلٹون نے کہا ہے کہ پہلے کچھ کر کے دکھاؤ پھر ہمارے پاس آنا یہی وجہ ہے کہ قرضے کی پہلی قسط آنے سے پہلے ہی حکومت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

اقتصادی ماہرین نے وزیر اعظم کو معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے 9 نکاتی اقتصادی پلان پیش کر دیا ہے جس میں 30 ارب روپے دفاعی اخراجات اور سبسڈیز سے کمی، 25 ارب روپے قرضوں اور 40 ارب روپے کے دیگر اخراجات کم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں 75 ارب روپے کی محصولات جمع کرنے کے لئے خدمات پر بھارتی طرز کا سیلز ٹیکس، زرعی انکم ٹیکس اور مہنگی گھریلو اشیاء پر ٹیکس لگانے کی تجاویز کے علاوہ پراپرٹی پر کیپیٹل گینز ٹیکس لگانے اور انکم ٹیکس کی مراعات واپس لینے کی سفارش بھی کی گئی ہے۔

نیا ''اقتصادی پلان'' آئی ایم ایف سے قرضے کے حصول کی درخواست کے دو ہی روز بعد سامنے آیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے

کہ اسے آئی ایم ایف کے شرائط کے مطابق ہی ڈیزائن کیا گیا ہے۔ ان شرائط پر دفاعی بجٹ میں کمی اور زرعی ٹیکس کا نفاذ بھی شامل تھے لیکن حکومت چند روز قبل وضاحت کر چکی ہے کہ دفاعی بجٹ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس لئے بہت سے مبصرین کے نزدیک اقتصادی پلان میں یہ تجویز محض ''زیب داستاں'' کے لئے ہی رکھی گئی ہے، اس کی منظوری مشکل ہے۔ اسی طرح زرعی ٹیکس کا نفاذ نہ صرف آئی ایم ایف کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن کیا یہ ٹیکس بھی نافذ ہوگا؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں سب سے پہلے جس تجویز کے خلاف آواز بلند ہوئی وہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کی تجویز تھی۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے پارلیمنٹ میں موجود زمیندار اور جاگیردار یہ چاہتے ہی نہیں۔ اس لئے اس تجویز پر عملدرآمد بھی بظاہر مشکل لگ رہا ہے البتہ وہ تمام دیگر تجاویز بہت جلد منظور ہوں گی جن کی زد عام آدمی پر پڑتی ہے اور جن سے ملک میں مہنگائی کی نئی خطرناک لہر آئے گی۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستانی عوام میں اب مزید ٹیکسوں کا بوجھ اٹھانے کی سکت باقی نہیں رہی۔ اب ان کی ہڈیوں میں گودا ہی باقی نہیں بچا۔ اگر کسی میں شرم ہے تو اسے اس بات پر ڈوب مرنا چاہئے تھا کہ دو ماؤں نے اپنے آٹھ بچے بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر ایدھی ہوم روانہ کر دیئے۔

ایک طرف ہمارا کردار ہے کہ اپنے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہونے کے بجائے آپس میں یا پھر اپنوں کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں اور دوسری طرف ہمارا دشمن بھارت ہے جس نے مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کے نام پر خونی ڈرامہ رچا کر ساری دنیا کے سامنے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا اور ساری دنیا اپنے منہ میں گھونگنیاں ڈال کر بیٹھی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کرزئی سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ اب تو صدر کرزئی بھی طالبان سے مذاکرات کے لئے چیخ و پکار کرنے لگا ہے۔

کرزئی حکومت پر کافی عوامی دباؤ تھا کہ وہ اس طویل جنگ کا فوجی ذرائع کے علاوہ کوئی سیاسی حل بھی نکالیں۔ اب تک ان کی نہ تو جنگی کارروائیاں اور نہ ہی سیاسی کوششیں کسی ٹھوس پیش رفت کا باعث بنی ہیں۔ جنگ سے تباہ حال اس ملک میں آئندہ برس صدارتی اور پارلیمانی انتخاب منعقد ہونے والے ہیں۔ اکثر علاقوں میں ووٹر اندراج جاری ہے۔ کرزئی حکومت اب تک بظاہر اتحادی افواج کی موجودگی کے نشے میں عوامی رائے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ پژمردہ دل سے انہوں نے ماضی میں بھی طالبان کو مذاکرات کی پیشکشیں کیں لیکن ان کو سنجیدگی سے آگے نہیں بڑھایا۔ بات صرف بیانات کی حد تک ہی محدود رہی لیکن اب چونکہ کرزئی حکومت نے آئندہ برس دوبارہ عوام کے پاس جانا ہے اور سیاسی فرنٹ پر اپنی کارکردگی عوام کے سامنے رکھنی ہے تو شاید اس وجہ سے اس نے مذاکرات کا عمل شروع کیا ہے۔ یہ مذاکرات کا عمل شروع کیا ہے۔ یہ مذاکرات ماضی سے مختلف ہوں گے یا نہیں یہ ابھی دیکھنا باقی ہے لیکن سعودی بات چیت کی پسندیدگی کا اظہار اتحادی اقوام اور افواج نے بھی گزشتہ دنوں ایک بیان کے ذریعے کر دیا کہ یہ جنگ محض فوجی طریقوں سے نہیں جیتی جا سکتی ہے لیکن اکثر افغانوں کو خدشہ ہے کہ یہ مذاکرات محض سیکورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے نہ کہ کسی بڑی سیاسی منصوبہ بندی کے تحت کیے جا رہے ہیں۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق مذاکرات کے کامیاب ہونے سے پہلے کئی ماہرین کا خیال ہے کہ افغان حکومت کو چند تلخ لیکن اہم فیصلے کرنا ہوں گے۔ سینٹر فار سٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل سٹریٹجی نامی تھنک ٹینک کی تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغان حکومت کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ

مذاکرات کی میز پر کون بیٹھ سکتا ہے اور کون نہیں۔ ماضی میں صدر کرزئی کہہ چکے ہیں کہ ملا محمد عمر اور حکمت یار جیسے شدت پسندوں کے ساتھ بات ممکن نہیں تو آیا اب اس کا امکان ہے یا نہیں؟ انہیں یہ بتانا ہوگا کہ آیا امریکی اور دیگر اتحادی ممالک کے علاوہ آیا پاکستان اور ایران جیسے کون کون سے ایسے اہم ممالک ہیں جنہیں اس عمل میں شامل کرنا ہوگا۔ کیا اس عمل میں بھارت کی شرکت بھی ضروری ہوگی یا نہیں۔ افغان حکومت کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ باضابطہ مذاکرات کا یہ اہم موقع ہے یا پھر اسے مزید فوجی کامیابیوں کا انتظار کرنا ہوگا تاکہ ایک مضبوط فریق کے طور پر وہ اس میں شامل ہو۔ کئی لوگوں کے خیال میں اتحادی افواج سن دو ہزار ایک اور دو میں طالبان جب وہ شکست خوردہ اور انتہائی کمزور تھے ختم کرنے کا موقع ہاتھ سے کھو چکی ہے اسے یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ طالبان نے اکثر مذاکرات اور امن معاہدوں کو دوبارہ منظم اور مستحکم ہونے کے اپنے فائدے کے لئے استعمال کیا ہے۔

امریکی اور دیگر اتحادی افواج کے طور طریقوں سے محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ قلیل مدت کے لئے افغانستان میں رہنا نہیں چاہ رہے بلکہ ان کی نظریں طویل مدتی موجودی پر ہیں جو بھی نیا امریکی صدر منتخب ہوا اس نے عراق کی بجائے افغانستان پر تمام توجہ مرکوز کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ان افواج میں چین آف کمانڈ کا مسئلہ بھی اب پائیدار امن کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آرہا ہے کثیر الملکی امن فوج ایساف میں اکتالیس ممالک نے فوجیں بھیجی ہیں ان سب کو ایک کمانڈ کے تحت لانے کی بھی بات کی جارہی ہے۔ ماہرین کے خیال میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لئے افغان حکومت کو چاہئے کہ وہ عوامی بحث اور مباحثے کا بندوبست کرے۔ اس سے عوامی اعتماد میں اضافہ ہوگا اور سیکیورٹی کی صورتحال میں بھی بہتری آنے کی امکانات ہیں۔ ان حالات میں کہ جب افغانستان میں تو امریکی طالبان سے مذاکرات چاہتا ہے، اور پاکستان میں ہم اپنے ہی لوگوں کو اپنا دشمن اور خودکش بمبار بنا رہے ہیں ہم کس کا کھیل کھیل رہے ہیں؟ کیا پاکستان کے خلاف ''گریٹ گیم'' کا آغاز نہیں ہو چکا اور ہم ابھی تک اسمبلی کی قراردادوں اور ایک دوسرے پر الزام تراشی ہی میں مصروف ہیں۔ اول تو ہم کوشش ہی نہیں کرتے اگر خدا خدا کر کے کوئی جرگہ بھی ہو جائے اور امریکہ کو یہ محسوس ہونے لگے کہ شاید یہاں امن بحال ہو جائے گا تو وہ خود بمباری کر کے رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں۔ باراک اوباما نے کہا تھا کہ عراق سے فوجیں نکال کر افغانستان میں لائے گا لیکن حکمت عملی ایسی بن رہی ہے۔ جیسے اب عراق اور افغانستان کے بجائے خدانخواستہ پاکستان براہ راست امریکہ کا ٹارگٹ بن چکا ہے۔ صدر بش کا یہ فرمان بھی خالی از علت نہیں کہ نئے امریکی صدر کے لئے عراق اور افغانستان نہیں، بلکہ پاکستان سب سے بڑا مسئلہ ہوگا۔ امریکی جنرل کی پاکستان پر حملے کی دھمکی اور افغانستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی صدارتی امیدوار باراک اوباما کا یہ بیان کہ پاکستان دہشت گردی کے تربیتی مراکز بند کرے، یہ سب اشارات ہمیں بتا رہے ہیں کہ 11 ستمبر کے بعد ایک فون کال پر ہم نے اپنے لئے پسپائی کا جو راستہ چنا، وہ ہمارے لئے تاریک رات کا پیغام لے کر آیا۔ ہم اس کا ایک مطالبہ تسلیم کرتے ہیں تو دوسرا مطالبہ تیار ملتا ہے۔ یعنی ایک گڑھے کے بعد دوسرا گڑھا تیار ملتا ہے۔ کیا امریکہ افغانستان میں پتھر چاٹنے کے لئے آیا تھا ہزاروں میل دور اپنی افواج کو جنگ میں جھونکنے اور اربوں کھربوں ڈالر کے جنگی اخراجات کا مقصد صرف نائن الیون کے مجرموں کو سزا دینا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسے اس خطے میں ایک بیس کیمپ کی ضرورت تھی، جو افغانستان کی صورت میں اس کے ہاتھ لگ گیا تاکہ یہاں بیٹھ کر وہ ان ممالک پر جو اس کی نظر میں بدمعاش، خطرناک اور عالمی امن کے لئے خطرہ ہیں۔ عالمی امن کے خطرے سے مراد جو امریکی پالیسیوں کے لئے خطرہ ہوں۔ ان پر نظر رکھنا اور انہیں سبق سکھانا تھا، جن

میں ایک پاکستان بھی شامل تھا۔

پاکستان میں گذشتہ کچھ عرصہ سے قبائلی علاقوں میں برپا شورش، مسلح تحریکیں، بلوچستان میں فوج کشی، بدامنی، بم دھماکے، لاقانونیت، مہنگائی اور دیگر بہت سے عوامل ایک ایسی فضا ترتیب دے رہے ہیں جو امریکی مقاصد کے حصول کے لئے نہایت سازگار ہیں۔ 18 فروری کی تبدیلی کے بعد پاکستان میں آنے والی نئی حکومت نے شورش زدہ علاقوں میں طاقت کے استعمال کی بجائے گفت وشنید سے تمام معاملات حل کرنے کا اعلان کیا اور اس پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا، جس کے مثبت نتائج سامنے آئے، لیکن امریکہ کا مقصد اس خطے میں لگی آگ کو بجھانا نہیں بلکہ اسے مزید بھڑکانا ہے، تبھی اس نے دباؤ ڈال کر حکومت اور مسلح گروپوں کے درمیان طے پانے والے امن معاہدوں پر عمل درآمد نہیں ہونے دیا۔ امریکہ اور اتحادی اس بدامنی کی آڑ میں پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ دوستی، مشترکہ مفادات اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ہو رہا ہے۔ آج جبکہ خطرات حقیقت بن کر ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں ہمیں شترمرغ کی طرح اپنا سر ریت میں دبانے کی بجائے کوئی ٹھوس لائحہ عمل طے کرنا چاہئے اس کے لئے ہمیں امریکہ کی بجائے قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا۔ پاکستانی قوم اس وقت جان کنی کے عذاب سے گزر رہی ہے۔ آمریت، دہشت گردی، لاقانونیت، عسکریت پسندی، بدامنی، بدانتظامی، ناانصافی اور مہنگائی کا عفریت جہاں قوم کو نگل رہا ہے، وہاں ان کے ذہنوں میں ملک کے مستقبل کے بارے میں بھی خدشات جنم لے رہے ہیں، جن کا صرف دعوؤں اور بیانات سے زائل ہونا ممکن نہیں۔ کیا ہمارے عالی دماغ قوم کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ نائن الیون کے بعد کئے گئے ان کے فیصلوں سے قوم کو کیا ملا؟

پاکستانی سرحدوں کی حالت غریب کے گھر کی گری چاردیواری کی سی بن گئی ہے کہ جسے راستہ بنالیا جاتا ہے جس کا دل چاہا منہ اٹھائے گزر گیا۔ امریکہ اور نیٹو کے طیارے جب چاہتے ہیں ہماری سرحدوں کو پامال کرتے ہوئے اندر تک گھس آتے ہیں ان کی مسلح فورسز جب چاہتی ہیں پاکستانی چوکیوں پر حملہ کر کے پاک فوج کے جوانوں کے لاشے دوستی کے ''لازوال رشتے'' کی ''یادگار'' کے طور پر ہمیں پیش کر جاتے ہیں۔ رہا مسئلہ کشمیر تو وہ سانپ کی لکیر پیٹنے کی طرح ہے اور ایٹمی پروگرام تو اس کو لاحق خطرات قوم سے پوشیدہ نہیں۔ پاکستانی معیشت میں امریکہ سے آنے والے ڈالروں کی برسات سے پوری قوم ''لطف اندوز'' ہو رہی ہے کب تک ہم جھوٹے وعدوں کے سنہری جال میں پھنستے رہیں گے، کب تک ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر حقائق کو جھٹلاتے رہیں گے کہ حوادثات کی یلغار نے پاکستانیوں کو بے بس کر دیا ہے اور ان میں احتجاج کی طاقت بھی نہیں رہی لیکن یہ بات امریکہ اور ہمارے حکمران نہ بھولیں کہ کبھی کبھی شیر کے گھیرے میں پھنس جانے والی بلی شیر سے زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔

❁

حمیت نام تھا جس کا......

یہ بات تو طے ہے کہ پاکستان پر اب شاید ہی کبھی ''پاکستانیوں'' کی حکومت ہو۔ ایسا نہیں کہ یہاں کے ارباب حکومت غیر ملکی ہی ہوں گے۔ ان کی شہریت تو پاکستانی ہوگی لیکن وہ اپنے دماغ کے بجائے ان کے دماغ سے سوچیں گے جنہوں نے ان کی ضمانتیں لے کر انہیں یہاں تک پہنچایا ہے ان ہی کی زبان بولیں گے اور جہاں تک ممکن ہوا اپنے ملک کے عوام کی ہڈیوں کا گودا نکال کر ایک ایک پائی ڈالروں میں تبدیل کر کے ان ہی کے بنکوں میں جمع رکھیں گے۔ تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ شاید ہمارے حکمرانوں کے ''حکمرانوں'' نے دیکھ لیا ہے کہ پاکستانی عوام اکسٹھ سال تک اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کی اتنی سزا بھگت چکے ہیں کہ اب ان میں کوئی دم خم باقی ہی نہیں رہ گیا شاید اسی لئے انہوں نے بے دھڑک اپنا ایجنڈا آگے بڑھانا شروع کر دیا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کی اس خبر کے بعد کہ امریکہ اور پاکستان کی برسر اقتدار جماعت کے درمیان یہ طے پا چکا ہے کہ امریکی بمباری پر حکومت کوئی چوں چراں نہیں کرے گی البتہ عوام کا تمسخر اڑانے اور ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا سلسلہ زور وشور سے جاری رہے گا یعنی حکومت عہدیداروں کی طرف سے مذمتی بیانات آتے رہیں گے لیکن اب تو ایسا دکھائی دے رہا ہے جیسے یہ تکلف بھی ختم ہونے لگا ہے۔ جس بے رحمی اور تسلسل سے امریکیوں نے پاکستانی سرحدوں میں بمباری شروع کی ہے اس سے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے امریکی ویت نام کا غصہ پاکستان کے بے گناہ قبائل پر اتار رہے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی ایک القائدہ کے رکن کو مارنے کے لئے امریکن درجنوں پاکستانی بے گناہ بچوں عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں کو کیوں آتش و آہن کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اگر انہیں اتنا ہی یقین ہوتا ہے کہ ان کا ''ٹارگٹ'' موقع پر موجود ہے تو دنیا کی بہترین فوج ہونے کے دعوے اور امریکی آخر اپنے کمانڈوز کے ذریعے زمینی کارروائی کیوں نہیں کرتے؟ یا ان کی حلیف پاکستانی سکیورٹی فورسز یہ کار خیر کیوں انجام نہیں دیتیں؟ اس طرح کم از کم کچھ بے گناہوں کی جان تو بچ سکتی ہے۔ جہاں تک غیر ملکی مداخلت کا مسئلہ ہے تو اب کم از کم ہماری حکومت کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا کیونکہ وہ امریکنوں کو ناراض کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لیں گے یہ طے شدہ پالیسی ہے۔ 6 نومبر سے تادم تحریر ہونے والے حملوں سے یوں لگتا ہے جیسے خودکش دھماکے اور حملے شاید ہماری روزمرہ زندگی کا معمول بن چکے ہیں اور حکومت نے بھی اسے معمول کی کارروائی سمجھ کر اس طرف توجہ دینا کم کر دی ہے۔ اس کے پیش نظر شاید سب سے اہم کام ملک وقوم کے لئے قرضوں کی بھیک مانگنا رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر مملکت قرضوں کے حصول کے لئے دو ڈھائی سو افراد کا جم غفیر اکٹھا کر کے سعودی عرب تشریف لے گئے اس پر مزید ستم یہ کہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی فرماتے ہیں کہ صدر زرداری یہ پورا وفد اپنے ذاتی خرچے پر لے گئے ہیں۔ کیا پاکستان کے سولہ کروڑ عوام میں سے کوئی ایک فرد بھی اس دعوے پر یقین کرنے کے لئے تیار ہے؟ علاوہ ازیں موجودہ حکومت کے معمولات کو دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر طرف امن کا سائبان

تنا ہے اور چاروں اطراف میں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں جو ہم اتنے خوش وخرم ملکی وغیر ملکی دوروں پر دورے کر رہے ہیں۔ وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج تیار کی جارہی ہے۔ تھوڑے بہت بچے کھچے ملکی خزانے کی لوٹ سیل لگی ہے اور اوپر سے مزید فرمایا جارہا ہے کہ کابینہ میں توسیع میں ملکی خزانے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک طرف تو پوری قوم مہنگائی' لوڈشیڈنگ' بے روزگاری' افراتفری اور خودکش حملوں کی چکی میں پس رہی ہے جبکہ دوسری طرف حکومت کے اللے تللے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کوئی بحران اور مسئلہ سرے سے ہی نہیں۔ کیا صدر' وزیر اعظم سمیت بلٹ پروف گاڑیوں میں گھومنے والے تمام اعلیٰ حکام اندازہ کرسکتے ہیں کہ آئے دن خودکش دھماکوں اور حملوں میں جان توڑنے والے افراد کے اہل خانہ کے ساتھ کیا بیت رہی ہوگی؟

امریکہ کی جنگوں کو اپنی جنگ قرار دے کر پوری قوم کو رفتہ رفتہ اس کی بھینٹ چڑھائے جانے کی تیاری کی جارہی ہے۔ نہ معلوم اقتدار کی کرسی میں وہ کون سا نشہ ہے جو انسان کے تمام حواس کو شل کر دیتا ہے اور پھر وہ سیاہ وسفید میں تمیز کرنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔ امریکی جنگ کو اپنی جنگ قرار دے کر قبائلی علاقوں میں لشکر تیار کرانے والے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو چاہئے کہ وہ اقتدار میں آنے سے قبل اپنے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب ''چاہ یوسف سے صدا'' کا ایک بار پھر مطالعہ کرلیں اور قبائلی علاقوں کے بارے میں جو فرمودات انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کریں' کیونکہ اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہونے سے پہلے ان کا بھی یہی خیال تھا کہ مذکورہ جنگ ہماری نہیں بلکہ امریکہ کی جنگ ہے جس پر پاکستانی قوم کو جھونکا جارہا ہے۔ یہ کتنا کھلا تضاد ہے کہ موجودہ حکومت میں شامل اکثریت 18 فروری کے انتخابات سے قبل قبائلی علاقوں میں لڑی جانے والی جنگ کو امریکی جنگ قرار دیتی تھی جبکہ حکومتی عہدوں پر متمکن ہونے کے بعد انہی افراد نے یہ موقف اختیار کر لیا ہے کہ پہلے یہ جنگ امریکی جنگ تھی مگر اب یہ ہماری اپنی جنگ ہو چکی ہے اور اس کے لئے ہم نے خود لڑنا ہے۔ حکمران طبقہ شاید اس جنگ کی حساسیت سے آگاہ نہیں کہ آگے چل کر اس نے اگر خدانخواستہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کی اور مزید علاقوں میں پھیل گئی تو ہمارے لئے یہ ملک بچانا بھی مشکل ہو جائے گا۔ حکومت نے پہلے ایک غلطی کی تھی کہ قبائلی علاقوں میں فوج کو بھیج کر ہلکی پھلکی شدت پسندانہ کارروائیوں کو باقاعدہ ایک جنگ کی شکل دے دی تھی جبکہ اب دوسری غلطی یہ کی جارہی ہے کہ مقامی قبائل پر مشتمل لشکر تیار کر کے ان کو عسکریت پسندوں کے ساتھ لڑایا جارہا ہے جس سے نہ صرف خانہ جنگی کے خدشات بڑھتے جارہے ہیں بلکہ عسکریت پسندوں کو اپنے آسان اہداف میسر آگئے ہیں اور وہ کسی بھی علاقے میں ہونے والے ایسے جرگے پر بہ آسانی حملے کرسکتے ہیں جن میں کے خلاف کارروائی کی تیاریاں کی جارہی ہوں۔ حکومت کے اس اقدام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھے بغیر ایک ایسے حل کی طرف جارہی ہے جو مسئلے کو سلجھانے کی بجائے مزید گھمبیر کر دے گا۔

پشاور کی دیواروں پر ''آزاد پختونستان'' کے نعرے اب معمول کی بات بنتے جارہے ہیں۔ آج ہی وزیر اعلیٰ سرحد نے فرمایا ہے کہ وہ اس کی تفتیش کروائیں گے۔ جب اے این پی کی لیڈر شپ لاہور ڈرائی پورٹ سے صوبہ سرحد کے عوام کے لئے بھارتی امداد براہ راست وصول کرنے گئے تو کسی اور تفتیش کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ملک میں لسانی عصبیت کا تازہ حملہ ہوا ہے اور پرانے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جارہا ہے کیونکہ یہ لوگ جانتے ہیں جیسے ہی مرکزی حکومت نے نوٹس لیا فوراً صوبائی خودمختاری پر آنچ آجائے گی اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ

صرف پنجاب دشمنی میں ملکی سالمیت داؤ پر لگائی جا رہی ہے۔ پانی کی تقسیم کو کچھ سیاسی جماعتوں نے ''را'' کے لٹریچر سے متاثر ہو کر سیاسی رنگ دے دیا ہے۔ سندھ، سرحد اور بلوچستان کے عوام کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ کچھ لیڈروں نے اس کی مخالفت کو انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ بدقسمتی سے اس وطن میں ایسے بھی لیڈر رہیں جو بگلیہاڑ ڈیم کی تعمیر کو بھارت کا اندرونی مسئلہ قرار دے رہے ہیں اور کالا باغ ڈیم کی بے جا مخالفت کر رہے ہیں۔ 1985ء میں ایک لیڈر کا بیان تمام اخبارات میں چھپا تھا کہ اگر کالا باغ ڈیم بنا تو اس کو بارود سے اڑا دیا جائے گا۔ 9 سال تک جنرل (ر) مشرف نے اسے تعمیر کرنے کا جھوٹا بیان دیا اور بالآخر چک شہزاد کی تاریکیوں میں گم ہو گیا ہے۔ کالا باغ ڈیم تقریباً 15 کروڑ ایکڑ فٹ ذخیرہ کر سکے گا اور اس سے روزانہ 4200 میگا واٹ بجلی پیدا ہو گی سرحد کے جنوبی اضلاع سیراب ہو سکیں گے اور کرک و بنوں کے زیر زمین پانی کے ذخائر میں اضافہ ہو گا۔ بجلی کی فی یونٹ پیداواری لاگت ایک روپیہ سے بھی کم ہو گی۔ گیریٹر تھل کینال چالو ہو کر لاکھوں ایکڑ رقبہ کو سیراب کر سکے گا جبکہ لاکھوں افراد کو بھکر، لیہ مظفر گڑھ، خوشاب اور جھنگ کے اضلاع میں پینے کا میٹھا پانی میسر ہو گا۔ سائٹ پر کام مکمل ہے بھاری مشینری کے نیچے ریلوے ٹریک اور روڈ کی سہولت مہیا ہے سائٹ قدرتی جھیل کا منظر پیش کرتی ہے۔ اس کی تعمیر میں صرف 3 سال کا عرصہ لگے گا۔ آج ہمیں پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ زیر زمین پانی کی سطح مزید گہرائی میں چلی گئی ہے۔ بھارت اس مسئلہ پر ہمیں 1948ء سے ہی پریشان کر رہا ہے۔ 1969ء میں اس نے دریائے گنگا پر فرخا بیراج بنا کر مشرقی پاکستان کے دریائی پانی کو روک دیا۔ سندھ طاس کے معاہدے کے بعد مسلسل ہمیں پانی سے محروم کر دیا ہے بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسے لیڈروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جو ''را'' کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پانی کے مسئلہ پر ہمیں بھارت کے سامنے جھکنا پڑا ہے۔ سندھ طاس معاہدہ ہماری ہی بے بسی اور کمزوری کی علامت ہے۔ جس پر بگلیہاڑ ڈیم کی تعمیر نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ آج بھارت ہماری سرسبز و شاداب زمینوں کو بنجر بنانے پر تلا ہوا ہے۔ اور ہم اس مرحلے پر شدید احتجاج کی تیاری کر رہے ہیں۔

پاکستان کی غالب آبادی دانشوروں پر مشتمل نہیں عام لوگ ہیں جو نارمل انسانوں کی طرح سوچتے ہیں جب انہیں یہ دکھائی دے گا کہ قحط کی حالت سے دوچار ملک میں وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج بھرتی کی جا رہی ہے تو وہ ضرور چیخیں چلائیں گے کیونکہ ماضی کا تجربہ بتاتا ہے کہ وزیروں اور مشیروں کی یہ فوجیں عوامی مسائل سے نمٹنے کے لئے نہیں بلکہ آئندہ الیکشن میں اپنے ووٹرز پکے رکھنے کے لئے بھرتی کی جاتی ہیں لیکن عوامی اضطراب کے جواب میں جب سینیٹر بابر اعوان جیسے ''عوام دوست'' سوال کرنے کا تمسخر اڑاتے ہوئے یہ کہیں کہ ''ابھی اور وزراء کی گنجائش ہے'' تو اس کا کیا مطلب لیا جائے؟ جو وزراء رکھے گئے ہیں ان کی صرف ایک مثال 6 نومبر کو پرائیویٹ ٹی وی چینل کا مذاکرہ ہے جس میں وزیر تعلیم میر ہزار خان بجرانی پر ان کے ساتھ موجود مہمان معروف ہیومن رائٹس ایکٹی وسٹ محترمہ شرمن اللہ نے ثبوت کے ساتھ جو الزامات لگائے اور سپریم کورٹ کی کارروائی سے دستاویزی ثبوتوں تک جو کچھ پاکستان کے لاکھوں عوام کے سامنے پیش کیا اس کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ حکمرانو! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ضرور ہے لیکن سر پر پڑے تو پھر آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

آئی ایم ایف کا پھندہ اور لائن آف کامرس

1973ء کے آئین کی متفقہ منظوری کے بعد غالباً پاکستانی پارلیمانی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ حالیہ 14 نکاتی ایجنڈے کی منظوری ہے جس پر حکومت اور اپوزیشن کی تمام جماعتوں نے متفقہ صاد کیا ہے اور مل کر ملک میں جاری دہشت گردی عسکریت پسندی یا اسے کچھ اور نام دے لیں کا مقابلہ کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ اس قرارداد میں حسب روایت حکومت کی طرف سے اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان پر غیر ملکی مداخلت کسی بھی صورت برداشت نہیں کی جائے گی، لیکن حیرت انگیز طور پر قرارداد کی منظوری کے بمشکل دو یا تین گھنٹے بعد ہی امریکی ڈرائون نے حملہ کیا اور وزیرستان میں دس بے گناہ پاکستانی جاں بحق ہوئے جس کے بعد سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

صدر آصف علی زرداری کے بعد وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے بھی چین کا دورہ کیا جہاں ان کی ملاقات بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ سے ہوئی۔ اس ملاقات کا دورانیہ 20 منٹ تھا۔ جناب یوسف رضا گیلانی نے بھارتی وزیر اعظم سے درخواست کی کہ وہ کم از کم دریائے چناب کا پانی ہی کھول دیں جو بھارت نے غنڈہ گردی اور پاکستان کے اندرونی مسائل کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بند کر رکھا ہے۔ پاکستان جن مصائب اور مسائل میں گھرا ہے اگر اس کا فائدہ بھارت نہ اٹھائے تو موجودہ بھارتی قیادت کی بھارتی اپوزیشن خصوصاً بھاجپائی ذہنیت کے حامل بھارتی عوام پرخچے اڑا کر رکھ دیں گے۔ بھارتی وزیر اعظم نے کہ تاریخ نے جسے سنہری موقع دیا ہے پاکستانی وزیر اعظم کی درخواست پر فرمایا ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیں گے کہ پاکستان کے ساتھ معاہدہ طاس کی پابندی ہو رہی ہے یا نہیں؟

حیرت اور شرم کا مقام ہے کہ وہ بھارتی وزیر اعظم جو خود کو دنیا کا بزعم خویش سب سے بڑی جمہوریہ کا وزیر اعظم سمجھتا ہے۔ اس Humble Request پر کس شان بے نیازی سے تبصرہ کر رہا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بھارت نے ناجائز طور پر پاکستان کا پانی روکا ہوا ہے۔ البتہ حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے بھارتی وزیر اعظم نے یہ ضرور کہا ہے کہ پاکستان جس صورتحال سے دوچار ہے اس پر بھارت کو افسوس ہے اور ورلڈ بنک یا آئی ایم ایف سے پاکستان کو قرضہ دلانے میں اس کی مدد کریں گے۔ اس نوعیت کی باتیں اگر ہمارے ازلی دشمن کے منہ سے نکل رہی ہیں تو اس میں اس کا قصور نہیں ہم خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ یہ نتیجہ ہے جنرل (ر) مشرف کی ان بزدلانہ اور بے وقوفانہ پالیسیوں کا جو گذشتہ آٹھ سال تک جاری رہیں جن میں جنرل (ر) مشرف نے بھارت کو کشمیر کے حوالے سے ایسی ایسی فیاضانہ پیشکشیں کیں کہ خود بھارتی چکرا کر رہ گئے اگر بھارت میں کوئی مضبوط حکومت ہوتی تو ضرور ان میں سے ایک آدھ تجویز صادر کر کے اس تنٹے کو ختم کر دیتی۔ اسے کشمیریوں کی خوش قسمتی سمجھیں یا بھارت کی بے وقوفی کہ وہاں بھی گذشتہ دس بارہ سال سے مخلوط حکومتیں بن رہی ہیں اور کانگریس اکیلی کوئی اہم فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ورنہ یہ حلوہ وہ آسانی سے نگل جائے اور ہم حسب سابق منہ ہی دیکھتے رہ جاتے۔

گذشتہ حکومت کی پالیسیوں کا تسلسل جاری ہے خصوصاً کشمیر کے حوالے سے ہمارے ارباب اختیار کے بیانات نے بھارتی حکومت کا حوصلہ خاصا بلند اور بھارت کی وہ آٹھ لاکھ فوج جس کا بمشکل تین ہزار منتشر کشمیری مجاہدین نے ناطقہ بند کر رکھا تھا مورال بھی خاصا بلند ہو گیا ہے جس کا ثبوت آئے روز مقبوضہ کشمیر کے بے گناہ مسلمانوں کی ہلاکت کی شکل میں ہمیں ملتا رہتا ہے۔ خدا جانے ہماری معیشت کو کس نے نگل لیا کہ اب ہم آئی ایم ایف کی گداگری پر مجبور ہو گئے ہیں۔

مشیر خزانہ شوکت ترین کے مطابق آئی ایم ایف ہمیں پہلی مرتبہ محض ڈیڑھ ارب ڈالر قرضہ فراہم کرنے والا ہے جبکہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں پیش کی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق آئی ایم ایف پاکستان کے لئے ''بیل آوٹ پیکج'' کا اعلان سات نومبر کو کرے گا۔ رپورٹ کے مطابق آئی ایم ایف پاکستان کو چھ ارب ڈالر کا قرضہ فراہم کر سکتا ہے۔ آئی ایم ایف کے مقامی ذرائع کے مطابق پاکستان نے ابھی تک قرضہ کے لئے درخواست نہیں دی۔ خود حکومتی ذرائع بھی کہہ چکے ہیں کہ آئی ایم ایف کی طرف رجوع آخری آپشن ہوگا، ممکن ہے ان اطلاعات میں صداقت ہو تاہم بیجنگ کانفرنس کے اعلامیہ میں پاکستان کو آئی ایم ایف کی طرف سے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرنے کے مطالبے اور مشیر خزانہ کی طرف سے ڈیڑھ ارب ڈالر کے قرضے کی تائید سے ظاہر ہوتا ہے۔ پاکستان اور آئی ایم ایف کے درمیان قرضوں کی فراہمی کے سلسلے میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔

جہاں تک آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کا تعلق ہے تو اس بابت دو رائے نہیں ہو سکتی کہ موجودہ حالات میں آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کا مطلب پاکستان کو عالمی یہودی ساہوکاروں کے چنگل میں دینا ہے اور جس کا سیدھا اور واضح مطلب یہ ہے کہ آئندہ کئی برسوں تک ہم آزاد خارجہ پالیسی اور ملکی خودمختاری جیسے اہم قومی مفادات کے حصول سے محروم رہیں گے۔ معاشی امور کے کچھ ماہرین کی طرف سے کہا گیا ہے اور حکومتی نمائندے بھی اس پہلو کو اجاگر کر رہے ہیں کہ آئی ایم ایف سے قرضہ لینا ہماری مجبوری بن گئی ہے۔ بصورت دیگر حکومتی امور کو چند ہفتوں تک چلانا بھی دشوار ہو جائے گا۔ اس وقت بھی ملک پر غیر ملکی واجب الادا قرضہ 3735 ارب روپے ہو چکا ہے۔ روپے کی گرتی ہوئی قدر سے اس میں مزید اضافہ ممکن ہے جبکہ دوسری طرف آئی ایم ایف سے 6 ارب ڈالر قرضہ وصول کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے معاشی ماہرین کے پاس ملکی معیشت کی بہتری کے لئے سوائے قرضے کی پالیسی اختیار کرنے کے اور کوئی حل نہیں ہے؟ آج تک دنیا کا کوئی ملک اقتصادی بحرانوں پر قرضوں کی مدد سے قابو پا نہیں سکا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد جب جنگ سے تباہ حال اور یورپی ممالک کو تعمیر نو کا چیلنج درپیش تھا اور آئی ایم ایف نے یورپی ممالک کو قرضے دینے کی پالیسی اختیار کی تھی۔ اس وقت کے بعد سے آج تک آئی ایم ایف کے قرضوں سے کسی ملک کی معیشت کو استحکام حاصل نہیں ہوا۔ آئی ایم ایف کے قرضوں سے اپنی معیشت کو زیادہ دیر نہیں چلا سکتے۔ یہ توقع ہی عبث ہے کہ آئی ایم ایف ہمیں آسان شرائط پر قرضے فراہم کرے گا۔ آئی ایم ایف پاکستان کے فوجی اخراجات میں ایک تہائی کمی کا مطالبہ کر کے اپنے مذموم مقاصد کا اظہار کر چکا ہے۔ پاکستان اگر اپنے فوجی اخراجات پر بہت رقم خرچ کر رہا ہے تو اس کی وجہ کوئی ایک نہیں ہے۔ پاکستان نہ صرف بیرونی جارحیت کے خطرات سے دوچار ہے بلکہ داخلی حوالے سے بھی اسے اپنا استحکام برقرار رکھنے کے لئے سنگین چیلنج درپیش ہیں۔

ان حالات میں آئی ایم ایف کی طرف پاک فوج کے فنڈ میں کمی جیسا مطالبہ یقیناً سنجیدہ پہلو ہے۔ جس پر اس ضمن میں مزید غور کی ضرورت ہے کہ بھارتی وزیراعظم نے بھی آئی ایم ایف کی جانب سے پاکستان کو قرضہ فراہم کیے جانے کی حمایت کی ہے' لیکن بھارت نے دریائے چناب کے پانی کو روکنے اور بگلیہار ڈیم کی تعمیر جیسے موضوعات پر پاکستان کے موقف کو درخور اعتناء سمجھا۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ آئی ایم ایف سے قرضے حاصل کرنے کا معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ اس پر مزید غور وغوض کی ضرورت ہے۔ پارلیمنٹ کی طرف سے ملکی دفاع' آزادانہ خارجہ پالیسی اور قومی خود مختاری جیسے معاملات پر جو موقف اختیار کیا گیا' اسے فوج کی معیشت کی بہتری کے لئے ہمیں اپنے مسلم دوستوں کی مدد حاصل کرنی چاہئے۔ ہمیں گزرے دور کی وہ پالیسیاں جن کی بدولت آج قرضوں تلے دب چکا ہے اور ملکی صنعتیں ٹھپ ہو چکی ہیں' اب بدل دینی چاہئیں۔ ہمیں دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے خود انحصاری پر مبنی معاشرے کی تشکیل کرنی چاہئے۔ عالمی ساہوکاروں کے چنگل سے ہم اسی صورت میں بچ سکتے ہیں۔

آرمی چیف کا یہ کہنا ہے کہ حکومت' عوام اور فوج کو باہمی تعاون سے آگے بڑھنا ہوگا' لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اندرونی معاملات میں بیرونی ہاتھوں کو خارج کر دیں۔ ورنہ ملکی حالات مزید بگڑتے ہی جا رہے ہیں' اور ہم پالیسیاں بنا رہے ہیں ان سے ان کے سنوارانے کی کوئی امید بھی دکھائی نہیں دے رہی۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بھارت نے سندھ طاس معاہدہ کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے دریائے چناب کا پانی مکمل بند کر دیا ہے جس کے باعث اپر چناب میں پانی کی مقدار انتہائی کم ہوگئی ہے جبکہ راوی لنک دو ماہ سے بند پڑی ہے اور ہیڈ مرالہ پر پانی کا اخراج صرف 8642 کیوسک رہ گیا ہے اسی طرح دریائے مناور توی پر پانی کا اخراج صرف 5003 کیوسک رہ گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں پاکستان میں زیر کاشت 53 لاکھ ایکڑ رقبہ پر موجود دھان کی فصل تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہے۔ انڈس واٹر کمشنر جماعت علی شاہ نے گذشتہ روز بھارت سے وطن روانگی کے وقت اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر بھارتی صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ بگلیہار ڈیم کے ڈیزائن اور چناب کا پانی روکنے پر بھارت کے ساتھ بات چیت کے عمل میں روایتی بھارتی ہٹ دھرمی کا عنصر جاری رہا ہے' اس لئے وہ پاکستان بھارت باہمی مذاکرات سے ہرگز مطمئن نہیں ہیں اور چناب کا پانی روکنے پر بھارت سے ہرجانہ طلب کرنے کے لئے عالمی بنک سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ انتہائی افسوسناک صورتحال ہے کہ بھارت تو اپنے خبث باطن سے باز نہیں آرہا اور جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ پاکستان کی سالمیت پر وار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ سندھ طاس معاہدے کی مسلسل خلاف ورزی کرنا اور چناب کا پانی مکمل بند کر کے پاکستان کی زرخیز دھرتی کو بنجر بنانا اسی بھارتی ذہنیت کا شاخسانہ ہے مگر بھارت کے ان مکروہ عزائم کو دیکھ اور بھانپ کر بھی ہمارے حکمران چالباز ہندو بنیئے کے ساتھ دوستی کی پینگیں ڈالنے اور بھارت کے ساتھ تجارت کے لیے بچھے چلے جانے میں مصروف ہیں اور دانستہ طور پر اس سانپ کو دودھ پلا رہے ہیں جس نے ہمیں ڈنگ ہی مارنا ہے۔ ان حالات میں جب ہمارے حکمران لائن آف کنٹرول کو لائن آف کامرس بنانے کی باتیں کرتے ہیں تو عام پاکستانی لرز کر رہ جاتا ہے کہ کہیں ہم نے واقعی کشمیر سے باقاعدہ دستبرداری کا فیصلہ تو نہیں کر لیا۔

آئی ایس آئی اور ہمارے اربابِ اختیار

پنجابی زبان کی ایک کہاوت ہے ''گھر آٹا نہیں اماں پیئن (پیسنے) نوں چلی'' ملک مسائل کی آگ میں جل رہا ہے، اور ہمارے عوام دوست انقلابیوں کو اصلاحات کا شوق چرایا ہے جس کیلئے ان کا انتخاب بھی الا ماشاء اللہ کوئی اور نہیں آئی ایس آئی (انٹر سروسز انٹیلی جنس ایجنسی) ہے۔ سبحان اللہ! کیا نظرِ انتخاب پائی ہے آپ نے۔ شاید میثاق جمہوریت مرحوم یکے از لندن میں ایک شق یہ بھی تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو ''قابو'' کرنے کیلئے انہیں ''عوامی عدالت'' کے ماتحت کیا جائے' چونکہ باقی تمام شقوں پر عمل ہو چکا ہے، اور ملک میں چاروں طرف جمہوریت کی گنگا بہہ رہی ہے جس میں عوام وخواص جی بھر کے منہ بھی دھو رہے ہیں اور سیراب بھی ہو رہے ہیں۔ شاید اسی لئے اب ہمارے اربابِ اختیار کو ''آئی ایس آئی'' بھی یاد آ گئی جس کی اصلاح کرنے کا شوق چرایا ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ ہفتے عجیب وغریب مخبوط الحواسی دیکھنے کو ملی جب محض 24 گھنٹے کے اندر آئی ایس آئی کے متعلق دو مرتبہ فیصلہ تبدیل کیا گیا۔ پہلے پاکستان کی اس مایہ ناز سپریم انٹیلی جنس ایجنسی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کر دیا گیا جبکہ دوسرے نوٹیفکیشن کے تحت آئی ایس آئی وزیر اعظم کے ماتحت رہے گی۔ شُنید ہے کہ پہلا حکم مردِ حُر جناب آصف علی زرداری کی منشاء پر جاری ہوا۔ واقفان حال بتاتے ہیں کہ جیسے ہی پہلا حکم جاری ہوا' فوجی قیادت میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ ترجمان پاکستان آرمی کے مطابق اس ''انقلابی اقدام'' سے آرمی چیف کو بھی آگاہ کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ پہلی خبر کی اشاعت کے ساتھ جو فوری ردعمل عوام میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ جناب آصف علی زرداری سویلین معاملات کو اپنے اور ملکی سکیورٹی معاملات کو رحمٰن ملک کے ماتحت کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس پر کاربند ہیں۔

اس بحث سے ہٹ کر کہ حکومت کو آئی ایس آئی کا کردار دفاعی ہونا چاہئے یا سیاسی؟ یہ سوال محلِ نظر ہے کہ حکومت کو اچانک آئی ایس آئی کی یاد کہاں سے آ گئی؟ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ طالبان کی طرف سے امریکہ کو جو ٹف ٹائم مل رہا ہے، اور خصوصاً کابل میں بھارتی سفارتخانے پر ہونے والے خودکش حملے کے بعد معمول کے مطابق بھارت کی طرف سے جو آئی ایس آئی پر دشنام طرازی شروع ہوئی، اس کے ساتھ ہی نیٹو اور امریکی فورسز کے کمانڈروں اور امریکی عمال حکومت کی طرف سے برملا کہا جانے لگا کہ پاکستانی ایجنسیوں میں کچھ عناصر در پردہ طالبان کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے وزیر اعظم اپنے بھاری بھر کم وفد کے ساتھ امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں تو شاید امریکہ کو ''گڈول جیسچر'' دینے کیلئے یہ انقلابی فیصلہ لازم تھا، جو ابھی وزیر اعظم صاحب کا جہاز ہوا میں تھا جب کر لیا گیا اور پھر بادل نخواستہ پانچ گھنٹے بعد ہی جب وہ ابھی لندن میں استراحت فرما رہے تھے' تبدیل بھی کر دیا گیا جس سے کم از کم امریکہ کو یہ سمجھ ضرور آ گئی ہو گی کہ ابھی اس کے احکامات کی مکمل تعمیل شاید ممکن نہیں۔

ہمارے ہاں گو کہ بعض کالم نگار حضرات محض خود کو زیادہ ''باخبر'' ثابت کرنے کے چکر میں عجیب وغریب قسم کی درفطنی چھوڑنے کے عادی ہیں اور اپنے ''مسمرائز قارئین'' پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے بعض ایسی خبریں بھی سنا دیتے ہیں جن کا افشاء قومی رازوں کے افشاء کے مترادف

ہوتا ہے۔ اس طرح کی توقع کسی باشعور محب وطن صحافی سے کرنا تو عبث ہے۔ اس لئے میں آپ کو خبریں نہیں سنا سکتا صرف یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ پاکستان پر زمین' آسمان اور چاروں سمتوں سے "را" "موساد" "سی آئی اے" اور جیسی تیسی بھی ہے' افغان انٹیلی جنس ایجنسیاں ہی نہیں اور طاقتیں بھی الا ماشاء اللہ حصہ بقدر جثہ کے مطابق حملہ آور ہیں۔

27 جولائی کے لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے قریباً 200 باقاعدہ ایجنٹ تعینات ہیں جبکہ بُش انتظامیہ نے عراق کی طرح پاکستان میں اور طالبان کے خلاف قبائلی مزاحمت کے امکان کو مسترد کر دیا ہے۔ امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق سی آئی اے کے ان ایجنٹوں کو قبائلی علاقوں میں مختلف کمپاؤنڈز پر تعینات کیا گیا ہے جو وہاں موجود آئی ایس آئی کو فنڈز، آلات اور انٹیلی جنس معلومات فراہم کرتے ہیں۔ باہمی تعاون کا یہ سلسلہ 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردی کے حملوں کے بعد شروع کیا گیا۔ پاکستان میں سی آئی اے کے مشن کو یہ ٹاسک دیا گیا کہ وہ القاعدہ کے اندرونی سرکل کو نہیں بلکہ دوسرے یا تیسرے درجے کے رہنماؤں کا پتہ لگائے۔ سی آئی اے کے بعض حاضر سروس اور سابقہ عہدیداروں کے مطابق اس وقت پاکستان میں ادارے کے تقریباً 200 ایجنٹ تعینات ہیں اور عراق کے بعد سی آئی اے کا یہ دوسرا بڑا آپریشن ہے۔ اخبار کے مطابق سی آئی اے کے علاوہ بھی امریکہ کی دیگر خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار پاکستان میں تعینات ہیں جن میں نیشنل سکیورٹی ایجنسی اور دوسری جیو سپیشیل انٹیلی جنس ایجنسی شامل ہے۔ ان تمام ایجنسیوں نے اسلام آباد میں واقع امریکی سفارتخانے میں ایک جوائنٹ ٹارگٹنگ سیل قائم کر رکھا ہے۔ پاکستان میں تعینات تمام امریکی خفیہ ایجنٹوں کی جانب سے القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن سمیت دیگر مطلوب افراد کے بارے میں جمع کیا جانے والا انسانی اور الیکٹرانک ڈیٹا اس سیل کو بھجوایا جاتا ہے۔ آئی ایس آئی بعض اوقات اپنے قبائلی رابطوں کے نیٹ ورک سے حاصل ہونے والی معلومات کا سی آئی اے سے تبادلہ کرتی ہے تاہم سی آئی اے کے ایک سابق اہلکار نے الزام عائد کیا کہ آئی ایس آئی کئی معاملات میں ہمیں جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دریں اثناء لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق بعض امریکی اہلکاروں نے عراق میں مزاحمت کے خاتمے کیلئے اپنائی گئی حکمت عملی کو پاکستان میں بھی استعمال کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ بُش انتظامیہ کے ایک سینئر اہلکار کے مطابق امریکہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل نے رواں سال کا ایک بڑا عرصہ اس بات پر غور و خوض کرنے میں گزار دیا ہے کہ عراقی صوبہ الانبار میں سنی عرب شیوخ اور مقامی جنگجوؤں کو القاعدہ کے خلاف اپنے اپنے علاقوں کے دفاع کیلئے رقوم فراہم کرنے کی طرز پر کوئی حکمت عملی پاکستان کے قبائلی علاقوں میں بھی اپنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ پاکستان سے متعلق پالیسی کی تیاری میں شامل پینٹاگون کے ایک اہلکار نے بتایا کہ قبائلی علاقوں میں الانبار جیسی کوئی پالیسی نہیں اپنائی جاسکتی کیونکہ الانبار کے برعکس امریکی افواج پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود نہیں اس وجہ سے ہم وہاں اپنے حامی قبائلی رہنماؤں کی مدد نہیں کر سکیں گے جس کی وجہ سے وہ القاعدہ اور طالبان کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

افغانستان نہ تو امریکہ جتنا بڑا ملک ہے اور نہ ہی بھارت کے اس سے کوئی امریکہ بھارت نوعیت کے تعلقات ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ افغانستان میں 21 بھارتی قونصلیٹ کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کی نوعیت سے دنیا کا ہر باشعور اور حالات پر نظر رکھنے والا قاری آگاہ ہے۔ بلوچستان میں فراری کیمپوں کا قیام' تربیت' اسلحہ اور پیسے کی فراہمی کے درجنوں ثبوت حکومت کی طرف سے پیش کئے جاچکے ہیں۔ افسوس اور دکھ کی

بات تو یہ ہے کہ بلوچستان میں صرف ''را'' ''سی آئی اے'' ہی نہیں بعض ہمسایہ ممالک کی ایجنسیاں بھی حسب توفیق حصہ ڈال رہے ہیں۔ اس ساری صورتحال کا مقابلہ صرف آئی ایس آئی کرتی ہے، اور یہ بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ آئی ایس آئی نے ان کا ناطقہ بند کررکھا ہے، اور یہی وہ ناقابل برداشت تکلیف ہے، جو امریکہ اور بھارت کو مستقل لاحق ہے اور وہ اپنی ہر نالائقی کا ذمہ دار پاکستانی ایجنسیوں کو ٹھہراتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کرنے کے فیصلے کو عسکری ماہرین پاکستانی سالمیت کے خلاف سازش سمجھتے ہیں۔ ممتاز عسکری تجزیہ نگار جنرل (ر) حمید گل کا کہنا تھا کہ یہ فیصلہ امریکہ کو خوش کرنے کیلئے کیا گیا۔ آئی ایس آئی پاکستان کے دفاع کی ضمانت ہے۔ فیصلہ واپس نہ لیا جاتا تو یہ دفاعی نظام کے اوپر کاری ضرب تھا۔ امریکہ سمیت دیگر ممالک اس کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ سپر پاور کو شکست دینے میں آئی ایس آئی کا بڑا کردار رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے اتوار کے روز ایک نجی ٹیلیویژن چینل سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ حمید گل نے کہا کہ آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے کنٹرول میں لانے کا فیصلہ احمقانہ اور ہر اعتبار سے غلط تھا۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں ہمارے پاس ایسی مثالیں ہیں جس کے مطابق یہ 100 فیصد غیر دانشمندانہ اور غیر سنجیدہ فیصلہ تھا۔ حمید گل نے کہا کہ اچھا ہوا اس فیصلے کو واپس لے لیا گیا۔ اگر واپس نہ لیا جاتا تو یہ ہمارے دفاعی نظام کے اوپر ایک کاری ضرب ہوتی اور ہمارے دشمن اس پر بہت خوش ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم دورہ امریکہ کے دوران امریکی حکام کو خوش کرنے کیلئے ایسا کر رہے تھے کیونکہ اس وقت امریکہ سمیت دیگر ممالک آئی ایس آئی کو توڑنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آئی ایس آئی کا کردار مثالی ہے۔ یہ تو ہمہ وقت جنگ میں رہتی ہے۔

پاکستان کی فوج نے تو صرف 61 سالوں میں 65ء اور 71ء کی دو باقاعدہ جنگیں لڑی ہیں باقی وقت تو دشمن کے ساتھ مقابلہ آئی ایس آئی ہی کرتی ہے' یہ تو ہمارے ملک کی پہلی دفاعی لائن ہے۔ ایک سپر پاور کو شکست دینے میں آئی ایس آئی کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ آج تک کسی انٹیلی جنس ایجنسی نے یہ مقام حاصل نہیں کیا۔ اس وقت دنیا اس پر رشک کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے کنٹرول میں دیتے ہیں لیکن اس پر سیاسی کردار کو نہیں ہٹایا گیا جو سب سے بڑی خرابی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آئی ایس آئی میں سیاسی مداخلت کو ختم کیا جائے۔ حمید گل نے کہا کہ حکومت کے فیصلے اتنے احمقانہ ہیں کہ کبھی کہتے ہیں غلطی سے صدر مشرف کو نہیں بتایا گیا' انہوں نے کہا کہ اگر حکومت کی یہی حالت رہی تو اسے 16 کروڑ عوام کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو اب امریکہ کی اس طرح کی خوشنودی بند کرنا چاہیے۔ عوام نے مینڈیٹ دیا ہوا ہے' پارلیمنٹ موجود ہے' اب تو فیصلے پارلیمنٹ میں ہونے چاہئیں۔

آئی ایس آئی کے سیاسی ونگ پر مختلف قومی حلقوں میں ایک عرصے سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں کہ یہ اپنے بنیادی مقاصد پر توجہ دینے کی بجائے ہارس ٹریڈنگ اور سیاسی جوڑ توڑ جیسے غیر مقصدی معاملات میں الجھی ہوئی ہے، لہٰذا اس کے سیاسی ونگ کو ختم کر کے اسے مکمل طور پر دفاعی مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے لیکن ہر آنے والی حکومت نے ان حقائق سے نظریں چراتے ہوئے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل ونگ کو ختم کرنے کی بجائے اسے ہمیشہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کیلئے استعمال کیا جس سے نہ صرف اس کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی بلکہ اس عمل سے اس کی پیشہ ورانہ کارکردگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ موجودہ مخلوط حکومت سے امید کی جارہی تھی کہ وہ دیگر سیاسی' معاشی اور دفاعی معاملات کے ساتھ ساتھ اس

معاملے کو بھی بخوبی نبٹائے گی مگر اس کے برعکس موجودہ حکومت نے جہاں دیگر قومی مسائل کا ابھی تک کوئی حل نہیں ڈھونڈا ہے وہاں اس نے مذکورہ فیصلہ کر کے متنازعہ مسائل میں ایک اور مسئلے کا اضافہ کر دیا ہے۔ موجودہ مخلوط حکومت میں شامل بڑی پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری نے اس ضمن میں کہا ہے کہ ''ہمیں امید ہے کہ اس تاریخی فیصلے کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ آئندہ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ ایجنسی حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ اب وزارت داخلہ آئی ایس آئی پر عائد کردہ الزامات کیلئے جوابدہ ہوگی''۔

اس فیصلے کے سلسلے میں وزارت داخلہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ یہ فیصلہ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی رضامندی سے کیا گیا ہے تاہم آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل میجر اطہر عباس نے اس دعوے کی تصدیق نہیں کی اور کہا ہے کہ انہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ مجموعی طور پر اس فیصلے نے پاکستان کے سیاسی و سفارتی حلقوں میں متعدد قسم کے سوالات کھڑے کر دیئے ہیں۔ کئی سفارتکاروں کی جانب سے پوچھا جانے والا سب سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ وزیراعظم نے اپنے اختیارات اپنے مشیر داخلہ کو کیوں سونپ دیئے ہیں؟ بعض دفاعی ماہرین کی رائے ہے کہ آئی ایس آئی بنیادی طور پر داخلی معاملات کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ یہ بیرونی سلامتی کی دیکھ بھال کیلئے قائم کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اندرونی و سیاسی معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان کے تمام سنجیدہ اور دانشور حلقوں میں اس فیصلے کے بارے میں سخت تشویش پائی جاتی ہے کیونکہ اس سے پاکستان کے پہلے سے دگرگوں سیاسی معاملات کے مزید بگڑنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ایک بار پھر نظر ثانی کرلے اور اس معاملے کو قومی اسمبلی میں پیش کر کے اس پر اتفاق رائے حاصل کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔

ان حالات میں حکومت کی طرف سے اچانک آئی ایس آئی پر توجہ فرمانے کا نوٹس پاکستان میں ہر سطح پر لیا گیا ہے۔ پاکستانی عوام کو گو کہ ہمارے حکمرانوں نے کبھی بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملکی دفاع خصوصاً بھارت یا امریکی جارحیت کو پاکستانی عوام کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اپنے مسائل میں پھنسے اور تجربات کی بھینٹ چڑھے پاکستانی عوام یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ انہیں باندھ کر دشمن کے آگے پھینک دیا جائے۔ یہ سوال عوامی اذہان کو ڈستا رہے گا کہ جس حکومت نے اپنا پہلا باقاعدہ اعلان اور ایجنڈا 30 دنوں کے اندر ججوں کی بحالی قرار دیا تھا۔ اس نے اچانک اس اہم مسئلے پر آئیں بائیں شائیں شروع کر دی ہے۔ اپنا انتخابی اتحاد خطرے میں ڈال دیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے اس اہم سیاسی مسئلے کو حل کیا جاتا لیکن اچانک اور بغیر عوام' پارلیمنٹ یا متعلقہ اداروں کو اعتماد میں لئے آئی ایس آئی پر ہی کیوں نظر کرم فرمائی جا رہی ہے؟ کہیں یہ بھی کسی خفیہ ڈیل کا شاخسانہ تو نہیں؟ عوام کو ان سوالوں کے جواب چاہئیں۔ صرف محترمہ شیری رحمٰن کا یہ فرما دینا کہ 'یہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا' کافی نہیں۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا اغواء

5 اگست کی شام میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ کراچی کے ایک نمبر سے فون آ رہا تھا۔ میں نے اسے معمول کی کال سمجھ کر "ہیلو" کہا لیکن دوسری طرف "امریکی انصاف اور انسانی حقوق" کی شکار ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی والدہ محترمہ عصمت صدیقی بات کر رہی تھیں۔ عصمت صدیقی مبلغہ ہیں۔ ان کی بیٹی کی فردِ جرم میں یہ بھی ایک شق ضرور شامل ہوگی۔ ایک ماں اپنی قابلِ صد احترام اور دین و دنیاوی تعلیم سے آراستہ بیٹی سے متعلق کیا بات کر سکتی ہے، اس کا اندازہ کوئی "صاحب اولاد" ہی کر سکتا ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس درد کو زبان دے سکوں جو ان کی گفتگو میں موجود تھا۔ انہوں نے جگر پاش حقائق بیان کیے جنہیں صفحۂ قرطاس پر لانے کا بھی یارا نہیں۔ اگلے روز ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے مجھے روزنامہ "لاس اینجلس ٹائمز" کی ایک خبر دکھائی جس کے مطابق ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس معزز اخبار نے ان کی تصویر بھی شائع کی ہے جبکہ وہ پاکستان میں اسی روز پریس کانفرنس کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی اس پر حیران و پریشان تھیں چونکہ انہوں نے امریکی انصاف و انسانیت کے ایسے بھیانک روپ دیکھ لیے ہیں جن کے بعد ان کیلئے کوئی بات نئی بات نہیں، اس لیے سکتہ کی کیفیت میں تھیں۔ وہ امریکی قوانین جانتی ہیں اور یہ بھی علم رکھتی ہیں کہ لاس اینجلس ٹائمز کی اس شرانگیز خبر پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر سکتی ہیں لیکن مجبور ہیں کہ زادِ راہ میں جو کچھ تھا وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے کیس کی نذر ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پانچ سال پہلے کراچی سے اغوا ہوئی تھیں جن کی موجودگی کا انکشاف ایک برطانوی صحافی خاتون نے 5 سال بعد افغانستان کی ایک جیل میں کیا۔ حقوق انسانی کی ایک تنظیم نے لاپتہ پاکستانی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی افغانستان کے ایک امریکی فوجی مرکز میں ممکنہ موجودگی کی تحقیقات کرنے کے لیے اقوام متحدہ سے اپیل کی۔ ایشیائی ہیومن رائٹس کمیشن نے خدشہ ظاہر کیا کہ پانچ سال قبل اپنے بچوں سمیت کراچی سے لاپتہ ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی، جنہوں نے امریکہ میں تربیت حاصل کی تھی، بگرام میں واقع امریکی جیل میں قید ہیں اور وہاں واحد خاتون قیدی ہونے کی وجہ سے اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

ڈاکٹر عافیہ امریکی تحقیقاتی اداروں کو مطلوب تھیں، اور ان پر القاعدہ کا رکن ہونے اور امریکہ پر دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی کا الزام ہے۔ گمشدگی کے فوراً بعد امریکی اور پاکستانی خفیہ اداروں نے ان کی گرفتاری کی تصدیق کی تھی تاہم بعد میں ڈاکٹر عافیہ کے بارے میں سرکاری سطح پر لاعلمی کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی اطلاعات کی بنیاد پر حقوق انسانی کی تنظیم نے قید خانے میں ڈاکٹر عافیہ کے شب و روز کی ہولناک تصویر کشی کی۔ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ، اور لاپتہ افراد اور خواتین کے خلاف تشدد کے حوالے سے قائم دیگر بین الاقوامی اداروں کو بھیجی جانے والی یادداشت میں دعویٰ کیا گیا کہ اس بات کے کافی شواہد ملے ہیں کہ بگرام جیل کی قیدی نمبر 650 ڈاکٹر عافیہ ہی ہیں۔ جیل انتظامیہ بگرام جیل میں کسی خاتون قیدی کی موجودگی کی تردید کر چکی تھی تاہم اپنی رپورٹ میں اپنے ذرائع کے حوالے سے الزام لگایا گیا کہ بگرام ایئر

بیس میں ڈاکٹر عافیہ پر اس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ وہ ذہنی توازن کھو چکی ہیں۔

رپورٹ میں برطانوی رکن پارلیمنٹ لارڈ نذیر احمد کے حوالے سے کہا گیا کہ اس خاتون کو جیل کے عملے کی جانب سے مسلسل جنسی زیادتی کا شکار بنایا جاتا ہے، اور قیدی نمبر 650 کے نام سے مشہور اس خاتون کو نہانے اور دیگر ضروریات کے لیے مردانہ غسل خانہ استعمال کرنا پڑتا ہے جس میں پردے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ رپورٹ میں ایک برطانوی صحافی وون ریڈلے کا حوالہ بھی دیا گیا جس نے اس خاتون کو ''جیل میں قید ایک بھوت'' سے تشبیہ دی جس کی کوئی شناخت نہیں لیکن اس کی چیخیں ان لوگوں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں جو انہیں ایک بار سننے کا تجربہ کر چکے ہوں۔ ایشیائی ہیومن رائٹس کمیشن نے اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کی دیگر تنظیموں سے مطالبہ کیا کہ وہ بگرام جیل کی قیدی نمبر چھ سو پچاس کی شناخت اور حالات کو منظر عام پر لانے کے لیے مداخلت کریں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بگرام بیس پر موجودگی اور ان کے ساتھ انسان نما درندوں کے بھیانک سلوک کا نوٹس ایمنسٹی انٹرنیشنل نے لیا۔ پاکستان میں چونکہ سینکڑوں افراد لاپتہ ہیں اس لئے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پاکستان کی نئی حکومت سے کہا کہ ان سینکڑوں افراد کے بارے معلومات فراہم کی جائیں جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سلسلے میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ ایمنسٹی نے کہا کہ یا تو ان کو رہا کیا جائے ورنہ ان کو باضابطہ سرکاری قید خانوں میں منتقل کیا جائے۔ ایمنسٹی نے پچاس صفحے کی اپنی رپورٹ میں کئی ایسے افراد کی تفصیلات بتائی جن کو زبردستی لے جایا گیا اور اس کے بعد سے ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ ایمنسٹی نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں معزول ججوں کو بحال کیا جائے۔ اس ادارے کی ایشیا پیسیفک شاخ کے ڈائریکٹر وسیم ظریفی نے کہا کہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا اصرار ہے کہ ان کی مخلوط حکومت حقوق انسانی کا پاس کرے گی۔ اس لیے ہمارا اصرار ہے کہ ان زبردستی کی گمشدگیوں کا معاملہ جلد از جلد حل کریں۔ ایمنسٹی کی رپورٹ کے مطابق لاپتہ افراد کی تنظیم ڈیفنس آف ہیومن رائٹس اس وقت پانچ سو تریسٹھ غائب افراد کے لواحقین کی نمائندگی کر رہی ہے۔ گزشتہ برس یکم نومبر کے بعد سے لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے سپریم کورٹ میں کوئی سماعت نہیں ہوئی اور یوں یہ مسئلہ بھی ججوں کی بحالی کے معاملے کے ساتھ خود بخود ختم ہو گیا۔

ڈیفنس آف ہیومن رائٹس کے مطابق تین نومبر کو ججوں کی برطرفی کے بعد سے اب تک لاپتہ افراد کے ساٹھ نئے کیس سامنے آئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تعداد صوبہ بلوچستان سے ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق بلوچستان میں چھ سو کے لگ بھگ لوگ لاپتہ ہیں۔ بلوچ تنظیمیں لاپتہ افراد کی تعداد ہزاروں میں بتاتی ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے موجودہ وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی ان افراد کی تعداد نو سو سے زائد کہتے ہیں۔ ایمنسٹی کے مطابق اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دسمبر 2006ء میں شہریوں کو جبری طور پر غائب کرنے کے خلاف جو کنونشن منظور کیا اس پر بہتر ممالک دستخط کر چکے ہیں اور چار ممالک نے توثیق کر دی ہے۔ پاکستان نے تا حال اس کنونشن کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود صدر پرویز مشرف متعدد مرتبہ ایمنسٹی کی رپورٹوں کو پوری طرح مسترد کر چکے ہیں۔ گزشتہ برس مارچ میں پاکستانی صدر نے اس بات کو بے بنیاد قرار دے کر مسترد کر دیا کہ سینکڑوں لاپتہ افراد انٹیلی جینس ایجنسیوں کی تحویل میں ہیں۔ بقول صدر مشرف انہیں یقین ہے کہ یہ افراد شدت پسند تنظیموں کے کنٹرول میں ہیں۔ جہاں تک لاپتہ افراد کے معاملے میں نئی حکومت کی دلچسپی کا سوال ہے تو ایمنسٹی کی رپورٹ میں کہا گیا کہ مشیرِ داخلہ رحمان ملک نے حکومت کی تشکیل کے فوراً بعد کہا کہ لاپتہ افراد کے بارے میں تفصیلات جمع کی جا رہی ہیں۔ وزیرِ قانون فاروق نائیک نے بھی اسی طرح کی یقین

دہانی کراتے ہوئے وعدہ کیا کہ لاپتہ افراد جلد رہا ہو جائیں گے۔ جبکہ بلوچستان کے نومنتخب وزیرِ اعلیٰ اسلم رئیسانی نے بھی یقین دلایا کہ لاپتہ افراد کی بازیابی ان کی حکومت کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس سال مئی میں نئی حکومت نے بلوچستان میں حالات کو معمول پر لانے کے لئے لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے ایک کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ تاہم آج تک اس کمیشن کے ارکان، اختیارات اور تحقیقاتی دائرہ کار کا اعلان نہیں کیا گیا۔ اسی دوران وزارتِ داخلہ نے لاپتہ افراد کے لواحقین اور ارکانِ پارلیمان پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی۔ تاحال اس کمیٹی کے بھی صرف دو اجلاس ہوئے ہیں اور یہ بھی واضح نہیں کہ اس کمیٹی کا دائرہ کار کیا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ چشم دید گواہوں اور بازیاب افراد کے بیانات کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لاپتہ افراد میں بچے بھی شامل ہیں، اور ایجنسیاں ان بچوں کو اپنے عزیزوں کے خلاف گواہی دینے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ رپورٹ میں ایک دس سالہ بچے عبداللہ کا تذکرہ ہے جسے سولہ مئی دو ہزار چھ کو اس کے والد مفتی منیر شاکر کے ہمراہ کراچی ایئرپورٹ سے گرفتار کیا گیا۔ عبداللہ نے رہائی کے بعد بتایا کہ اس کے ساتھ دورانِ حراست بدسلوکی کی گئی تا کہ وہ یہ اعتراف کرے کہ اس کے باپ کا تعلق القاعدہ سے ہے۔ انکار کے بعد اسے پندرہ دن تک ایک علیحدہ سیل میں رکھا گیا۔ عبداللہ کو رہائی کی پیشکش کی گئی لیکن اس نے باپ کے بغیر رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ بالآخر عبداللہ کو اٹھاون روز کی قید کے بعد پشاور میں یہ کہہ کر ایک جگہ چھوڑ دیا گیا کہ اس کے باپ کو بھی پندرہ دن میں رہا کر دیا جائے گا۔ عبداللہ کے والد مفتی شاکر کو کئی ماہ بعد اگست 2007ء میں رہا کیا گیا۔ اسی طرح ایک نو سالہ لڑکے اسد عثمان کو گزشتہ سال اپریل میں سپریم کورٹ کی مداخلت پر رہا کیا گیا۔ اسے فرنٹیئر کانسٹیبلری نے پکڑ کر تربت میں ایک جگہ رکھا تھا، اور اس وقت کی وفاقی وزیر زبیدہ جلال کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ اسد کو اس وقت رہا کر دیا جائے گا جب اس کا مطلوب بڑا بھائی خود کو پیش کر دے گا۔ ایمنسٹی کی رپورٹ میں دسمبر 2006ء میں سپریم کورٹ کے روبرو بازیاب ہونے والے دس لاپتہ افراد کے بیاناتِ حلفی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جنس اور فیلڈ انویسٹی گیشن یونٹ نے پشاور، لاہور نوشہرہ، اٹک فورٹ کے علاوہ اسلام آباد کے سیکٹر آئی نائن کے سیل نمبر بیس اور قاسم مارکیٹ کے قریب ایف آئی اے کے مرکز، راولپنڈی کے علاقے فیض آباد، چکلالہ سکیم تھری، ایئرپورٹ کے نزدیک پانچ سو ایک نامی ورکشاپ، آئی ایس آئی کے حمزہ کیمپ، گیریژن، اور پنڈی کینٹ سمیت ملک کے مختلف حصوں میں رکھا گیا۔

رپورٹ کے مطابق ایجنسیاں ان افراد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں اور حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان ایجنسیوں کے کتنے خفیہ یا اعلانیہ نظر بندی اور پوچھ گچھ مراکز پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق انٹیلی جنس ایجنسیاں اکثر و بیشتر لاپتہ افراد کے لواحقین پر عدالت سے رجوع نہ کرنے اور اخباری بیانات سے پرہیز کرنے کے لئے دباؤ ڈالتی ہیں۔ کبھی انہیں یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ چپ رہنے کی صورت میں ان کے عزیز جلد سامنے آ جائیں گے اور کبھی سنگین نتائج اور لاپتہ فرد کے دیگر عزیزوں کو اٹھانے کی دھمکیاں ملتی ہیں۔

ایمنسٹی کا کہنا تھا کہ لاپتہ افراد کی بازیابی میں ایک بنیادی مشکل یہ ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جوابدہی اور ان پر کنٹرول کا نظام غیر واضح اور مبہم رکھا گیا ہے۔ سندھ ہائی کورٹ میں جولائی دو ہزار چھ میں حبسِ بے جا کی ایک درخواست کی سماعت کے دوران سیکرٹری دفاع نے عدالت کو بتایا کہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس پر وزارتِ دفاع کا انتظامی کنٹرول تو ہے لیکن آپریشنل کنٹرول نہیں ہے۔ لہٰذا ان ایجنسیوں سے

عدالتی احکامات کی تعمیل نہیں کروائی جا سکتی۔

ایمنسٹی کی رپورٹ میں عدالتی طریقِ کار پر بھی تنقید کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہائی کورٹس ریاستی وکلاء کی جانب سے کسی شخص کی نظر بندی سے لاعلمی یا انکار کی صورت میں مزید جرح کے بغیر اکثر حبسِ بے جا کی درخواستیں خارج کر دیتی ہیں۔ اسی طرح سپریم کورٹ لاپتہ افراد کی بازیابی کے بعد یہ جاننے کے لئے بہت کم دلچسپی کا مظاہرہ کرتی ہے کہ مذکورہ شخص کس ادارے کی تحویل میں تھا اور اس ادارے کی جوابدہی کیسے ہو۔ اس کے علاوہ گمشدگی کے مقدمات کی سماعت طویل عرصے کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے، اور یوں گمشدہ فرد اور اس کے عزیزوں کی تکالیف کا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔

ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں مطالبہ کیا ہے کہ لاپتہ افراد کو یا تو فوری طور پر منظر عام پر لایا جائے یا ان پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کی جائے لیکن اس نوعیت کی رپورٹیں اس ملک کیلئے کیا اہمیت رکھتی ہیں جس کے صدر نے اپنی آپ بیتی میں بڑے فخر سے یہ بات کہی ہو کہ انہوں نے کئی پاکستانی شہری پکڑ کر امریکہ کے حوالے کئے اور ان کے بدلے امریکن حکومت سے ڈالروں کی صورت میں انعام بھی وصول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ساؤتھ ایشین ہیومن رائٹس کمیشن نے جنرل مشرف، سابق وزیر اعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم، گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد اور اس دور کے وزیر داخلہ فیصل صالح حیات پر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے اغوا کے الزام میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد 28 جولائی کو حبس بے جا کی درخواست دائر کی گئی اور اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سردار محمد اسلم نے پانچ سال قبل کراچی سے لاپتہ ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو، جو امریکہ سے لوٹ کر پاکستان آئی تھیں، حبس بے جا میں رکھنے کی درخواست سماعت کے لیے منظور کر لی لیکن عدالت نے جوہری سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو عدالتی حکم کے باوجود رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سہولیات فراہم نہ کرنے پر سیکرٹری داخلہ سمیت دیگر سرکاری افسران کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کی درخواست مسترد کر دی۔ یہ دونوں درخواستیں بیرسٹر اقبال جعفری نے دائر کی تھیں۔ ڈاکٹر عافیہ کے معاملے میں بیرسٹر جعفری نے سیکرٹری داخلہ کمال شاہ کے توسط سے پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں کو اور امریکی سفارتخانے کے قانونی مشیر کے ذریعے امریکی انٹیلی جنس اداروں کو فریق بنایا۔

درخواست میں انسانی حقوق کی تنظیم ایشین ہیومن رائٹس کونسل کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیا گیا جس کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو پاکستانی اور امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گرفتار کرنے کا اعتراف کیا تھا لیکن بعد میں اس سے لاتعلقی ظاہر کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر عافیہ اپنے تین نوعمر بچوں کے ہمراہ کراچی سے پانچ برس قبل لاپتہ ہو گئی تھیں۔ ان پر القاعدہ کی مدد کرنے کا الزام ہے اور پوچھ گچھ کے لیے وہ امریکی تفتیشی ایجنسی ایف بی آئی کو مطلوب ہیں۔ انسانی حقوق کی ایشیائی تنظیم نے خیال ظاہر کیا کہ ڈاکٹر عافیہ کو افغانستان میں بگرام کے مقام پر قائم امریکی جیل میں قید رکھا گیا ہے جہاں وہ قیدی نمبر 650 کے نام سے مشہور ہیں۔ عدالت نے اپنے مختصر فیصلے میں کہا کہ پٹیشنر افتخار حسین کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور وہ اس مقدمے کے بارے میں کسی اعتراض کے مجاز نہیں ہیں۔ عدالت نے کہا کہ درخواست میں صدر مملکت کو بھی فریق بنانے کی درخواست کی گئی ہے جبکہ آئین کی دفعہ 246 کے تحت ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ نے لاپتہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو حبس بے جا میں رکھنے کے الزامات پر

وزارت داخلہ سے جواب طلب کرلیا اور 29 جولائی کو وزارت داخلہ کو نوٹس جاری کر دیا۔ وزارت کے سیکرٹری سید کمال شاہ کو بھیجے گئے ایک نوٹس میں چیف جسٹس سردار محمد اسلم پر مشتمل عدالت نے ان سے کہا کہ وہ بیرسٹر اقبال جعفری کی جانب سے لگائے گئے الزامات کا جواب دیں جن میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پاکستانی اور امریکی خفیہ اداروں کی تحویل میں ہیں۔ عدالت نے بیرسٹر اقبال جعفری کی جانب سے دائر کی گئی درخواست پر ابتدائی سماعت کے بعد عدالت کی کارروائی نو ستمبر تک ملتوی کر دی اور اس دوران سیکرٹری داخلہ سے کہا گیا وہ پٹیشنر کی جانب سے اٹھائے گئے نکات کے جواب دو ستمبر تک عدالت میں جمع کروائیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو حبس بے جا میں رکھنے کی درخواست میں بیرسٹر اقبال جعفری نے سیکرٹری داخلہ کمال شاہ کے توسط سے پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں کو امریکی سفارتخانے کے قانونی مشیر کے ذریعے امریکی انٹیلی جنس اداروں کو فریق بنایا تھا۔ درخواست میں ایشین ہیومن رائٹس کونسل کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیا گیا، جس کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو پاکستانی اور امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گرفتار کرنے کا اعتراف کیا تھا لیکن بعد میں اس سے لاتعلقی ظاہر کر دی گئی تھی۔

ان رپورٹوں کی اشاعت اور بیرسٹر اقبال جعفری کی طرف سے عدالت عالیہ کے دروازے پر دستک دینے سے بہر حال ایک فائدہ ضرور ہوا کہ سول سوسائٹی بیدار ہوگئی اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ ملک کے مختلف شہروں میں احتجاجی جلوس نکلے۔ کراچی میں جماعت اسلامی کی خواتین کی طرف سے بڑا مظاہرہ کیا گیا۔ 5 اگست کو پاکستان کی اس مظلوم و مقہور بیٹی کی بہن ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے رندھے ہوئے گلے اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن نے کہا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری کے وقت ان کے ساتھ ایک بچہ بھی موجود تھا اور وہ بچہ عافیہ کا بیٹا ہوسکتا ہے جسے رہا کیا جائے۔ انہوں نے امریکی حکام کی جانب سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے خلاف جاری کردہ چارج شیٹ کی نقلیں صحافیوں میں بانٹیں۔ اس چارج شیٹ میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری کے وقت ان کے ساتھ ایک بچہ بھی موجود تھا۔ چارج شیٹ میں کہا گیا کہ ڈاکٹر عافیہ کو غزنی میں گورنر کی رہائش گاہ کے احاطے سے افغان پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک نوعمر لڑکا بھی تھا تاہم اس میں یہ نہیں واضح کیا گیا کہ وہ لڑکا بھی امریکی تحویل میں ہے یا نہیں۔

اسلام آباد میں پاکستانی دفتر خارجہ نے کہا کہ وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بارے میں امریکی حکام سے رابطے میں ہے، اور سفارتخانے کے ذریعے ان تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دفتر خارجہ کا مختصر بیان امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ کی موجودگی کی خبر سامنے آنے کے بعد اور ان کے اہل خانہ کی جانب سے کراچی میں کی جانے والی پریس کانفرنس کے بعد جاری کیا گیا۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے پاکستانی شہریوں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ ان کی بہن بے قصور ہیں اور انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ ان کے ساتھ جو ظلم ہوا ہے اسے انسانیت سوز قرار دے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ پاکستان اور امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی گمشدگی کے بارے میں عدالتوں، سینٹ، صدر اور وزیر اعظم سے درخواست کی گئیں جو کارگر ثابت نہیں ہوسکیں۔ ڈاکٹر فوزیہ نے بتایا پاکستان میں میڈیا کا دباؤ بڑھنے کے بعد ان کے خاندان کو یہ اطلاع ملی کہ عافیہ کو افغانستان میں گرفتار کیا گیا ہے۔ یکم اگست کو ایف بی آئی کے ایجنٹ نے تصدیق کی کہ ڈاکٹر عافیہ زخمی ہیں اور امریکی حراست میں ہیں۔ پانچ سال کی گمشدگی کے بعد اس کی گرفتاری ناقابل یقین ہے۔

امریکہ میں ملازمت کرنے والی ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کا کہنا تھا کہ اب میں نے خاموشی توڑ دی ہے تاکہ آپ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کر سکوں۔ یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ ہر وہ شخص بے قصور ہے جس پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوجاتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ عافیہ کسی جرم میں شریک نہیں رہی ہیں۔ ایف بی آئی کی ویب سائٹ پر پانچ سال تک یہ درج رہا ہے کہ عافیہ سے کچھ سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ ان پر کسی تخریب کاری میں ملوث ہونے کا الزام نہیں تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گمشدگی کے بعد 2003ء میں ان کی والدہ عصمت صدیقی نے ہیوسٹن اور بوسٹن میں ایف بی آئی اے حکام سے ملاقات کی۔ انہوں نے میری والدہ کو یقین دہانی کرائی تھی کہ عافیہ زندہ ہیں۔ اسی طرح اسسٹنٹ اٹارنی نے ملاقات میں کہا تھا کہ عافیہ پر دہشت گردی کا الزام نہیں عائد کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کا کہنا تھا کہ عافیہ صدیقی نیورو بائلاجسٹ نہیں ہیں۔ ان کی مہارت اس میں تھی کہ کمزور ذہنی بچوں کی قوت یادداشت کیسے بڑھائی جائے۔ اس کا کیمسٹری، اور کیمیائی ہتھیاروں سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ انہوں نے ایف بی آئی کے الزامات کو بھی رد کیا اور کہا کہ ڈاکٹر عافیہ نے لائبیریا میں ہیروں جواہرات کی کوئی ڈیل نہیں کی۔ جولائی 2001ء میں وہ بوسٹن میں بچوں کے ایک پروگرام اور شہر کو صاف کرنے کی مہم میں مصروف تھیں ان دنوں میں ان کی موجودگی لائبیریا میں ظاہر کی جا رہی ہے۔ انہوں نے میڈیا سے درخواست کی کہ ان کا موقف بھی سامنے لایا جائے۔ انہوں نے مزید کہا 'اگر امریکہ کہتا ہے کہ عافیہ تخریب کار ہیں اور اس کے تخریب کاروں سے تعلقات ہیں تو اسے ایڈٹ کر دیا جائے جب تک کہ وہ خود اس کے شواہد نہیں دیکھ لیتے۔ وہ عافیہ کے بارے میں پانچ سال میں کچھ ثابت نہیں کر سکے اور یہ اس کی بے گناہی کا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کا کہنا تھا کہ عافیہ کو اپنے ملک واپس لایا جائے جہاں سے اسے گرفتار کیا گیا۔ وہ پاکستانی شہری ہیں اور یہ پاکستانیوں اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے پر اٹھ کھڑے ہوں۔ اس موقع پر موجود انسانی حقوق کمیشن کے رہنما اقبال حیدر نے کہا کہ پانچ سال کے بعد ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے۔ امریکہ خود دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے انسانی حقوق کمیشن کی جانب سے مہم چلائی جائے گی۔

ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری' ان کا مسلسل پانچ سال تک غائب رہنا اور اچانک ایف بی آئی کی طرف سے یہ اقرار کہ وہ ان کے پاس موجود ہیں' طلسم ہوشربا کی کہانی معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کی گرفتاری کا غلغلہ پانچ سال سے برپا ہے۔ دنیا کا بچہ بچہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انہیں پاکستان سے اغوا کیا گیا تھا، لیکن ایف بی آئی نے حیرت انگیز طور پر ان کی گرفتاری افغانستان کے صوبہ غزنی سے ظاہر کی جس کا علم ان کو عدالت میں پیش کرنے پر ہوا۔ 6 اگست کو پانچ برس سے لاپتہ پاکستانی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ایک امریکی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جہاں انہوں نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات سے انکار کیا۔ ڈاکٹر عافیہ کو منگل کو نیویارک کی عدالت میں پیش کیا گیا اور ان کے خلاف لگائے الزامات انہیں سنائے گئے۔ عدالت میں ڈاکٹر عافیہ بہت نحیف نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات سے انکار کیا۔ ڈاکٹر عافیہ کی وکیل ایلان واٹکفیلڈ شارپ نے کہا کہ انکی موکل گولی لگنے کی وجہ سے شدید تکلیف میں ہیں۔ وکیل نے ڈاکٹر عافیہ پر لگائے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ''ناقابل یقین کہانی'' ہے اور اس کہانی کو ثابت کرنے کیلئے کوئی شواہد سامنے نہیں لائے گئے۔ ڈاکٹر عافیہ کے مقدمے کی باقاعدہ سماعت 19 اگست کو ہوگی۔ ڈاکٹر عافیہ پر مضحکہ خیز الزامات لگائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر الزام ہے کہ انہوں نے امریکی فوجیوں اور اہلکاروں پر حملہ کیا ہے۔

نیویارک میں ایف بی آئی اور نیویارک کے پولیس کمشنر ریمنڈ کیلی کی طرف سے جاری کیے جانے والے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ کو ایک ماہ قبل افغانستان میں غزنی کے صوبے سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عافیہ پر الزام ہے کہ انہوں نے 18 جولائی کو ایف بی آئی اور امریکی فوجیوں کی ایک تفتیشی ٹیم پر ایک فوجی کی بندوق چھین کر فائرنگ کر دی تھی۔ اس ٹیم میں شامل ایک امریکی فوجی کی جوابی فائرنگ اور اس کے بعد کشمکش میں ڈاکٹر عافیہ زخمی ہو گئی تھیں۔ اس بیان کے مطابق ڈاکٹر عافیہ ایف بی آئی کو کافی عرصے سے دہشت گردی کے الزامات میں مطلوب تھیں۔ اس بیان میں دی گئی تفصیلات کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو غزنی میں گورنر کی رہائش گاہ کے احاطے سے افغان پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ امریکی حکام کے مطابق افغان پولیس کو شیشے کے مرتبانوں اور بوتلوں میں سے کچھ دستاویزات ملی تھیں جن میں بم بنانے کے طریقے درج تھے۔ اس بیان میں کہا گیا ڈاکٹر عافیہ ایک کمرے میں بند تھیں۔ جب ان سے تفتیش کے لیے ایف بی آئی اور امریکی فوجیوں کی ایک ٹیم پہنچی تو انہوں نے پردے کے پیچھے سے ان پر دو گولیاں چلائیں لیکن وہ کسی کو نشانہ نہ بنا سکیں۔

عافیہ صدیقی کی والدہ عصمت صدیقی کا کہنا ہے کہ ان کی بیٹی کا وزن 90 پاؤنڈ ہے اور جس رائفل ایم فور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ عافیہ صدیقی اٹھا ہی نہیں سکتیں۔ اس کا جھٹکا ہی اتنا شدید ہوتا ہے کہ فائر کرنے والا اگر اناڑی ہو تو اس کا نشانہ بن جائے۔

عافیہ صدیقی پر الزامات کی نوعیت کیا ہے؟ ان میں کتنی سچائی ہے؟ ان سوالوں کے جوابات دنیا کے ہر ذی شعور شخص کو معلوم ہیں۔ ان کی وکیل نے پریس کانفرنس میں ان الزامات کو مضحکہ خیز قرار دیا۔ انہوں نے ان الزامات کو تمسخر آمیز قرار دیا جبکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے الزامات کی حقیقت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مقدمے کی سماعت کے دوران امریکی جج نے کہا کہ ''اتنے عرصے میں کوئی شخص برونکس سے مین ہٹن (نیویارک کے دو مقامات) نہیں پہنچ پاتا جتنے وقت میں آپ مدعا علیہ کو افغانستان سے نیویارک لے آئے ہیں۔ گزشتہ پانچ برسوں سے لاپتہ ڈاکٹر عافیہ کو نیویارک کی عدالت یونائیٹڈ سٹیٹس کورٹ سدرن ڈسٹرکٹ میں پیش کیا گیا۔ عافیہ صدیقی کی کسی امریکی عدالت میں یہ پہلی پیشی تھی۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق جب عدالتی کارروائی شروع ہوئی۔ مدعا علیان آتے رہے، پیش کیے جاتے رہے۔ اتنے میں ایک خاتون عدالت میں داخل ہوتی ہیں جن کے ہاتھ میں فائل تھی جس پر عافیہ صدیقی لکھا ہوا تھا۔ اسی دوران ایف بی آئی اور پولیس والے عافیہ صدیقی کو کمرہ عدالت میں لائے۔ ایسے نظر آ رہا تھا کہ ایک ہڈیوں کی گٹھری بنی عورت، لاغر اور کمزور اس کی دونوں وکیل اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھانے لگیں۔ سر پر سرخ رنگ کا سکارف یا حجاب، نیلے رنگ کی قمیص اور لمبے سکرٹ میں ملبوس عافیہ صدیقی کو کرسی پر بیٹھنے میں کچھ منٹ لگ گئے۔ ان کی وکیل نے کہا کہ ان کی مؤکل پاکستانی قونصلر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہیں۔ جب عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ تو جج نے کہا عافیہ صدیقی کھڑی ہو جائیں۔ عافیہ صدیقی کی وکیل الزبتھ فنک نے عدالت کو بتایا کہ ڈاکٹر عافیہ کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ وہ زخمی ہیں۔ عافیہ کی دوسری وکیل ایلین وٹفیلڈ شارپ بھی موجود تھی۔ جج نے عافیہ صدیقی سے پوچھا 'کیا تم جانتی ہو کہ حکومتِ امریکہ نے ایک کرمنل کمپلینٹ میں تم پر کیا الزام لگایا ہے۔' 'یس' عافیہ صدیقی نے نحیف آواز میں جواب دیا۔ جج نے ایف بی آئی کی طرف سے عافیہ صدیقی کے خلاف داخل کردہ فوجداری مقدمے کی تفصیلات پڑھ کر سنائیں۔ عافیہ صدیقی کی وکیل الزبتھ فنک نے عدالت سے سوال کیا کہ کیا عدالت سمجھتی ہے یہ نوے پاؤنڈ کی عورت ایم فور رائفل امریکی فوجی کے بوٹوں کے بیچ سے اٹھا کر ان پر فائر کر سکتی

ہے، اور یہ بڑی مضحکہ خیز تہمت ہے۔ وکیل نے کہا کہ عافیہ صدیقی کے بارے میں جو کچھ کہا جارہا ہے وہ سب کچھ سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ وکیل الزبتھ نے جج سے مخاطب ہوکر کہا کہ اس ایجنٹ نے بھی انہی باتوں کی بنیاد پر مدعا علیہ کے خلاف نیویارک میں بیٹھ کر کیس بنایا ہے۔ پانچ ہزار میلوں پرے جو افغانستان میں ہے اسے بیٹھ کر اس ایجنٹ نے نیویارک میں کیسے دیکھا؟ وکیل الزبتھ نے کہا کہ انہوں نے منگل کے روز پہلی بار عافیہ صدیقی کو دیکھا ہے اور عافیہ صدیقی اتنے برسوں بعد غیر حکومتی آدمی سے پہلی بار مل رہی ہے اور یہ سب سے بڑی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ بہر حال وکیل الزبتھ نے کہا کہ بتایا جاتا ہے کہ خالد شیخ محمد نے اپنی تفتیش کے دوران عافیہ صدیقی کا نام لیا تھا جبکہ اس سے قبل بائیو ٹیررزم یا حیاتیاتی دہشتگردی میں اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس موقع پر عافیہ صدیقی کی وکیل نے میڈیا کو بتایا کہ پاکستانی حکومت نے امریکی محکمہ خارجہ سے عافیہ صدیقی کو آزاد کرنے اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ دریں اثناء ثناء نیوز کے مطابق کراچی میں ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ سے ملاقات کے دوران ہیومن رائٹس نیٹ ورک (کراچی) کے صدر انتخاب عالم سوری نے کہا کہ امریکی حکام کی جانب سے ڈاکٹر عافیہ کے 3 میں سے ایک ڈکلیئر کیے گئے معصوم بچے کو فوری طور پر پاکستان میں اہل خانہ کے حوالے کیا جائے۔ انتہائی کمزور اور لاغر خاتون پر الزام کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسانیت سوز امریکی مظالم کے خلاف پاکستان اور عالمی رائے عامہ کی بیداری کے بعد امریکی انتظامیہ نے بوکھلا کر عافیہ کو نئے الزام کے ساتھ امریکہ منتقل کر دیا۔ بیرون ملک قید پاکستانیوں پر قائم مقدمات پاکستان میں ہی چلائے جائیں۔ اس دوران ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ نے بتایا کہ گزشتہ 5 سال میں ڈاکٹر عافیہ پر ظلم وتشدد کی انتہا ہو چکی ہے اس دوران امریکی انتظامیہ اور ایف بی آئی نے نائیجیریا میں ہیروں کی خریداری سمیت متعدد سنگین الزامات لگائے جنہیں امریکہ ہی کی عدالتوں نے بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا، اور اب 5 سال کے بعد بگرام سے واپس امریکہ لے جانے کے ساتھ ہی کمزور خاتون پر 5 سکیورٹی گارڈز سے 20 کلو کی رائفل چھین کر فائرنگ کرنے کا لغو اور احمقانہ الزام عائد کیا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ کی والدہ عصمت صدیقی نے گفتگو کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں ملک کی تمام سرکردہ شخصیات سے اپیل کی کہ وہ ڈاکٹر عافیہ اور اس کے بچوں سمیت اور تمام اسیر پاکستانیوں کی رہائی اور ان کے مقدمات ان کے وطن ہی میں چلانے کے لیے آواز حق بلند کریں۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان پابند شریعت پردہ دار خاتون ہیں، جن کا سارا گھرانہ شعائر اسلام کی سختی سے پابندی کرتا ہے۔ انہیں اس جرم کی سزا دی جارہی ہے۔ ان کی والدہ نے مجھے فون پر بتایا کہ ظالموں نے تشدد سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے دانت توڑ دیئے ہیں۔ ان کی ناک کی ہڈی توڑ دی ہے، اور خدشہ ظاہر کیا کہ ان کے پیٹ میں گولی مارنے کے بعد مخصوص کیمیکل ان کے جسم میں داخل کیے گئے ہیں۔ ان کی طرف سے بتائے گئے ان انسانیت سوز مظالم کی تفصیل ناقابل بیان ہے، لیکن سی آئی اے سے متعلق دنیا بھر میں پھیلی کہانیوں، طبع شدہ کتابوں اور فلموں میں اس نوعیت کے مظالم معمول کی بات دکھائی دیتے ہیں۔ عالم انسانیت نے گوانتاناموبے اور عراق کے اذیت خانوں میں امریکیوں کے مظالم کی زندہ تصویریں بھی دیکھ لی ہیں۔ اپنے حکمرانوں کے اقدامات سے فرسٹریشن کا شکار امریکی فوجی بسا اوقات انسانیت کی سطح سے گر جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی اس کا شکار ہوئی ہیں۔ اب پاکستان کے غیور عوام کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اس بیٹی کو زندہ درگور ہوتے دیکھیں گے یا پھر اپنا احتجاج ریکارڈ کروائیں گے، اور پاکستانی حکومت کیا صرف ڈاکٹر عافیہ صدیقی سے ملاقات کی

درخواستوں تک محدود رہے گی یا پھر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے شانہ بشانہ لڑنے والی حکومت کی حیثیت سے امریکی حکومت سے کہے گی کہ اگر ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے ''ان کے مطابق'' کسی دہشت گرد سے فون پر بات کی تھی یا اس کا علاج کیا تھا تو اس جرم کی سزا وہ بھگت چکی ہیں' خدارا انہیں اب رہا کر دیں۔ یہ وقت ہے خود کو زندہ قوم کی حیثیت سے متعارف کروانے کا اور امریکہ ہی نہیں ساری دنیا کو یہ بتانے کا کہ ہمارے صدر کے اس اعتراف کے باوجود کہ انہوں نے پاکستانیوں کو امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے' ہم من حیث القوم اپنی بچیاں فروخت نہیں کیا کرتے! کچھ کر گزریئے اس سے قبل کہ مکافاتِ عمل وقوع پذیر ہو اور ہمیں کچھ کرنے کی مہلت ہی نہ ملے۔

یتّی

اس طویل وعریض دنیا میں ابھی بے شمار حقائق ایسے بھی ہیں جن سے انسان پوری طرح باخبر نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کی تجسس پسند فطرت ہر روز کسی نئے چونکا دینے والے انکشاف کے لئے اسے بے قرار رکھتی ہے۔ ایسے ہی چند تحقیق کے میدان کے کھلاڑیوں کی مہم جوئی کا قصہ۔ وہ ایک ان دیکھی مخلوق کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے۔ ان کی مہم جو طبیعت انہیں خطرناک راستوں پر لے آئی تھی۔ ایک **یتّی (برفانی انسان)** کی انہیں تلاش تھی۔ اس کتاب کا قصہ جس کا آخری باب تحریر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ انگریزی ادب سے یہ انتخاب، کتاب گھر کے **ایکشن ایڈونچر ناول** سیکشن میں دستیاب ہے۔

سونا گھاٹ کا پجاری

سونا گھاٹ کا پجاری...... بے پناہ پر اسرار قوتوں اور کالی طاقتوں کا مالک جو اپنی موت کے بعد بھی زندہ تھا۔ افضل بیگ...... ایک مسلمان فارسٹ آفیسر جو سونا گھاٹ کے قہر کا نشانہ بنا...... پھر وہ انتقام لینے کے جوش میں اندھا ہو گیا اور اپنا مذہب ترک کر کے جادو ٹونے کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ ایک ایسا ناول جو پر اسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔ **سونا گھاٹ کا پجاری** اپنے انجام تک کیسے پہنچا۔ افضل بیگ گناہ اور غلاظت کی دُنیا سے کیسے لوٹا؟ ہندو دھرم، دیوی دیوتاؤں، کالے جادو، بیروں کے خوفناک تصادم سے مزین یہ داستان آپ جلد ہی **کتاب گھر** کے **پر اسرار خوفناک ناول** سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

کمانڈو جرنیل بالآخر عوام کے

غضب کا شکار ہو گیا

وقت کا پہیہ الٹا گھوم گیا۔ کمانڈو جرنیل جسے تکبر کی حد تک خود پر ناز تھا' بالآخر پاکستانی عوام کے صبر کا شکار ہو گیا۔ دمِ رخصت اس کی حالت دیدنی تھی' نہ کوئی ڈھول پیٹا گیا نہ کوئی ہنگامہ ہوا۔ نہ گانے بجانے کی مخلوط محفل سجی کہ جس کے آپ بڑے شائق تھے۔ آخری لمحات میں ہمارا کمانڈو جرنیل بضد رہا کہ وہ قوم سے براہ راست خطاب کرے گا لیکن پی ٹی وی انتظامیہ اس کا ریکارڈ شدہ خطاب حاصل کرنے کا تقاضہ کر رہی تھی جس پر صدارتی محل نے پرائیویٹ چینلز کو بھی طلب کر لیا۔ یہ تھا اس صدر کا آخری لمحات میں حال جو 12 مئی کو کراچی میں ہونے والے قتل عام کے جواب میں راولپنڈی کی جلسہ گاہ میں مکے لہرا رہا تھا اور بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ ''آج ہم نے عوامی طاقت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ اگر کسی نے آئندہ ایسی جرأت کی تو اس کا بھی یہی حشر ہو گا''۔ یہ وہی صدر تھے جو پارلیمنٹ کو مکے دکھایا کرتے تھے۔ جو لاہور کے مینار پاکستان پر کھڑے ہو کر دونوں مکے لہراتے ہوئے وارننگ دیا کرتے تھے۔ جنہیں امریکی صدر بش سے اپنی دوستی پر اتنا غرور تھا کہ جب انہیں مغربی اور امریکی میڈیا نے ''مش'' بہ وزن ''بش'' کہنا شروع کیا تو سی این این کی رپورٹر نے انہیں اس سے آگاہ کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں پوچھا کہ وہ اس سے آگاہ ہیں؟ تو صدر کی باچھیں مکمل کھل گئیں۔ معمول کے مطابق آپ نے اپنا سینہ پھلاتے ہوئے کہا کہ ''انہیں اس کا علم ہے'' اور دیر تک مسکراتے رہے اور رپورٹر حیرت سے صدر محترم کا چہرہ دیکھتی رہی۔

یہی وہ جنرل (ر) پرویز مشرف تھے جنہوں نے سانحہ لال مسجد' جس پر ساری قوم سکتے کی حالت میں تھی' اظہار افسوس کرنے کے بجائے اسے حکومت کی ''رٹ'' بحال کرنے سے تعبیر کیا اور فرمایا تھا کہ ''آئندہ بھی اگر کسی نے حکومت کی رٹ چیلنج کرنے کی کوشش کی تو اس کا یہی انجام ہو گا' اور آج تک اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ انہوں نے لال مسجد کے ضمن میں جو کچھ کیا وہ بالکل صحیح تھا' بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے امریکی حکومت کے ایک عہدیدار کے فون پر انتہائی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے تمام دروازے امریکہ کے لیے کھول دیئے تھے جس پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا کہ ''انہیں اتنی مراعات کی توقع ہرگز نہ تھی''۔

مسئلہ کشمیر اور افغانستان پر سابقہ صدر صاحب کے یوٹرن نے ساری پاکستانی قوم کو چکرا کر رکھ دیا اور دنیا کے ہر مہذب انسان نے حیرت اور دہشت کے عالم میں یہ خبر بھی سنی کہ پاکستان کی تسلیم کردہ افغان طالبان حکومت کے سفیر ملا ضعیف کو جو جینیوا کنونشن کا مکمل اتفاق استحقاق رکھتے تھے چوروں' ڈاکوؤں کی طرح پکڑ کر اور باندھ کر امریکیوں کو پیش کر دیا گیا۔ یہ وہ صدر محترم تھے جنہوں نے اپنے سوانح عمری میں اپنی اس کارنامے کا

ذکر بھی فرمایا کہ انہوں نے درجنوں پاکستانی پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیے اور ان کے بدلے ڈالروں سے جھولیاں بھریں۔ بردہ فروشی کا اس طرح کھلے بندوں اقرار تو بچوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے والے بھی نہیں کیا کرتے۔ یہ وہ صدر محترم ہیں جنہوں نے مواخذہ کی تحریک کا اعلان سننے پر کہا تھا "میرا مواخذہ کیوں ہوگا؟ میں ذہنی یا جسمانی طور پر کیا محتاج ہوگیا ہوں" ...... ایسے ہی لوگوں کے لیے شاید کسی شاعر نے کہا تھا

یہ وقت کس کی رعونت پہ خاک ڈال گیا

یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں

اقتدار اللہ کا امتحان ہے، بڑی کڑی آزمائش ہے، یہ آزمائش انسان کو اشرف المخلوقات بھی بنا دیتی ہے اور تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں گرا دیتی ہے۔ ہمارے کمانڈو جرنیل کو اب خاصی تنہائی میسر ہوگی اور امید ہے وہ اپنے ماضی کے کارناموں کا اب ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ بھی لیں گے۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اگرچہ عوامی غم وغصہ کا شدید اظہار لال مسجد آپریشن کے فوری بعد شروع ہوگیا تھا، لیکن پاکستان کی عوام نے اس کا عملی ثبوت 18 فروری 2008ء کے انتخابات میں دیا۔ جنرل (ر) پرویز مشرف اس سے قبل کئی بار کہہ چکے تھے کہ اگر عوام کے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہوگئے تو وہ مستعفی ہو جائیں گے مگر وہ گزشتہ دنوں تک اپنی بات سے منحرف ہوتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ بھی شدید عوامی دباؤ کے نتیجے میں چھوڑا تھا کیونکہ سیاسی جماعتوں کے دباؤ، جلاوطن رہنماؤں کی واپسی اور امریکہ نواز اقدامات سے ان کی مقبولیت کا گراف کافی نیچے گر گیا تھا، اور ملکی وغیر ملکی اداروں کی جانب سے آئے روز ایسی رپورٹس آنی شروع ہوگئی تھیں جس میں ان کی ناپسندیدگی کے نمبرز میں اضافہ ہو رہا تھا۔

27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد اگرچہ ملک کی سیاسی فضا سوگوار ہوگئی تھی اور انتخابات 8 جنوری کی بجائے 18 فروری تک ملتوی کر دیئے گئے جس میں جنرل (ر) پرویز مشرف کی سیاسی کور یعنی مسلم لیگ (ق) اور اس کی اتحادی جماعتوں کو حکومتی خرچ پر انتخابی مہم چلانے کا کافی وقت ملا، لیکن اس کے باوجود قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مشرف نواز جماعتوں کو بری طرح ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی دوران وطن عزیز میں خودکش حملے بھی ہوتے رہے۔ انتخابات سے ایک روز قبل فاٹا میں عوامی نیشنل پارٹی کے انتخابی دفتر کے سامنے ہونے والے حملے میں کئی افراد جاں بحق ہوگئے۔

انتخابات کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا کہ صدارتی کیمپ آفس میں حکومت سازی کے حوالے سے اہم فیصلے ہونے والے ہیں۔ ایک جانب جہاں پر بڑی سیاسی جماعتیں خاص کر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) مخلوط حکومت بنانے کیلئے کام کر رہی تھیں تو دوسری جانب جنرل (ر) پرویز مشرف کے پیادے مسلم لیگ (ق) اور ایم کیو ایم کیلئے حکومت سازی کی سازشیں کر رہے تھے۔ تاہم تمام تر حکومتی ہتھکنڈوں اور سازشوں کے باوجود پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن)، عوامی نیشنل پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام (ف) نے چار جماعتی اتحاد قائم کر کے حکومت بنالی اور ملتان کے معروف سیاستدان اور پیپلز پارٹی کے رہنماء سید یوسف رضا گیلانی کو وزیراعظم بنا دیا گیا۔ اگرچہ مسلم لیگ (ق) کے چودھری پرویز الٰہی جو قائد حزب اختلاف

بن گئے تھے‘ نے نئی حکومت کیلئے دعا کی اور مثبت کردار ادا کرنے کا عزم کیا تاہم در پردہ وہ بھی روایتی سیاست کرتے رہے۔ شیخ رشید احمد جنہوں نے مسلم لیگ (ق) سے علیحدگی اختیار کر کے عوامی لیگ بنالی تھی‘ نے حسب روایت اور حسب عادت پیشین گوئی کی کہ نئے انتخابات 2 ماہ میں ہو جائیں گے لیکن ان کی سابقہ کئی پیشین گوئیوں کی طرح یہ بھی غلط ثابت ہوئی۔

سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف ایک اور محاذ ملک کی وکلاء برادری نے قائم کر رکھا تھا اور یہ محاذ 9 مارچ 2007ء سے قائم ہوا تھا جب پرویز مشرف نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو عہدے سے ہٹا کر ان کے خلاف صدارتی ریفرنس دائر کر دیا تھا جس پر ملک میں شدید ردعمل سامنے آیا۔ ملک بھر کی وکلاء تنظیموں نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ احتجاج ہوا‘ مظاہرے ہوئے‘ عدالتوں کی تالا بندی ہوئی۔ لانگ مارچ ہوئے اور اس سے ہٹ کر پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار چیف جسٹس نے سڑک کے ذریعے سفر کر کے عوام میں عدلیہ کی آزادی کے حوالے سے ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔ چیف جسٹس کے ساتھ اس کاروانِ افتخار میں معروف وکلاء رہنماء چودھری اعتزاز احسن‘ منیر اے ملک‘ علی احمد کرد‘ جسٹس (ر) طارق محمود اور حامد خان کے علاوہ سیاسی جماعتوں کے کارکن‘ صحافی‘ طلبہ‘ مزدوروں اور محنت کشوں کی بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ ملک کی مختلف بارز سے خطاب ہوا اور چند گھنٹوں کا سفر کئی گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ اسی دوران کراچی میں چیف جسٹس کی آمد پر 12 مئی 2007ء کا سانحہ ہوا‘ 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی لگی لیکن اس کے باوجود آزاد عدلیہ کے حامی افراد نے اپنا راستہ نہیں بدلا۔ عوام نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اپنی چارج شیٹ تیار کر لی تھی۔ فروری 2008ء کے انتخابات میں مسلم لیگ (ن) نے معزول ججوں کی بحالی کے حوالے سے الیکشن لڑا اور قائد مسلم لیگ (ن) نے اس حوالے سے الیکشن سے قبل اپنے امیدواروں سے ججوں کی بحالی کے حوالے سے حلف بھی لیا۔ انتخابات کے بعد میاں محمد نواز شریف اور آصف علی زرداری کے درمیان 9 مارچ کو اعلانِ مری ہوا جس میں دونوں قائدین نے نہ صرف مخلوط حکومت بنانے پر رضامندی ظاہر کی بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ حکومت بننے کے 30 روز کے اندر معزول ججوں کو بحال کیا جائے گا۔ یہ اصل میں جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اقدام تھا جس کیلئے کچھ عرصے تک ایوان صدر میں سازشیں تیار ہوتی رہیں کہ حکومتی اتحاد کو اس کا موقع نہ ملے۔

مخلوط حکومت بننے کے بعد حکومتی اتحاد کی ایک اہم جماعت پیپلز پارٹی کی جانب سے ایسے اقدامات ہونے لگے جس سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اعلانِ مری سے منحرف ہو رہی ہے۔ دوسری جانب مسلم لیگ (ن) کی قیادت معزول ججوں کی بحالی کے موقف پر قائم تھی۔ اس سلسلے میں اتحادی جماعتوں کے قائدین کے درمیان اسلام آباد‘ رائے ونڈ‘ دوبئی اور لندن تک میں مذاکرات ہوئے لیکن بعض امور پر اختلافات پائے گئے۔ بالآخر اگست کے شروع میں دونوں بڑی جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے فیصلہ کیا کہ ججوں کی بحالی کے ایشو کو قدرے پس پشت ڈال کر پہلے جنرل (ر) پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ کیا جائے‘ اور اس بات پر دونوں جماعتوں میں کافی اتفاق تھا۔ واضح رہے کہ گزشتہ چند مہینے میں پیپلز پارٹی کی قیادت بھی جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف ہو گئی تھی اور وہ ایوان صدر میں جیالے صدر کا خواب دیکھنے لگی تھی۔ اس سے قبل انتخابات کے فوری بعد پیپلز پارٹی کا موقف تھا وہ فوری طور پر جنرل (ر) پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ نہیں کرنا چاہتے تاہم گزشتہ کچھ عرصے سے آصف علی زرداری نے سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کر لیا تھا‘ اور انہیں ایوان صدر سے رخصت ہونے کیلئے کہا

جانے لگا۔

اگست کا مہینہ اس حوالے سے بھی اہم بن گیا ہے کہ اس مہینے میں امریکہ کے انتہائی قریب رہنے والے دو پاکستانی آمروں کو اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ اس میں سے ایک یعنی جنرل محمد ضیاء الحق جو وردی میں تھے' 17 اگست 1988ء کو امریکی سفیر اور فوج کی اعلیٰ قیادت سمیت طیارے کے حادثے میں شکار ہو گئے تھے تو دوسری طرف امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کے دوسرے کردار یعنی جنرل (ر) پرویز مشرف سے بھی گزشتہ روز اقتدار چھین لیا گیا۔

یہاں پر ہم امریکہ کی منافقانہ دوستی کا بھی ذکر کرتے چلیں جو کل تک جنرل (ر) پرویز مشرف کو اپنا ایک اہم دوست کہتا تھا اور پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک اہم فرنٹ لائن اتحادی کا درجہ دے رکھا تھا' کی وزیر خارجہ کونڈو لیزا رائس کی طرف سے یہ کہا گیا کہ ہم پرویز مشرف کو سیاسی پناہ دینے پر غور نہیں کر رہے۔ پرویز مشرف کے استعفیٰ کا معاملہ پاکستانیوں کو طے کرنا ہے۔ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ ہم نے تو صرف جمہوری انتخابات کی وکالت کی تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ امریکہ کو 3 نومبر کی ایمرجنسی کے نفاذ پر اختلاف تھا حالانکہ یہی امریکہ تھا جو پاکستان میں ایمرجنسی لگنے کے وقت خاموش تھا، اور اسے پاکستان کا اندرونی معاملہ قرار دیتا تھا۔ یوں امریکہ نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ اس نے ہمیشہ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے پاکستان میں آمروں کی حمایت کی اور آج بھی اس کی یہی پالیسی ہے، اور جب وہ اپنے منصوبوں کے خاتمے کے قریب ہوتا ہے تو اسے یا تو منظر سے ہٹا دیا جاتا ہے یا پھر اس سے آنکھیں پھیر لی جاتی ہیں۔ ایوب خان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا اور یحییٰ خان کو بھی امریکی بے رخی کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کے سیاستدانوں' عسکری قیادت اور عوام کو اب اس بات کا تہیہ کرنا ہوگا کہ وہ ریاستی' حکومتی اور عسکری سربراہوں کے چناؤ کیلئے امریکہ کی طرف دیکھنے کی بجائے صرف اور صرف اپنے مفادات کو ترجیح دیں گے اور ملکی مفادات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

سابق صدر پرویز مشرف کے مستعفی ہونے سے قبل اور چارج شیٹ کی تیاری سے قبل پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے درمیان اگرچہ محفوظ راستے کے حوالے سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک جماعت سابق صدر کو محفوظ راستہ دینا چاہتی تھی تو دوسری اس کے مواخذے' محاسبے اور مقدمات قائم کرنے کے حق میں تھی لیکن اس مشکل کو سعودی انٹیلی جنس سربراہ شہزادہ مقرن کی گزشتہ دنوں خصوصی آمد نے آسان کر دیا اور یہ طے پایا کہ پرویز مشرف کو محفوظ راستہ دے دیا جائے۔ اس حوالے سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ لگ بھگ تین ماہ تک سعودی عرب میں قیام کریں گے، اور اس کے بعد اپنی نئی رہائش گاہ یعنی چک شہزاد میں آ جائیں گے۔ سعودی عرب کی جانب سے رائل ایئر فورس کا خصوصی طیارہ چکلالہ بھیجا گیا' یوں ایک بار پھر سعودیہ نے پاکستان کی اعلیٰ قیادت کو وطن سے باہر لے جانے کیلئے اہم کردار ادا کیا۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے اقتدار سے الگ ہونے کے حوالے سے پاکستانی فوج کا ہم اگر جائزہ لیں تو وہ اس معاملے میں غیر جانبدار رہی اور پیشہ ورانہ آئینی و قانونی ذمہ داریوں کے تحت سویلین حکومت کے ساتھ رہی اور اس کا اظہار اگرچہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے 14 اگست کے دن ہی کر دیا تھا۔ جب انہوں نے صدر کی تقریب کی بجائے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کی تقریب میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ یہ خبر بھی آئی کہ انہوں نے پرویز مشرف کو 3 دن کے اندر مستعفی ہونے کو کہا تھا۔

سابق صدر کے خلاف چاروں اسمبلیوں نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کر کے انہیں ایک واضح پیغام دے دیا تھا کہ اب انہیں عوامی حمایت حاصل نہیں اور وہ کل تک جو کہہ رہے تھے کہ ان کی مقبولیت ختم ہونے پر وہ صدر کا عہدہ بھی چھوڑ دیں گے لہٰذا وہ وقت آ گیا تھا کہ وہ رخصت ہو جائیں اور ویسے بھی حکومتی اتحاد نے ان کے خلاف 20 الزامات کا انتخاب کر لیا تھا جس میں شدید ترین بدانتظامی' آئین کی خلاف ورزی' آئین کی دو بار معطلی' خارجہ پالیسی کی مد میں امریکہ کی طرف حد سے زیادہ جھکاؤ' لال مسجد آپریشن اور جمہوری اداروں کی تباہی وغیرہ شامل ہیں جبکہ بعض ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف جو الزامات لگائے گئے' ان کا ذکر تو انہوں نے اپنی کتاب ''ان دی لائن آف فائر'' میں کیا ہوا ہے لہٰذا انہوں نے اپنے خلاف چارج شیٹ پہلے ہی تیار کر لی تھی۔ اگرچہ صدارتی کیمپ میں آخری دم تک یہ کوششیں کی گئیں کہ چارج شیٹ اور مواخذے کے عمل کی شدید مخالفت کی جائے' تاہم کمانڈو صدر نے آخر کار ہتھیار ڈال دیئے' لیکن جاتے جاتے انہوں نے' پاکستان کا خدا حافظ' جیسا طنزیہ جملہ کہہ کر اور آخری بار قوم کو مکہ دکھا کر اپنے غصہ کا اظہار کیا۔

18 اگست 2008ء پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم ترین دن ہے جس دن قوم نے بالآخر 9 سالہ پرویزی آمریت سے نجات حاصل کی لیکن اب حکومتی اتحاد پر ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں کہ وہ نئے صدر کے انتخاب پر جلد متفق ہوں اور اسے صرف دستوری و آئینی فرائض تک محدود کر رکھا جائے۔ ججوں کو فی الفور بحال کرنے کا اعلان کیا جائے، جنرل (ر) مشرف سے 9 سالہ پالیسیوں سے متعلق جوابدہی کے لئے ٹرابیونل قائم کیا جائے، خارجہ پالیسی کو از سر نو تشکیل دے کر غیروں کی جنگ سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا جائے جبکہ صحیح معنوں میں جمہوری حکومت کا حق ادا کر کے عوام کو مہنگائی' بیروزگاری' امن وامان کی خراب صورتحال سے نجات دلائی جائے' مستقبل میں ممکنہ دستوری اداروں کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ملک کو صرف اور صرف آئین اور دستور کے تحت چلنے دیا جائے' تب ہی پاکستان کی جیت ہوگی، حقیقی فتح ہوگی۔

انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

پاکستانی سیاست میں سابقہ فوجی افسران کی آمد شاید پاکستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوئی ہے اور بظاہر یہی دکھائی دے رہا ہے کہ یہ لوگ فوج کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کیلئے میدانِ عمل میں نکلے ہیں کیونکہ وہ فوج جو ہر پاکستانی کیلئے بہر صورت واجب الاحترام تھی' بدقسمتی سے صدر پرویز مشرف اور ان کے ساتھیوں کی روشن خیال اعتدال پسند پالیسیوں کی وجہ سے اب معتوب ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ روز بھی اس قوم نے دیکھنا تھا۔ جب ایسی اطلاعات اور خبریں سننے کو مل رہی ہیں کہ فوجی افسران کو اپنی یونیفارم میں سویلین مقامات پر جانے سے روک دیا گیا ہے، اور فوجی ٹریفک کی بھی خصوصی حالات میں بڑی محتاط نقل و حرکت کی جاتی ہے۔ یہ بڑی افسوسناک صورتحال ہے کہ وہ فوج جو کبھی پاکستان کا فخر تھی اور جس نے ہمیشہ قدرتی آفات نازل ہونے پر ہراول دستے کا کردار ادا کیا' سیلاب اور طوفانوں میں گھرے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی' آج وہی فوج عوامی غیض و غضب کا شکار ہے' خصوصاً صوبہ سرحد میں اس پر حملے ہو رہے ہیں، اور قبائلی علاقوں میں تو وہ عملاً حالت جنگ میں ہے۔ قیدیوں کے تبادلے جیسے ہولناک مناظر دکھائی دے رہے ہیں۔ اس تمام صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ ساری قوم کا متفقہ جواب ہے، گزشتہ حکومت کی پالیسیاں جنہوں نے محض امریکی خوشنودی کیلئے اپنے ہی ملک کی مایہ ناز فوج کو اپنے ہی ملک کے بازوئے شمشیر زن کے خلاف صف آراء کر دیا۔ جنرل (ر) عبدالقیوم اور جنرل (ر) جمشید گلزار کیانی نے صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف جو سنگین الزامات لگائے ہیں۔ ان کے جواب میں صدر پرویز مشرف نے بالآخر سکوت توڑا اور کچھ صحافیوں کو ایوان صدر میں بلا کر ان سے ملاقات کی جس کا منظر ساری قوم نے بڑی حیرت سے ٹی وی سکرینوں پر دیکھا۔

صدر پرویز مشرف کی جانب سے مستعفی ہونے سے انکار اور منتخب حکومت کو ملفوف دھمکی دیئے جانے کے بعد ملکی سیاست ایک نئے سنسنی خیز دور میں داخل ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ اگرچہ صدر پرویز مشرف نے اپنی گفتگو کے دوران پیپلز پارٹی کی حکومت سے متعلق بات کرتے ہوئے قدرے محتاط لب و لہجہ اختیار کیے رکھا بلکہ انہوں نے وزیر اعظم کیلئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا تاہم پیپلز پارٹی کی جانب سے ''خاموش نہ بیٹھنے'' کے اعلان کو منتخب حکومت کو دھمکی دینے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری نے صدر کو مستعفی نہ ہونے کی صورت میں مواخذے کیلئے تیار رہنے کا پیغام دیا ہے۔ ہفتہ کو مدینہ منورہ میں وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ منتخب پارلیمنٹ اختیار رکھتی ہے' صدر یا وزیر اعظم کو کسی بھی وقت گھر بھیج سکتی ہے۔ پارلیمنٹ آئینی اقدامات کیلئے سب سے بااختیار ادارہ ہوتا ہے' ججوں کی بحالی سے متعلق صدر نے مضحکہ خیز گفتگو کی۔ ادھر ہفتہ ہی کے روز پاکستان پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ عوام کی نمائندگی کرنے والی پارلیمنٹ ایک خود مختار قومی ادارہ ہے جو کوئی بھی قانون بنانے یا آئین میں ترمیم کرنے کا مجاز ہے' خواہ پرویز مشرف انہیں پسند کرے یا نہ کرے' دھمکیوں سے جمہوری قوتوں کو پارلیمنٹ کے اختیارات کی بحالی کیلئے جدوجہد سے نہیں روکا جا سکتا۔

ایک ڈی فیکٹو صدر کی طرف سے یہ انتباہ پارلیمنٹ اور ملکی آئین کی توہین کے مترادف ہے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق صدر پرویز مشرف کیلئے پیپلز پارٹی کا یہ پیغام بالکل واضح ہے' صدر پرویز مشرف نے خود بھی اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں پارلیمنٹ کا فیصلہ قبول کر لیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدر پرویز مشرف پارلیمنٹ میں مواخذے کی کارروائی کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں، اور انہوں نے حکمران جماعت کو ایک طرح سے چیلنج بھی کر دیا ہے۔ اسی بناء پر مسلم لیگ (ن) کے ترجمان صدیق الفاروق نے کہا کہ پرویز مشرف نے حکمران اتحاد کو یہ چیلنج کر دیا ہے کہ اگر مواخذہ کر سکتے ہو تو کرو۔ اب ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ججز کو بحال اور صدر کا مواخذہ کیا جائے اور عوام کے مینڈیٹ کے مطابق تبدیلی لائی جائے۔

اس سارے پس منظر میں اب پیپلز پارٹی کو صدر کے مواخذے کی تحریک لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ پرویز مشرف کی صدارت کا تنازعہ منتخب پارلیمنٹ میں طے کر لیا جائے جس کیلئے خود صدر پرویز مشرف بھی تیار ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ صدر کے مواخذے کیلئے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں دو تہائی اکثریت درکار ہوتی ہے۔ جو اس وقت اتحادی جماعتوں کو تقریباً حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں آئینی پیکیج کے ذریعے صدر کو بے دست و پا بنانے کی حکمت عملی زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ پیکیج کی منظوری دونوں ایوانوں سے الگ الگ ضروری ہے، اور موجودہ حالات میں سینٹ میں حکمران اتحاد کو دو تہائی اکثریت حاصل نہیں۔ پھر آئینی پیکیج طویل بحث و مباحثے کا متقاضی ہے اور اس میں بہت سے متنازعہ امور پر اتفاق رائے کا جلد حصول بہت مشکل ہے۔ بنابریں حکمران اتحاد کو اس طویل جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے تمام سیاسی جماعتوں سے مشاورت کے ساتھ صدر کے مواخذے کی ایک ایسی تحریک پیش کرنی چاہیے جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور صدر پرویز مشرف کے مستقبل کا فیصلہ کیا جا سکے۔

جہاں تک مستعفی نہ ہونے سے متعلق صدر پرویز مشرف کے دلائل کا تعلق ہے تو پاکستان میں شاید ہی کوئی طبقہ ایسا ہو گا جو صدر کے ان دلائل کو درست سمجھتا ہوں۔ صدر پرویز مشرف کو 18 فروری کے انتخابات کے نتائج سے ہی یہ اندازہ لگا لینا چاہیے تھا کہ قوم نے ان کے اقدامات اور دلائل کو مسترد کر دیا ہے۔ ان کیلئے عزت کا راستہ یہی تھا کہ وہ اسی روز اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیتے اور اقتدار سے باعزت طریقے سے علیحدگی اختیار کر لیتے۔ اب حال یہ ہو گیا ہے کہ صدر پرویز مشرف کو (ق) کی حمایت بھی حاصل نہ رہی جس نے آج تک ان کے ہر جائز و ناجائز اقدام کی حمایت کی تھی۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے دفاع میں دلائل دیتے ہوئے بعض ایسی باتیں بھی کی ہیں جن سے ان کی پوزیشن مزید خراب ہو گئی ہے، اور جن پر عوام خاصے مشتعل ہیں' مثلاً لال مسجد اور جامعہ حفصہ آپریشن سے متعلق اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے انہوں نے الٹا آپریشن کرنے والوں کو "سلیوٹ" کر کے عوام کے زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کر کے عوام کے غیض و غضب کو دعوت دی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے عوام کو "دال کی بجائے چکن کھانے" کا مشورہ دے کر "روٹی نہ ملنے پر کیک کھانے" کے ملکہ فرانس کے "تاریخی مشورے" کی یاد بھی تازہ کر دی ہے۔ جسے عوام کے ساتھ بھونڈے مذاق کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ صدر پرویز مشرف کے پاس اگر نوشتہ دیوار پڑھنے کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہے تو ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں ان کے سب سے بڑے حریف

نواز شریف کے چھوٹے بھائی شہباز شریف کی بحیثیت وزیر اعلیٰ حلف برداری کا منظر ہی ان کو یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ ان کا وقت اب ختم ہو چکا ہے، اور اب باعزت واپسی کا آپشن بھی ان کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔

اس تحریر کے شائع ہونے تک وکلاء تحریک اپنے انتہائی اہم اور نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہوگی اور نہیں معلوم کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ صدر محترم حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور بقول وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف قوم کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اقتدار کو خیر باد کہہ چکے ہوں جس کی امید کم ہی ہے کیونکہ وہ ابھی تک بضد ہیں اور خدا جانے انہیں کن حلقوں کی پس پردہ حمایت حاصل ہے کہ وہ اپنے منصب پر نہ صرف ڈٹے ہوئے ہیں بلکہ دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے امریکہ کی طرف سے صدر کو کسی ذریعے سے ڈٹے رہنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہو، لیکن ابھی تک امریکی پریس کے حوالے سے یہی خبریں سننے کو مل رہی ہیں کہ امریکہ نے صدر پرویز مشرف پر سے دست شفقت اٹھا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب پاکستان کے وہ مشرف حمایتی اور مخالف دونوں قسم کے لیڈر جوان کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بھی اب صدر محترم کو باعزت رخصتی کا مشورہ دے رہے تھے۔ مسلم لیگ (ن) کے چودھری نثار علی نے 8 جون کو پریس کانفرنس میں صدر پرویز مشرف کے مواخذے کیلئے 10 نکاتی چارج شیٹ جاری کر دی ہے۔ جس میں ان پر دو مرتبہ آئین توڑنے' منتخب حکومت کا تختہ الٹنے' کارگل آپریشن شروع کرنے اور فوج کو ذاتی مفاد کیلئے استعمال کرنے کے علاوہ جامعہ حفصہ میں فوجی کارروائی کا سنگین الزام بھی شامل ہے۔ اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ کیونکہ صدر محترم نے صحافیوں کے ساتھ اپنی گفتگو میں کہا ہے کہ لال مسجد آپریشن ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے پاکستان کو ساری دنیا میں بدنام کر دیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس آپریشن سے صدر محترم نے کتنی نیک نامی کمائی ہے یا پھر پاکستان کتنا محفوظ ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مکافاتِ عمل اب ناگزیر ہو رہا ہے۔ جامعہ حفصہ کی معصوم بچیوں کا خون رنگ لا رہا ہے اور جلد ہی یہ خون اپنا خراج وصول کرے گا۔

خون آشام بھیڑیے اور
بے چارے پاکستانی

کیا ہم واقعی صرف بھیڑوں کا ایک گروہ ہیں کہ جس کا جب جی چاہے ہمیں لاٹھی سے ہانک کر اپنی مرضی سے لے جائے، اپنی مرضی سے ہمارا استعمال کرے، ہمارا استحصال کرے اور پھر ہمیں دوسرے کسی قصائی کے ہاتھ فروخت کر کے اپنا بوریا بستر باندھ کر چلا جائے۔ جی ہاں! اب ہمیں بطور قوم سنجیدگی سے سوچنا ہوگا ورنہ جس رفتار سے پاکستان کا برسر اقتدار اشرافیہ پاکستان کے 90 فیصد عوام کے گلے پر چھری چلا رہا ہے شائد اگلے کچھ سالوں میں من حیث القوم ہمارا وجود ہی نہ مٹ جائے۔ 29 جون کو جس طرح اچانک پٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں۔ یہ غریب بے کس، بے بس مجبور، مقہور اور زندہ در گور پاکستانی عوام کے بھوکے پیٹ میں زہریلا خنجر ہی نہیں گھونپا گیا بلکہ ہماری ہڈیوں سے گودا بھی نکال لیا گیا ہے۔ اچانک صوبہ سرحد میں آپریشن کا آغاز، ڈیزل کی کمیابی اور پٹرولیم قیمتوں میں ہوشربا اضافہ۔ کوئی کچھ بھی کہے۔ کیسی ہی دلیل کیوں نہ دی جائے۔ اس حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہے کہ یہ بین الاقوامی سازش کی کڑی ہے۔ پاکستان کے سخت جان عوام کو زندہ درگور کرنے کیلئے خفیہ ہاتھوں نے پھر حرکت کی ہے۔ شطرنج کی بساط پر کچھ مہرے آگے بڑھائے اور پیچھے کیے جا رہے ہیں اور جلد یا بدیر وہ روز بدلانے کی تیاریاں عروج پر ہیں جب پاکستانی عوام کو ایتھوپیا اور روانڈا کے عوام کی طرح زندہ لاشوں میں تبدیل کر کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اقوام متحدہ کے مکئی کے دانوں، سوکھے دودھ اور موٹی دال کے پیکٹوں کی بھیک پر زندہ رہنے کیلئے مجبور کر دیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی نے پٹرول کی قیمت میں 6.88 روپے فی لیٹر، ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں 5.02 روپے، لائٹ ڈیزل کی قیمت میں 4.47 روپے، ہائی آکٹین کی قیمت میں 8.09 روپے اور مٹی کے تیل کی قیمت میں 8.29 روپے فی لیٹر کا اضافہ کر دیا۔ اوگرا نے یکم جولائی سے پندرہ جولائی تک پٹرول مصنوعات کی قیمتوں میں 2 دن پہلے ہی اضافہ کر دیا۔ اوگرا کے مطابق پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں 10 فیصد اور مٹی کے تیل کی قیمت میں 30 فیصد اضافے کے بعد پٹرول 75.69 روپے فی لیٹر، ہائی اسپیڈ ڈیزل 55.15 روپے، لائٹ ڈیزل 49.06، مٹی کا تیل 49.73 اور ہائی آکٹین 88.86 روپے فی لیٹر ہوگا۔ ادھر ٹرانسپورٹروں نے پٹرول و ڈیزل کی نئی قیمتوں کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ اگر یہ اضافہ واپس نہ لیا گیا تو پہیہ جام ہڑتال کی جائے گی۔

پٹرولیم مصنوعات میں اس ہوش ربا اضافے کے بعد مہنگائی میں شدید ترین اضافہ ہوگا اور روزمرہ اشیائے صرف عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو جائیں گی۔ یاد رہے کہ حالیہ رپورٹوں کے مطابق اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں گزشتہ 6 برسوں میں اوسطاً ڈیڑھ سو فیصد سے بھی زائد اضافہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں تازہ بے رحمانہ اضافہ اونٹ کی کمر میں آخری تنکا ہی ہے، اور اس کے بعد حکمرانوں کے پاس یہ

کہنے کو کوئی جواز باقی نہیں رہتا کہ وہ عوام کی نمائندگی کا حق ادا کر رہے ہیں، موجودہ حکومت کو اقتدار میں آئے ابھی چار ماہ نہیں ہوئے ہیں، اس عرصے میں تیل کی قیمتوں میں تین بار جنگی بنیادوں پر اضافہ کیا جا چکا ہے، حکمران حسب عادت اس اضافے کو عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ جوڑ رہے ہیں حالانکہ ہمارے دیگر پڑوسی ممالک بھی اسی عالمی منڈی سے تیل خریدتے ہیں۔

بھارتی حکومت نے اسی رجحان کے دوران دو تین ماہ قبل تیل کی قیمتوں میں کمی کر دی تھی، گزشتہ ماہ حکومت کو مجبوراً دس فیصد اضافہ کرنا پڑا تو بھارتی وزیر اعظم نے باقاعدہ قوم سے خطاب کر کے اس اضافے کا جواز بتایا اور عوام کی تکالیف پر گہرے دکھ کا بھی اظہار کیا۔ ہمارے ہاں ہر دوسرے تیسرے ہفتے تیل کی قیمتوں میں فی لیٹر سات سات روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے، اور عوام کی حالت زار کا کسی کو احساس ہی نہیں، اب کی بار حکومت نے اس اضافے کیلئے ''پہلی'' تک بھی انتظار گوارا نہیں کیا اور نہایت خاموشی سے عوام کی رہی سہی قوت خرید پر شب خون مارا گیا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ صدر پرویز کی پالیسیوں کے نتیجے میں ملک معاشی طوائف الملوکی کی صورت حال سے دوچار ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ چینی کا تو مقامی اور عالمی سطح پر کوئی بحران نہیں ہے لیکن اس کی قیمت میں بھی روز بروز اضافہ ہوا ہے، اور تھوک مارکیٹ میں چینی کی فی بوری قیمت میں 120 روپے کا اضافہ ہوا ہے، گیس جو ملک کے اندر وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ اس پر بھی حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں اور گزشتہ کئی روز سے ایل پی جی کی قیمتوں میں روزانہ کی بنیاد پر اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق ایک ماہ کے دوران گیس کے 11.8 کلوگرام سلنڈر کی قیمت میں 190 روپے اور 45.5 کلوگرام سلنڈر کی قیمت میں 743 روپے کا خطیر اضافہ کیا گیا ہے۔ جس سے گھریلو اور پبلک ٹرانسپورٹ کے صارفین شدید طور پر متاثر ہو رہے ہیں۔ ادھر بجلی کی صورت حال یہ ہے کہ روزانہ آٹھ آٹھ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے اور شہریوں کو سخت گرمی میں شدید پریشانیوں کا سامنا ہے جبکہ واپڈا بجلی کی پیداوار بڑھانے کی بجائے اس کے نرخوں میں اضافے پر زور دے رہا ہے۔ بجلی کی قلت اور مہنگائی نے ملکی صنعت اور تجارت کا بھی تیا پانچہ کر دیا ہے۔

ایک تازہ اطلاع کے مطابق تاجروں اور صنعتکاروں نے عالمی بینک کی ہدایت پر ملک میں بجلی کے نرخ 10 روپے فی یونٹ بڑھانے کی اطلاعات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب تاجروں اور صنعتکاروں کو اپنا بوریا بستر باندھ کر کسی دوسرے ملک میں کام کرنے کی تیاری کرنا ہو گی۔ ملک میں نئی صنعتیں لگ نہیں رہیں اور جو صنعتیں کام کر رہی ہیں وہ بھی بند ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ مسلسل بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت نے صنعتکاروں کو کنارے لگا دیا ہے۔ اگر عالمی بینک کی ہدایت پر عمل کر لیا گیا تو ملک میں تیار ہونے والے کپڑے کی لاگت 35 تا 40 فیصد تک بڑھ جائے گی، اور ہم بے بسی سے اپنے لٹنے کا تماشا دیکھتے رہیں گے؟

زمینی سچائی یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے سو روپے ہمارے 130 روپے کے برابر ہیں۔ بھارت کے سو روپے ہمارے 160 یا 170 روپے کے برابر ہیں۔ کہاں گیا ٹریکل ڈاؤن اکانومی والا یہودی بینکوں کا ایجنٹ اور اس کے حواری۔ کوئی ہے جوان درندوں کو عدالتوں کے کٹہرے میں لائے۔

امریکہ کی طرف سے امداد کی تازہ کھیپ ملتے ہی صوبہ سرحد میں آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ ایف سی کے جوانوں نے ٹارگٹ علاقوں کو

گھیرے میں لے لیا ہے۔ باڑہ میں مکمل کرفیو کا نفاذ کر کے مقامی لوگوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے کے احکام جاری کر دیئے گئے اور لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے لوگوں کو گھروں تک محدود رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ باڑہ میں تمام کاروباری مراکز بند کر دیئے گئے اور تمام راستے سیل کر کے باڑہ جانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے جو آپریشن کے آغاز کے وقت پشاور پہنچے، کہا ہے کہ فاٹا سمیت صوبہ سرحد میں امن و امان کے قیام کیلئے ہر ممکن اقدام کئے جائیں گے اور حکومتی رٹ قائم کرنے کیلئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جائے گی، سرحد حکومت کو امن معاہدوں کیلئے مکمل آزادی دی گئی مگر دوسری طرف سے ان معاہدوں کی پاسداری نہیں ہوئی، حکومت کی رٹ ہر حالت میں قائم کی جائے گی تاہم اب بھی کوشش کی جائے گی کہ باہمی مفاہمت کے ذریعہ حالات کو معمول پر لایا جائے تاہم فوجی آپریشن حکومت کا آخری آپشن ہوگا۔

تحریک طالبان نے فاٹا میں فوجی کارروائی کو امن معاہدے کی خلاف ورزی سے تعبیر کر کے حکومت کے ساتھ ہر قسم کے مذاکرات معطل کرنے کا اعلان کیا ہے تاہم خیبر ایجنسی میں سرگرم تنظیم لشکر اسلام نے سکیورٹی فورسز کا مقابلہ نہ کرنے کا مستحسن اعلان کیا ہے۔ جس کے بعد توقع ہے کہ علاقے میں زیادہ خونریزی نہیں ہوگی اور حکومت کو ایک بار پھر مذاکرات کے ذریعے معاملہ حل کرنے کا موقع فراہم ہوگا۔ حکومت کو اپنی رٹ قائم کرنے کیلئے ضرور اقدامات کرنے چاہئیں لیکن اس کیلئے طاقت کا استعمال ہرگز ضروری نہیں ہے، اب تک کے تجربات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ طاقت کے استعمال سے معاملات سلجھنے کی بجائے مزید الجھتے ہیں، مقامی طالبان کے خلاف طاقت کا استعمال صرف خارجی آقاؤں اور ان کے آلہ کار عناصر کی خواہش ہے، محض ان کی اس خواہش پر قوم کے مفادات کو قربان نہیں کر دینا چاہئے، لیکن عملاً ایسا ہی ہو رہا ہے۔ خون آشام بھیڑیے اپنی لمبی زبانوں کے ساتھ پاکستانی عوام پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ مہنگائی اور دہشت کے ہتھیاروں سے مسلح ان بھیڑیوں کے منہ کو پاکستانی عوام کے خون کی چاٹ لگ چکی ہے آج ہمیں من حیث القوم یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم خاموشی سے ان کی خوراک بن جائیں گے یا اپنے زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیں گے۔......

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

عالمی مالیاتی ادارے

وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ بجلی عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ پر مہنگی کی گئی ہے، اور ان ہی اداروں کے کہنے پر حکومت نے باقی چیزوں سے بھی سبسڈی واپس لی ہے جس کی وجہ سے ملک میں مہنگائی کا طوفان آ گیا ہے۔ وزیراعظم نے بظاہر یہ بات حکومت پر آئے روز مہنگائی کا عذاب مسلط کرنے کے حوالے سے ہونے والی تنقید کے جواب میں کی ہے، لیکن دراصل انہوں نے ایک ایسی حقیقت سے آن ریکارڈ پردہ اٹھا دیا ہے جس کا علم تو قریباً ہر ذی شعور پاکستانی کو پہلے سے تھا، لیکن حکومت یہ بات تسلیم نہیں کرتی تھی۔ نوائے وقت میں ہونے والے مختلف فورمز میں قریباً ہر قابل ذکر لیڈر نے یہ بات کہی ہے، اور واپڈا کے حوالے سے خورشید احمد خان کا یہ بیان بھی ہم شائع کر چکے ہیں کہ ہم ورلڈ بینک کی طرف سے پابندیوں کی وجہ سے بجلی کی پیداواری استعداد بڑھانے سے قاصر ہیں کیونکہ ماضی کے معاہدے اس نوعیت کے ہیں۔

نوائے وقت کے قارئین ان ہی صفحات پر ''شیطانی کنیسہ'' کے نام سے ترجمہ ہونے والی اہم کتاب 'The Synagoge of Satan'' کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں، اور انہیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ کس طرح غریب اقوام کا خون چوستے ہیں اور اپنے تنخواہ دار ایجنٹوں کے ذریعے وہاں کس طرح اپنی مرضی کی حکومتیں مسلط کروا کر اپنی معاشی پالیسیاں جاری رکھتے ہیں۔ ماضی میں ایوب دور حکومت میں وزیرخزانہ شعیب احمد سے پاکستان کے دو امپورٹڈ وزرائے اعظم تک جن میں آخری شاہکار ''ٹریکل ڈاون اکانومی'' والے شوکت عزیز تھے' اس کی شاندار مثال ہیں۔ یہ لوگ ایک مخصوص ایجنڈے کے تحت تشریف لاتے ہیں، اور پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکال کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ ان کے سروں پر بیٹھے ہمارے صدور عموماً وہ آمر ہوتے ہیں جو اپنی چار روزہ عیاشی کیلئے ہر قیمت ادا کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں جن کی بدترین مثال گزشتہ دور حکومت تھا۔ ظاہر ہے نئی حکومت نے کاروبار مملکت سنبھالنے کے بعد کچھ تو انقلابی اقدامات کرنے تھے۔ ان کے ''انقلابی اقدامات'' اور وہ ''خفیہ معاہدے'' جو بدقسمتی سے کبھی آن ریکارڈ نہیں آتے' اس امر کے متقاضی تھے کہ پاکستان میں مہنگائی کا سیلاب آئے اور ایسا ہی ہوا۔

گزشتہ سال کے دوران اور نئے مالی سال کے آغاز پر ہمارے کارپردازان حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجے میں ملک میں معاشی غدر کی جو صورتحال پیدا ہوئی اس کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ بوجھ اس ملک کے غریب عوام پر ہی ڈالا گیا۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کو جواز بنا کر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں جنگی بنیادوں پر اضافے کیے گئے، جن سے اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان تک جا پہنچیں لیکن جب اسی عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں گریں تو ہماری عوامی حکومت کو تیل کے نرخوں میں کمی کا خیال نہیں آیا اور ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود قیمتیں آج بھی اسی سطح پر ہیں جہاں تیل کی فی بیرل قیمت 145 ڈالر ہونے پر مقرر کی گئی تھیں بلکہ وفاقی وزیرخزانہ کے مطابق اگلے ایک ماہ تک

تیل کی قیمتوں میں ردوبدل کرنے کا حکومت کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے۔

تیل کی قیمتوں میں کمی کرنے کی بجائے حکومت نے سابق وزیراعظم شوکت عزیز کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے صرف یوٹیلٹی سٹورز پر اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی کا اعلان کیا ہے اور وہ بھی صرف 10 فیصد تک۔ وفاقی وزیرخزانہ سید نوید قمر اور یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر بریگیڈیئر (ر) حفیظ احمد نے ہفتہ کو ایک پریس کانفرنس کے دوران رمضان پیکیج کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن رمضان کے دوران آٹے' چینی' دالوں اور دیگر اشیائے ضروریہ سمیت 1300 اشیاء کی قیمتوں میں کمی کر کے عوام کو ریلیف فراہم کرے گی۔ پیکیج کے مطابق ملک بھر میں یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن عوام کو 15 روپے کلو کی کم قیمت پر آٹا فراہم کرے گی جس سے عوام کو 9 سے 10 روپے فی کلو کی قیمت میں جبکہ چینی ساڑھے 30 روپے کلو دستیاب ہوگی۔ دال چنا 47 روپے' سفید چنا 63 روپے' بیسن 59 روپے اور چائے 375 روپے فی کلو کی قیمت پر دستیاب ہوگی۔ 1300 فوڈ اور نان فوڈ اشیاء پر 5 سے 10 فیصد ریلیف فراہم کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ اس سے قبل حکومت کی جانب سے گزشتہ تین چار مہینوں کے دوران یوٹیلٹی سٹورز میں دستیاب اشیاء کی قیمتوں میں 30 سے 50 فیصد تک اضافہ کیا گیا تھا جس کے بعد یوٹیلٹی سٹورز کی افادیت ہی ایک سوالیہ نشان بن گئی تھی۔

اب ان قیمتوں میں محض 10 فیصد تک کمی اونٹ کے منہ میں زیرہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی' خصوصاً اس تناظر میں کہ اس وقت بھی ملک کی کل آبادی کی اکثریت کی یوٹیلٹی سٹورز تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ جس روز حکومت کی جانب سے رمضان پیکیج کا اعلان کیا گیا' اسی روز وفاقی وزیرخزانہ سید نوید قمر نے نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی ''نوید مسرت'' سنادی کہ وفاقی حکومت نے بجلی کے نرخوں میں 31 فیصد اضافے کا فیصلہ کر لیا ہے' جس کا باضابطہ اعلان صدارتی انتخابات کے بعد کیا جائے گا۔ گویا کہ حکومت نے رمضان پیکیج کے ذریعے ایک ہاتھ سے ملک کے ایک محدود طبقے کو جو تھوڑا بہت ریلیف دینے کا انتظام کیا ہے تو دوسرے ہاتھ سے بجلی کی قیمتوں میں یکمشت 31 فیصد تک اضافے کی شکل میں اسے دگنا تگنا کر کے پورے ملک کے عوام سے وصول کرنے کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔

یہ بھی درحقیقت اسی ''اِس ہاتھ سے دو اُس ہاتھ سے لو'' پالیسی کا تسلسل ہے جس سے سابق صدر پرویز مشرف کی اقتصادی ٹیم کے سربراہ اور سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے قوم کو ''متعارف'' کرایا تھا اور جسے وہ ''ٹریکل ڈاؤن اکانومی'' کہتے تھے۔ وفاقی کابینہ نے گزشتہ دنوں اشیاء تعیش کی قیمتوں پر ڈیوٹی لگانے کا جو اقدام کیا تھا' اسے بالعموم سراہا گیا تھا اور توقع رکھی جارہی تھی کہ ڈیوٹی کی مد میں ہونے والی آمدنی سے عوام کو بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں میں ریلیف دیا جائے گا لیکن......

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

دوسری طرف اخباری اطلاعات کے مطابق اس فیصلے سے بھی غریب اور متوسط طبقہ ہی متاثر ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک رپورٹ کے مطابق حکومت کی جانب سے درآمدی ڈیوٹی میں اضافے کے باعث برقی استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں 40 فیصد تک ہوشربا اضافہ ہو گیا ہے۔ وفاقی ادارہ آمدن (ایف بی آر) کے مطابق پر تعیش اشیاء میں گیس برنر' کوکنگ رینج' مائیکرو ویو اوون' پیڈسٹل' ایگزاسٹ اور سیلنگ پنکھے' اے سی' فریج اور

واشنگ مشینوں پر مجوزہ اضافی کسٹم ڈیوٹی کی شرح 15 فیصد ہے جبکہ الیکٹرانک کوکنگ رینج' اوونز' گرلرز' ٹوسٹر' کافی وینڈرز' استری' جوسر و بلینڈرز و دیگر اشیاء پر مجوزہ اضافی کسٹم ڈیوٹی کی مد میں 20 فیصد وصول کیے جائیں گے۔اس طرح برقی استعمال کی اشیاء جو پہلے عام آدمی کی پہنچ میں تھیں۔اب پر تعیش قرار دے کر متوسط آمدنی کے طبقے کی پہنچ سے دور کی جا چکی ہیں۔موبائل فونز جواب اشیاء تعیش نہیں رہے اور جن پر پہلے ہی 500 روپے کسٹم ڈیوٹی کی مد میں عائد کیے گئے تھے اب مزید 250 روپے تک مہنگے ہو گئے ہیں۔

حکومت کی جانب سے پر تعیش اشیاء پر اضافی ڈیوٹی کے نفاذ اور افراط زر کو قابو میں کرنے کی انہی پالیسیوں کے باعث آٹو موبائل کی فروخت میں حد درجہ کمی کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔مقامی اسمبلنگ کار کمپنیوں کی جانب سے 5 فیصد فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی اور ایک فیصد جنرل سیلز ٹیکس اضافے کو بھی صارفین پر منتقل کیا جا رہا ہے۔جس سے ان کمپنیوں کی مصنوعات کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے جبکہ گاڑیوں کی رجسٹریشن پر ود ہولڈنگ اور لگژری ٹیکس کے نفاذ سے گاڑیوں کی خریداری مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔گویا کہ درآمدی اشیاء پر ڈیوٹی عائد کرنے کے حکومتی فیصلے میں بھی صارفین کو ہی ہدف بنایا گیا ہے۔اس طرح متوسط طبقے کیلئے ذاتی سواری کا حصول بھی اب ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔بجلی کی قیمت میں اضافے کا جو عذاب ہم پر جلد ہی نازل ہونے والا ہے' وہ اس کے سوا ہے۔یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ہمارے ارباب اختیار خصوصاً وہ لوگ جو عالمی مالیاتی اداروں کے نمک خوار ہیں' یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ پاکستانی عوام بھی دنیا کے دوسرے انسانوں کی طرح گوشت پوست سے بنے ہیں۔جن کی ہڈیوں میں بھی اتنا ہی گودا ہے جتنا عام انسانوں کی ہڈیوں میں ہوتا ہے۔حکومتی پالیسیاں اگر عالمی اداروں ہی کی مرہون منت ہیں تو کیا ہم خود کو آزاد ملک کے شہری کہہ سکتے ہیں؟ یہ بد قسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم آج 61 سال کے بعد بھی یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملک توڑنے کا ایجنڈا بڑے زور و شور سے پورا کیا جا رہا ہے اور "شر کے مصاحب" ایک دوسرے سے بڑھ کر خود کو وفادار ثابت کرنے کے مشن پر گامزن ہیں۔ان حالات میں جبکہ ملک کا وزیراعظم عوام کو عالمی اداروں کی غنڈہ گردی کے ہاتھوں مجبوری کا نوحہ سنا رہا ہو' پاکستانی عوام کیا کریں......؟ کدھر جائیں......؟

چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر!

مکافاتِ عمل سے کسی کو مفر نہیں۔ انسان کتنا ہی چالاک ہوشیار عیار مکار ہو اور کیسا ہی طاقتور ہونے کا گمان رکھتا ہو۔ ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب اسے حالات کے سامنے سرنڈر کرنا پڑتا ہے، اور اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اقتدار کی لت سے بڑا نشہ شاید دنیا میں اور کوئی نہیں۔ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان اس نشے کا عادی رہا ہے اور زیادہ حاصل کرنے کی ہوس جسے ''ہل من مزید'' قرآن پاک نے قرار دیا بسا اوقات انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی، لیکن کیا کیا جائے کہ انسان قرآن کے الفاظ ہی کے مطابق نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے انتہائی گھٹیا قسم کے مفادات پر سودے بازی کرتا ہے۔ اپنے ضمیر اور ملکی سالمیت کے خلاف ہر وہ اقدام کرتا ہے جس سے اس کے مفادات وابستہ ہوں لیکن آخر کب تک بالآخر مکافاتِ عمل شروع ہوتا ہے، اور دستِ غیب سے ایسی سیاسی شطرنج تشکیل پاتی ہے جس میں اس بادشاہ گر کی حیثیت ایک مات کھائے ہوئے مہرے سے زیادہ اور کچھ نہیں رہ جاتی لیکن یہاں بھی وہ اپنی نیچر کے مطابق شکست تسلیم نہیں کرتا اور مزید سازشیں کرتا چلا جاتا ہے جس کا انجام بالآخر قعرِ مذلت کی گہرائی ہے جہاں سے اسے کبھی باہر نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔

اگر قیامِ پاکستان سے آج تک کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بہت واضح ہو گا کہ ہمارے بیشتر طالع آزما فوجی جرنیل جب زمام اقتدار سنبھالتے ہیں تو سول حکومت پر بڑے گھناؤنے الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ سیاستدانوں کی کردار کشی کی جاتی ہے، اور ایک ایسا نام نہاد سا محکمہ بھی ضرور قائم کر دیتے ہیں جسے ان کی زبان میں ''محتسب'' لیکن اصل میں بلیک میلر کہا جاتا ہے۔ یہ محکمہ بظاہر تو اس لئے قائم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ملکی خزانہ لوٹا تھا ان پر گرفت کرے۔ کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے اور ایسا ہوتا بھی ہے کچھ لوگ ضرور اس کا نشانہ بنتے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے، اور عموماً ان کا تعلق اس شعبہ زندگی سے ہوتا ہے جس کا حکومت سازی میں کوئی کردار نہ ہو یا نہ ہونے کے برابر ہو۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے مگرمچھ جنہوں نے قوم کا اربوں روپیہ ہڑپ کیا ہو اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے اپنے قرضے بھی معاف کروا لئے ہوں فوجی حکومت کے زیرِ سایہ قائم ہونے والی سویلین حکومت میں بڑے نمایاں عہدوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کارِ خیر اس محتسب کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، جو فوجی آمروں کے دعوؤں کے مطابق کرپشن کا خاتمہ کرنے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں لیکن جو بدترین اور کرپٹ سیاستدانوں کو قوم پر بطور عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔

بدقسمتی سے شرمناک ہی سہی لیکن یہ ہماری تاریخ ہے جسے ہر آمرِ مطلق مختلف انداز سے دہراتا ہے اور اس پر اکڑفوں بھی دکھاتا ہے۔ یہ الگ بات کہ بے بس عوام اگر ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے تو قدرت ضرور ان پر اپنا شکنجہ کستی ہے اور ایک روز وہ چوہا دان میں اسی طرح پھنستے ہیں کہ پھر نجات کی کوئی راہ میسر نہیں آتی۔

18 فروری کے انتخابات کن حالات میں ہوئے؟ کن مراحل سے گزر کر قوم نے یہ ٹارگٹ حاصل کیا۔ اس سے ہر باشعور شہری بخوبی آگاہ ہے۔ جب تک جناب شریف الدین پیرزادہ' ڈاکٹر شیر افگن اور اب اٹارنی جنرل ملک قیوم جیسے ماہرین آئین موجود ہیں ہر ڈکٹیٹر کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکلتا رہے گا اور آئین کی دھجیاں اڑتی رہیں گی۔ کیا ہم آج یہ بات کہنے لائق رہے ہیں کہ 73ء کا آئین جسے ہم بڑے فخر سے متفقہ آئین کہا کرتے ہیں اپنی اصل حالت میں موجود ہے؟ جی نہیں۔ اس کا 80 فیصد حلیہ اگر فوجی آمروں نے بگاڑا ہے تو 20 فیصد پر سول حکمرانوں نے ہاتھ صاف کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے کوئی نئی حکومت وجود میں آئی ہے اس کے سر پر کوئی نہ کوئی آئینی شق کی تلوار لٹکتی دکھائی دیتی ہے۔

18 فروری کو قوم نے سیاسی جماعتوں کو جو مینڈیٹ دیا۔ اس نے یہ بات ثابت کر دی کہ پاکستان کے لوگ بہت باشعور ہیں اور اب وہ گلی محلوں کی نالیوں' سڑکوں اور گھر کے گٹروں سے بلند ہو کر سوچنے لگے ہیں۔ انہوں نے اس بنیاد پر ووٹ مانگنے والوں کو صرف اس لئے ووٹ نہیں دیئے کہ ان کے خیال میں یہ لوگ ایک آمر مطلق کے ساتھ اور پاکستان کو امریکی غلامی کی گود میں دھکیلنے والوں کے دست راست تھے، لیکن حیرت ہے کہ ہارنے کے باوجود یہ لوگ بڑی ڈھٹائی سے اپنی جیت کے ڈنکے بجاتے رہے۔ صدارتی محل کو سازشوں کا گڑھ بنائے رکھا اور ہر لمحہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔ ایک بے نام سا خوف غریب عوام کے ذہنوں پر طاری تھا ہارنے والے جواری جن کا سب کچھ لٹ چکا تھا اپنی نام نہاد سیاسی دانش کے ڈنکے بجانے مختلف چینلز پر براجمان ہوئے اور ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ یہ حکومت نہیں بن سکے گی۔ جوتیوں میں دال بٹے گی۔ یہ لوگ اکٹھے نہیں چل سکتے وغیرہ وغیرہ، لیکن ان کی ساری بد دعائیں حسرت بن گئیں۔ حکومت بھی بن گئی۔ وزیر اعظم کا انتخاب بھی ہو گیا۔ ایک دوسرے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والی جماعتیں بھی ایک اتحاد میں بندھ گئیں۔

28 فروری سے 19 مارچ تک صدر محترم اور ان کے ساتھی قوم کو ڈراتے رہے اور مسلسل جوڑ توڑ میں مصروف رہے متعدد مرتبہ یہ کہا گیا کہ یہ صدر محترم کے عہدے کے شایان شان نہیں بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور بادل نخواستہ انہوں نے نہ صرف قومی اسمبلی بلکہ اب صوبائی اسمبلیوں کے سیشن بھی انتخابات کے نتائج کے قریباً پونے دو ماہ بعد کال کر لئے ہیں اس درمیان کیا کیا سازشیں ہوتی رہیں کن کن کارنرز سے متعلقہ کامیاب سیاستدانوں پر دباؤ ڈالا اور ڈلوایا گیا۔ امریکی اور دیگر سفارتکاروں نے کس کس انداز سے اپنا کام کیا یہ بھی ہماری بد بخت قومی تاریخ کا حصہ ہے۔ آخری لمحات تک ہمارے سیاستدانوں سے غیر ملکی اور پاکستانی سیاست و معیشت پر اثر انداز ہونے والے ملکوں کے سفارتکاروں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سب کے باوجود ایک قومی حکومت کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔

سید یوسف رضا گیلانی گذشتہ حکومت کے سزا یافتہ ہیں۔ آپ کو غریب لوگوں کو اسمبلی میں معمولی ملازمتیں دینے کے جرم میں چار سال قید کاٹنی پڑی جہاں سے انہوں نے ''چاہ یوسف سے صدا'' کے عنوان سے اپنی آپ بیتی بھی لکھی تھی۔ آج وہی صدر مشرف انہیں بطور وزیر اعظم قبول کریں گے۔ یہ تاریخ اور قدرت کا انصاف ہے کوئی اس کا جیسا بھی مطلب نکالے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قدرت صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کو بتا رہی ہے کہ انسان کتنا ہی با اختیار کیوں نہ ہو بہت بے بس ہوتا ہے، اور ہمیشہ رہنے والی صرف اللہ کی ذات بابرکات ہے۔ باقی سب کو فنا ہے لیکن افسوس ہمارے کمانڈو جرنیل ابھی تک آخری مکا لگانے کے چکر میں دکھائی دے رہے ہیں۔

نئی حکومت کے سامنے بڑے مشکل چیلنج ہیں۔سب سے بڑا چیلنج تو اس حکومت کا قیام ہی تھا جو ختم ہو چکا۔اب وہ وعدہ ہے جو انہوں نے مری میں قوم سے کیا تھا کہ 30 دن کے اندر عدلیہ کو بحال کیا جائے گا۔جب عدلیہ کا لفظ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد پاکستان کے مایہ ناز سپوت چیف جسٹس افتخار چودھری ہیں اور شنید ہے کہ اب کوئی ایسا فارمولا لایا جا رہا ہے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے جبکہ بظاہر ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔اگر ایسا کوئی فارمولا چیف جسٹس کو نفی کر کے سامنے لایا گیا تو قوم اسے قبول نہیں کرے گی،اور موجودہ حکومت کے لئے لاینحل مسائل کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ آستین کے سانپ اور حکومت کے بدخواہ جو اس سے پہلے آمریت کے حاشیہ بردار تھے اچانک جمہوریت کے مامے بن جائیں گے۔مہنگائی کا طوفان امڈا چلا آتا ہے اور ملکی معیشت کی ''ٹریکل ڈاؤن ٹیکنالوجی'' کا بانی اپنا مشن مکمل کر کے ملک سے فرار ہو چکا ہے۔

دہشت گردی نے پاکستان پر لرزہ طاری کیا ہوا ہے،اور امریکہ کی طرف سے آئے روز پاکستان کے شمال مغربی علاقوں میں مداخلت اور بمباری سے پاکستان کے اس بازوئے شمشیر زن کے غصے اور انتقام کی آگ اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی ہے۔ان مسائل سے نمٹنا تو مشکل ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں۔ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے،اور اسے یقین آ جائے کہ یہ حکومت اپنا ایجنڈہ یعنی پاکستان کی فلاح و بہبود کا ایجنڈہ لے کر آئی ہے تو یاد رکھئے روئے زمین پر پاکستانیوں سے زیادہ بڑھ کر قربانی دینے والی اور کوئی قوم بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔

❁

APDM

9 دسمبر کو ایک طویل نشست کے بعد بالآخر اے پی ڈی ایم کے زعما بغیر کسی نتیجے پر پہنچے اس فیصلے کے ساتھ اٹھ گئے کہ اے پی ڈی ایم میں شامل ہر پارٹی کو الیکشن میں حصہ لینے یا بائیکاٹ کرنے کا انفرادی اختیار حاصل ہے جس کے بعد مسلم لیگ (ن)، اے این پی، جے یو پی کے ایک گروپ اور جمعیت اہلحدیث (ساجد میر) نے الیکشن لڑنے جبکہ جماعت اسلامی، تحریک انصاف، بی این پی، پونم اور دیگر پارٹیوں نے الیکشن بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلم لیگ (ن) کے صدر شہباز شریف نے رات گئے فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے امید ظاہر کی ہے کہ اے پی ڈی ایم کی پارٹیاں کسی فیصلے پر متفق تو نہیں ہو سکیں لیکن ان کا اتحاد ضرور قائم رہے گا اور وہ بھی پیپلز پارٹی کی طرح الیکشن میں بطور احتجاج حصہ لے رہے ہیں۔ اس سوال سے قطع نظر کہ میاں صاحبان نے پہلے بائیکاٹ کا فیصلہ کیوں کیا اور اب واپس کیوں لیا؟ اس فیصلے کا عوامی سطح پر اس لئے بھی خیر مقدم کیا جائے گا کہ مقابلہ کر کے میدان ہارنا اور بغیر مقابلہ کے میدان ہارنا دو بالکل مختلف باتیں ہیں۔ اگر حکومت نے دھاندلی کرنے کی ٹھان ہی لی ہے تو اس کا ثبوت عالمی برادری کے سامنے تب ہی آئے گا تو جب آپ میدان اتریں گے اگر آپ الیکشن میں حصہ ہی نہیں لیں گے تو عین ممکن ہے کہ آپ کی بات میں وہ وزن نہ رہے جو بصورت دیگر رہے گا۔

جہاں تک مسلم لیگ (ن) کے اس فیصلے کا تعلق ہے تو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ میاں نواز شریف 9 دسمبر تک اس لئے بائیکاٹ کی بات کر رہے تھے کہ ان کے نزدیک اے پی ڈی ایم کا اتحاد زیادہ اہمیت رکھتا تھا وگرنہ ان کی اپنی جماعت کی طرف سے تو ان پر زبردست دباؤ تھا کہ انتخابات میں حصہ لیں خصوصاً پنجاب جہاں انہیں زیادہ سیٹیں ملنے کی امید ہے کی طرف سے تسلسل سے یہ بات کہی جا رہی تھی کہ میدان خالی چھوڑنے سے ان کے ووٹر مایوس ہوں گے اور مسلم لیگ (ق) کی طرف جائیں گے جو کسی بھی لحاظ سے مسلم لیگ (ن) کے لئے احسن نہیں تھا۔

دوسری طرف میاں صاحب کے سیاسی مخالفین جن میں چوہدری برادران نمایاں ہیں متعدد مرتبہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ میاں صاحب الیکشن کا بائیکاٹ نہیں کریں گے اور بقول چوہدری شجاعت کے (جو ابھی تک اس بات پر قائم ہیں کہ میاں صاحبان ڈیل کر کے واپس آئے ہیں) ان کی ڈیل میں یہ بات شامل ہے کہ وہ الیکشن میں حصہ لیں گے گو کہ اپنی آمد کے بعد سے میاں نواز شریف مسلسل اصرار کر رہے ہیں کہ وہ کسی ڈیل کے ذریعے نہیں بلکہ صرف ملک کی خدمت کے لئے واپس آئے ہیں اور ان کا مطمع نظر کرسی کا حصول نہیں ملک کی سلامتی ہے۔ اگر میاں نواز شریف کے اس دعوے کا جائزہ لیا جائے تو ان کے حق میں یہ بڑی مضبوط دلیل ہے کہ اگر وہ چاہتے تو پاکستانی عوام میں اپنی اچھی ساکھ کی بنیاد پر کوئی بھی بڑی ڈیل کر سکتے تھے اور اب ہی نہیں اب سے بہت پہلے کر سکتے تھے کیونکہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ میں اب بھی زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو محترمہ بے نظیر پر بہر حال میاں نواز شریف کو فوقیت دیں گے۔ خصوصاً پاکستان کے عسکری حلقے انہیں محترمہ بے نظیر سے زیادہ قابل اعتبار جانتے ہیں۔ بین الاقوامی

سروے جو آج تک سامنے آ رہے ہیں ان کے مطابق ابھی تک میاں نواز شریف پاکستان میں سب سے زیادہ مقبول ہیں اور ان کی مقبولیت کا گراف گرنے کی بجائے مسلسل بڑھ رہا ہے جبکہ جنرل (ر) مشرف اس سے متضاد صورتحال کا شکار ہیں اور ان کی مقبولیت کا گراف مسلسل گر رہا ہے۔

اس وقت پاکستان میں دو نقطہ نظر اپوزیشن کے بت واقع ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ کسی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر الیکشن کا بائیکاٹ کیا جائے، اور اس وقت ہی الیکشن میں حصہ لیا جائے جب 3 نومبر کے ایمرجنسی حکم کے بعد برخاست کی جانے والی عدلیہ کو بحال کیا جائے کیونکہ اس تحریک میں جسے جنرل (ر) مشرف مخالف تحریک کا نام دیا جا سکتا ہے، سب سے اہم کردار چیف جسٹس افتخار چوہدری کا ہے۔ جنہوں نے صدر مشرف کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر کے عدلیہ کی ایک روشن اور قابل تقلید روایت قائم کی ہے۔ ان کے دلیرانہ فیصلوں نے پاکستانی عوام خصوصاً سول سوسائٹی میں یہ امید روشن کی ہے کہ اب انصاف کا حصول پاکستان میں ممکن ہے۔

اس نقطہ نظر کے حامیوں میں غایت تعداد وکلاء کی ہے۔ گزشتہ دنوں وکلاء نے آل پاکستان کنونشن میں بھی تمام جماعتوں سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ انتخابات کا اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھیں جب تک کہ حکومت 3 نومبر کے اقدامات واپس نہیں لیتی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے آمرانہ اقدامات کو چیلنج کرنے اور انہیں دیوار سے لگانے میں سب سے اہم رول وکلاء برادری کا ہے جنہوں نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار چوہدری کی اپنے عہدے سے جبری علیحدگی اور ان کے خلاف حکومت کے نام نہاد ریفرنس کے بعد ملک کے ایک سے دوسرے سرے تک شدید صدائے احتجاج بلند کی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک کہ چیف جسٹس دوبارہ بحال نہیں ہوئے۔ گو کہ چیف جسٹس کی بحالی بھی عدالتی احکامات کے تحت ہوئی اور حکومت نے یہ کڑوی گولی جیسے تیسے نگل لی۔

اپنی بحالی کے بعد حکومت کو چیف جسٹس سے یہ امید ضرور تھی کہ وہ ماضی کی طرح حکومت سے "بہیمانہ سلوک" کے بجائے اس مرتبہ اپنا ہاتھ ہولا رکھیں گے لیکن حیرت انگیز طور پر جسٹس افتخار چوہدری نے کسی بھی سطح پر کسی بھی طرح کا کمپرومائز کرنے سے انکار کر دیا الا یہ کہ انہوں نے دو تین مرتبہ صدر مشرف کی طرف سے ملاقات کی خواہش یا کسی حکومتی دعوت میں شرکت سے بھی انکار کر دیا اور اپنا کام جاری رکھا۔

پاکستان میں کسی جمہوری حکومت کے لئے بھی جوڈیشل ایکٹوازم شاید کبھی اس حد تک قابل برداشت نہیں رہا یہ تو بہر حال ایک مارشلائی نظام کا تسلسل تھا۔ دوبارہ جب انہوں نے پھر سے اغوا ہونے والے پاکستانیوں کی بازیابی کے لئے نیم بسمل ان کے پیاروں کی اشک شوئی شروع کی اور حکومت کے غیر آئینی اقدامات کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اغوا ہو کر غائب ہونے والے شہریوں کی برآمدگی کے احکامات جاری کیے تو صدر مشرف کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہو گئی۔ ان کے غمخواروں نے کھل کر دھمکیاں دینی شروع کیں کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو صدر کوئی سخت قدم بھی اٹھا سکتے ہیں لیکن ماضی کی طرح ان کی ایسی بے سروپا باتوں پر کسی نے کان نہ دھرے۔ یہ باور کیا جانے لگا تھا کہ شاید وکلاء اور ملک کی سول سوسائٹی جس طرح متحرک ہوئی ہے۔ اس کے بعد شاید حکومت کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کئی مرتبہ سوچے گی جبکہ شیخ رشید جیسے گھاگ جہاندیدہ اشارے کنایے میں سمجھا رہے تھے کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ تمہیں حکومت کی طاقت کا اندازہ نہیں خصوصاً ایک ایسا صدر جو امریکی صدر کا بھی پسندیدہ رہا ہو اور جس کو امریکہ بہادر پاکستان سے آیا وہ تاس کی اپنی حیثیت میں اہمیت دے رہا ہو اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ بہر حال جب شیخ رشید

جیسے لوگوں کی وارننگ پر بھی کان نہ دھرے گئے تو وہی ہوا جس کا خطرہ تھا اور صدر محترم نے 3 نومبر کو ایمر جنسی پلس نافذ کر دیا جس میں سب سے پہلا وار عدلیہ پر ہوا۔ ان تمام ججوں کو ریٹائر کر کے گھر روانہ کر دیا گیا جن سے امید تھی کہ وہ حکومت کے راستے میں کسی بھی طرح روڑے اٹکائیں گے۔ جاتے جاتے چیف جسٹس افتخار چوہدری نے ایمر جنسی کے خلاف فیصلہ دیا وہ حکومت کے لئے ایک اور مصیبت بن گیا۔ اس کے بعد تو صدر مشرف کے لئے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں بچی۔ نتیجہ یہ ظاہر اب جج صاحبان اپنے گھروں میں اور تحریک وکلاء کے لیڈر صاحبان جیلوں کے بعد اپنے گھروں میں نظر بند ہیں۔

اس نقطہ نظر کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اب الیکشن سے زیادہ اہم مسئلہ عدلیہ کی بحالی ہے کیونکہ قوم کے دلوں میں امید کی کرن اسی عدلیہ نے جگائی تھی اور یہی عدلیہ آئندہ بھی ملک کی قسمت کے اہم فیصلے کر سکتی تھی اس لئے وہ کسی بھی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر بائیکاٹ پر زور دے رہے ہیں اس نقطہ نظر کے حامیوں میں عمران خان اور قاضی حسین احمد نمایاں ہیں لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے اسے کبھی بھی اس حقائق سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات کہنے والا کون ہے؟ اس کی پارٹی نے اسمبلی میں کتنی سیٹیں حاصل کی تھیں، اور مروجہ سیاسی دوڑ میں اس کا نمبر کون سا ہے؟ بدقسمتی سے عوام خصوصاً نوجوانوں میں بے پناہ مقبولیت کے باوجود عمران خان ابھی تک اس پوزیشن میں نہیں کہ اگلے انتخاب میں ان کی جماعت کوئی نمایاں حیثیت حاصل کر سکے۔ یہی حال جماعت اسلامی کا ہے۔ پاکستانی عوام خصوصاً سیاسی حلقوں میں یہ بات راسخ ہے کہ جماعت اپنی حیثیت میں دو تین سے زیادہ سیٹیں ہرگز حاصل نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کے لیے کولیشن اور کسی گٹھ جوڑ کے ساتھ سیٹیں حاصل کرنے کے مواقع زیادہ روشن ہیں یہ باور کیا جاتا ہے کہ جماعت بھی اپنا بھرم بنائے رکھنے کے لئے اتحادی سیاست پر ہی زیادہ زور دے گی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے جو فیصلہ پہلے روز کر لیا تھا وہ میاں نواز شریف نے بعد از خرابی بسیار کیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن جن کے متعلق عموماً حکومت کی بی ٹیم ہونے کا عندیہ دیا جاتا ہے کے متعلق یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ کم از کم سرحد میں وہ کسی بھی پارٹی سے اتحاد کر کے اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں اور بلوچستان میں اپنی حیثیت میں حکومت کا اہم حصہ بن سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے خود کو وزارت عظمٰی کی دوڑ میں شامل کر لیا ہے۔ ایم ایم اے کا حصہ ہونے کے باوجود ان کی طرف سے فوراً انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی سیاسی طاقت کا جائزہ لینے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ مولانا فضل الرحمٰن کا استدلال شروع سے یہی رہا ہے کہ اے پی ڈی ایم کی جو پارٹیاں الیکشن بائیکاٹ کی طرف جا رہی ہیں وہ لیٹر پیڈ پارٹیاں ہیں جن کی رائے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

اس مرحلے پر محترمہ بے نظیر بھٹو کی سیاسی بصیرت کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی، جو نواز شریف کو بار بار یہی مشورہ دے رہی تھیں کہ وہ بائیکاٹ سے احتراز کریں اور حکومتی پارٹی کو دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے لئے میدان خالی نہ چھوڑیں اگر ایسا کیا گیا تو 3 نومبر کے تمام فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے گی جبکہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) مل کر اس کے راستے کی دیوار بن سکتے ہیں۔

انتہائی معتبر ذرائع کے حوالے سے یہ خبر بھی سامنے آئی ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے میاں نواز شریف کو 9 دسمبر کو دوران اجلاس فون کر کے 18 ویں ترمیم کا راستہ روکنے کے معاہدے کی پیشکش بھی کی ہے۔ انہوں نے میاں صاحب سے کہا تھا کہ اگر انہوں نے الیکشن نہ لڑا تو مشرف کو 3

نومبر کے اقدامات کی پارلیمنٹ سے توثیق کا موقع مل جائے گا جبکہ دونوں جماعتیں مل کر پارلیمنٹ میں عدلیہ کی بحالی کا ٹارگٹ حاصل کرسکتی ہیں۔

قاضی حسین احمد کے اس شکوے کے باوجود کہ میاں نواز شریف نے ان سے الگ راستہ اپنے ساتھیوں کے دباؤ میں اختیار کیا تھا اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ محترمہ کے اس فون نے بھی میاں صاحب کی رائے میں کوئی نہ کوئی کردار ضرور ادا کیا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود وکلا تحریک نے بھی اس صورتحال کی تبدیلی میں سب سے زیادہ موثر اور اہم کردار ادا کیا ہے ورنہ سرکاری ماہرین آئین جن میں سردار شیر افگن، شریف الدین پیرزادہ اور اب فیصلے میں اٹارنی جنرل ملک قیوم جیسے نابغہ روزگار بھی شامل ہو گئے ہیں ضرور پاکستانی آئین سے کوئی ایسا راستہ تلاش کر لیتا تھا کہ فلاں شق کو فلاں سے اور فلاں شق کو فلاں سے ملا کر اگر غور سے پڑھا جائے تو ایسے موجودہ حکومت کے لئے مزید بیس سال حکومت کرنے کی گنجائش موجود ہے ایسے آئینی معرکے اس سے پہلے انجام پا چکے ہیں۔ یہ وکلاء اور سول سوسائٹی قربانیوں کا ثمر تھا کہ حکومت کو بہر حال اسمبلی کی معیاد پوری کرنے کے بعد الیکشن کے لئے جانا پڑا لیکن اس کے باوجود حکومت کے لئے میدان خالی چھوڑنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم لیگ (ن) اور دیگر اپوزیشن جماعتیں کوئی ایسا لائحہ عمل اختیار کریں کہ انہیں اسمبلیوں میں کم از کم حکومتی فیصلوں کو تبدیل کرنے کا اختیار ضرور حاصل ہو جائے عین ممکن ہے اگر متحدہ اپوزیشن کسی واضح پروگرام کے تحت الیکشن لڑے تو ایسے بعض انقلابی تبدیلیوں کا نظارہ بھی کر لیں۔ آج 16 دسمبر ہے اور امید ہے کہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے ایمرجنسی ہٹالی ہوگی۔ عین ممکن ہے اگلے چند دنوں میں کچھ اور انقلابی اقدامات بھی دیکھنے کو ملیں۔

سکے جمع کرنے کا شوق

جاوید انور خان پاکستانی نژاد ہالینڈ کے شہری ہیں جن کا شمار دنیا کے چند ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو سکے جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، اور جن کے پاس دنیا کے بہت سے نایاب سکے ہیں۔ جاوید انور خان پیشے کے لحاظ سے صحافی ہیں اور ہالینڈ سے ایک آدھ رسالہ بھی نکالتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کی کئی نایاب ویڈیو فلمز بھی جمع کی ہوئی ہیں۔ انہیں خود ڈاکومنٹریز بنانے کا شوق بھی ہے اور اب تک درجنوں ایسی نایاب ڈاکومنٹریز بنا چکے ہیں جن کی داد انہیں اکثر ملتی رہتی ہے۔ ان کے پاس نایاب تاریخی کتب بھی محفوظ ہیں۔

جاوید انور خان کی شدید خواہش ہے کہ پاکستان کے نوجوان ملک کی تاریخ میں دلچسپی لیں۔ انہوں نے جو تاریخی نوعیت کی چیزیں جمع کی ہیں انہیں وہ افادہ عام کیلئے مختص کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں بطور پاکستانی اس بات کا بہت دکھ ہے کہ پاکستان میں دنیا کی قدیم ترین تہذیب ٹیکسلا اور موہنجوداڑو ہیں لیکن ہم دنیا کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکے۔

انہوں نے اپنے شوق کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ بچپن میں ان کے والد نے انہیں ایک مرتبہ پانچ سکے دیئے تھے جو انہوں نے بڑے اہتمام سے اپنے کمرے میں سجا لیے جس کے بعد سے انہیں سکے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب میں ہالینڈ آیا تو اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اس شوق نے مجھے بہت علم سے نوازا۔ کسی ملک کا سکہ دراصل اس ملک کا چہرہ ہوتا ہے جس طرح ہم چہرہ دیکھ کر قیافہ شناسی کرتے ہیں۔ اسی طرح میں کسی بھی ملک کا سکہ دیکھ کر اس ملک کی نفسیات کا اندازہ کر سکتا ہوں' مثلاً وہاں کی اکانومی' سیاست' کلچر' انڈسٹری اس سب کا عکس اس ملک کے سکے میں دکھائی دیتا ہے۔

آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

اس پر جاوید انور خان نے مجھے کینیڈا کے سکوں کی فائل دکھائی اور بتایا کہ آپ دیکھیں یہ کتنے چمکدار اور واضح ہیں اور ان پر تصاویر اور حروف نمایاں ہیں۔ ان میں دو تا پندرہ سال پرانے سکے تھے اور وہ سب ابھی تک نئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ملک کی اکانومی مضبوط ہے اور خاصی سلیقہ مند قوم ہے۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے گیمبا کے سکوں کی فائل دکھائی جس کے ایک طرف وہاں کے بادشاہ کی اور دوسری طرف ایک گائے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کسی انتہائی غیر ترقی یافتہ قوم کا بنا ہوا سکہ ہے جسے اس بات کا بھی شعور نہیں کہ سکے پر جانور کے ساتھ انسان کی تصویر نہیں ہونی چاہئے۔ اس طرح یہ بڑی رقم کا سکہ تھا لیکن بمشکل ایک سال پہلے بننے کے باوجود میلا ہو رہا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے 1955ء کا پاکستان کا ایک پیسے کا سکہ دکھایا اور اس کے موجودہ ایک روپے کا سکہ دکھایا اور بتایا کہ ایک روپے

کا سکہ ایک پیسے سے چھوٹا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری اکانومی زوال پذیر ہے اور حکومتی دعوے صرف کاغذی کارروائی ہیں۔ اس دور میں یعنی 1955ء میں جو حیثیت اس ایک پیسے کے سکے کی تھی وہ آج کے ایک روپے کی نہیں ہے کیونکہ اب فقیر کو بھی اگر ایک روپیہ خیرات دیں گے تو وہ انکار کر دے گا۔

جاوید انور خان کہتے ہیں کہ سکے جمع کرنے کا شوق دنیا کا قدیم ترین شوق ہے اور یہ دیرپا رہنے والا شوق ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سینکڑوں سال پہلے کے سکے بھی دنیا میں موجود ہیں، جب لوگ ایک دوسرے سے تجارت اور لین دین کیلئے ان کا استعمال کیا کرتے تھے اور ان کی قیمت وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہے۔ فرض کیا آپ ڈاک ٹکٹیں جمع کرتے ہیں' اگر خدانخواستہ پانی میں البم گرے یا کسی اور طرح اسے نقصان پہنچے گا' سکوں کا معاملہ یہ نہیں یہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔

جاوید انور خان نے بتایا کہ آج بھی آپ کو سکندر اعظم کے دور کے سکے مل جاتے ہیں جو محفوظ ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انسان نے سکوں کا استعمال کب سے شروع کیا ہوا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی تین قدیم ترین تہذیبیں ہیں' مصر' بابل نینوا اور موہنجوداڑو۔ ان میں سے ایک پاکستان میں ہے لیکن ہم کتنے بدقسمت لوگ ہیں کہ آج تک اپنی اس قدرتی اور تاریخی تفاخر کا بھی ڈھنگ سے استعمال نہیں کر سکے اور دنیا کو اس طرف مائل نہیں کر سکے جبکہ غیر ممالک خصوصاً مغربی ممالک اپنے تہذیبی اثاثے کی دیکھ بھال دل و جان سے کرتے ہیں اور ان پر بڑا فخر کرتے ہیں۔

انہوں نے انکشاف کیا کہ دنیا کی پانچ قدیم ترین ٹکسالوں میں سے ایک ٹکسال چنیوٹ شہر میں تھی جس کا شاید ہمارے ہاں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔

یہ تاریخی سند آپ کو کہاں سے ملی؟ میں نے پوچھا۔

انہوں نے کہا کہ مجھ پر یہ انکشاف لندن میں کوئن ''کوائن کیٹلاگ'' کے مطالعے سے ہوا اور میں خود اس پر حیران رہ گیا کہ یہ تحقیق تو کسی پاکستانی ماہر تاریخ کو کرنی چاہیے تھی۔

میں نے سوال کیا کہ یہ تو بہت مہنگا شوق ہے اور ہر کسی کے بس کی بات بھی نہیں؟ جس پر انہوں نے بتایا کہ جو لوگ سکے جمع کرتے ہیں وہ تو اپنی زندگی میں انہیں کبھی فروخت نہیں کرتے ان کے بعد اس اثاثے سے کوئی کیا سلوک کرتا ہے' یہ ان کا مسئلہ نہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کی قیمت ان کے قدردان کے پاس تو ہے عام آدمی کے پاس نہیں۔ اس طرح دنیا کے باقی نوادرات ہیں' ان کی قدر صرف اس کیلئے ہے جو ان کی اہمیت کو جانتا ہے۔

انہوں نے مختلف ممالک کے یادگاری سکے دکھاتے ہوئے کہا کہ جب بھی کوئی ملک کسی خاص موقع پر اپنا یادگاری سکہ جاری کرتا ہے تو اس کی اہمیت قدرتی طور پر معمول کے سکے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ فرض کیا وہ سکہ 10 روپے کا ہے تو کم تعداد میں جاری ہونے کی وجہ سے سکے جمع کرنے کے شوقین اسے زیادہ قیمت میں خریدیں گے، اور اس کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی جس کا فائدہ براہ راست اس ملک کو

ہوتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یورپی ممالک کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہ سال میں کم از کم تین چار یادگاری سکے تیار کرتے ہیں جبکہ پاکستان اس معاملے میں انتہائی غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے محکمہ ڈاک کی کارکردگی تو بے مثال ہے۔ وہ تو یادگاری ٹکٹ جاری کرتے ہیں جبکہ پاکستانی حکومت یادگاری سکے کافی عرصے سے جاری نہیں کر رہی جس کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

جاوید انور خان نے بتایا کہ جب کوئی ملک یادگاری سکے جاری کرتا ہے تو دنیا بھر میں اس کی شہرت ہوتی ہے اور اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں کتنے اہم واقعات ہوئے' کتنے کارنامے انجام پائے' ہم نے ایٹمی دھماکہ کیا لیکن کسی پر کوئی یادگاری سکہ جاری نہیں کیا بلکہ بھارت کا طرز عمل ہم سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم جے ایف 17 ' آبدوز بنانے پر' شاہراہ ریشم پر' موہنجوداڑو پر' ٹیکسلا پر' کے ٹو پر' گلیشیر پر' پاکستان میں ہونے والی گیمز پر' کرکٹ ورلڈ کپ جیتنے پر اور ایسے ہی کئی اہم مواقع آئے ہیں جب ہم یادگاری سکہ جاری کر سکتے تھے' لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ یہ صرف ہماری نالائقی ہے۔ جس کا کوئی بھی جواز پیش کرنا غلط ہے۔

سکھ مذہب کے بانی نے سکھ ازم کا آغاز یہاں سے کیا تھا' کیا ہم گورونانک کی جنم بری پر کوئی یادگاری سکہ جاری نہیں کر سکتے جو دنیا بھر کے لاکھوں سکھ عقیدت اسے اپنے پاس رکھیں گے اور ہماری مذہبی رواداری کا بھی تذکرہ ہوگا کیونکہ پاکستان پر اس حوالے سے کئی الزامات لگائے جاتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ دنیا کے 25 ممالک نے اپنے سکوں پر اپنے نقشے بنائے ہیں' الا یہ کہ یورو پر بھی یورپ کا نقشہ بنا ہوا ہے لیکن ہم نے کبھی اس کا تکلف نہیں کیا۔ اگر ہم یادگاری سکے پر نقشہ بناتے جس میں کشمیر کو متنازعہ کے بجائے پاکستان کا حصہ دکھایا جاتا تو ہم مسئلہ کشمیر پر رائے عامہ کو خاصی حد تک ہموار کر سکتے تھے۔ یہ کام بھارت نے کیا ہے۔ ہم صرف تنقید اور طعنوں سے گزارہ کر رہے ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ پرتگال جیسے ملک نے ہاکی کا یادگاری سکہ بنایا ہے' لیکن شاید ہی انہوں نے کبھی ہاکی کیلئے کوالیفائی کیا ہوگا لیکن ہم نے جو کبھی ہاکی کے بے تاج بادشاہ تھے' آج تک یہ تکلف نہیں کیا۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں سکے جمع کرنے کے شوقین لوگوں کو البم بھی میسر نہیں آتے۔ شاید پورے پاکستان میں ایک دکان سے ملتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس شوق کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ مثبت سرگرمیوں کا فروغ ہو۔

انہوں نے بتایا کہ 1985ء تک پاکستان کے 59 قسم کے سکے بنے۔ 1948ء سے سکے بنانے کا آغاز ہوا۔ اب تک اس ترتیب سے سکے بنائے گئے۔

(1) موری والا پیسہ (2) ½ آنہ (ٹکہ) (3) ایک آنہ (4) دو آنہ (دوانی) (5) ¼ روپیہ (چوانی) (6) ½ روپیہ (آٹھ آنے) (7) ایک روپیہ

3 پائی = ایک پیسہ

4 پیسہ = ایک آنہ

16 آنہ = ایک روپیہ

ایک پائی 1951ء میں پہلی بار پاکستان میں بنی اور جاری ہوئی جو کہ 1957ء تک بنتی رہی۔ اس کے بعد پائی بننی ختم ہوگئی۔ شروع میں چاند کا رخ دائیں طرف تھا لیکن 1950ء میں بائیں طرف کر دیا گیا۔ اب تک پاکستان نے درج ذیل یادگاری سکے جاری کیے۔

ہجری 1401 پر 1980ء میں' اسلامی سمٹ پر 1974ء (بینار 1977ء)' علامہ اقبال 1877-1977ء؛ ورلڈ خوراک کا دن 1981ء؛ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے صد سالہ پیدائش پر یادگاری سکہ 1976ء؛ علامہ اقبال صد سالہ پیدائش پر 1977ء 1976ء مگر مچھ' سونے سکہ 500 روپے (صد سالہ تقریب پیدائش قائداعظم محمد علی جناحؒ)' سونے سکہ 500 روپے (صد سالہ تقریب پیدائش علامہ محمد اقبالؒ) سونے کا سکہ 3000 روپے (برفانی ہرن)' 1974ء میں پہلی بار مینار پاکستان، پاکستان کے سکوں پر بنایا گیا۔

اب کیا ہوگا؟

ایمرجنسی یا منی مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سے یقیناً آپ کے ذہن میں بھی یہی سوال جنم لے رہا ہوگا کہ اب کیا ہوگا؟ کیونکہ ہر محبّ وطن پاکستانی جو اپنی زمین سے کسی نہ کسی حوالے سے جڑا ہوا ہے اس فکر میں مبتلا ہے کہ آج جب دنیا سمٹ کر سیٹلائٹ کے ذریعے گلوبل ویلج میں تبدیل ہو چکی ہے انسان ستاروں پر کمندیں ڈال چکا ہے اور اب مریخ کی تسخیر پر گامزن ہے ہمارے ہمسائے میں اور دنیا کے نقشے پر ایسے ممالک جو آبادی وسائل کمٹمنٹ غرض ہر طرح ہم سے کمتر ہیں ترقی کی دوڑ میں ہم سے آگے بھاگ رہے ہیں جبکہ ہم کولہو کے بیل کی طرح ابھی تک ایک ہی جگہ چکر لگا رہے ہیں۔ آنکھوں پر چڑھے خول نے ہم سے دیکھنے کی حس ہی چھین لی ہے۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ صبح سے شام تک مسلسل چلنے کے بعد ہم نے لمبا سفر طے کر لیا ہے لیکن کولہو کے بیل کی طرح ہمیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ ہمارا سفر جہاں سے شروع ہوا تھا گھوم پھر کر وہیں پر ختم ہو گیا ہے۔ گو کہ آنکھوں سے پٹی اترنے کے بعد ہم اس تلخ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں لیکن نہیں جان پاتے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں قصور کس کا ہے؟ بیلوں کو ہانکنے والوں کا یا آنکھوں پر پٹی چڑھائے بیلوں کا؟ ''عوام'' نام کی جو شے ہمارے ہاں پائی جاتی ہے وہ کسی ملک کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ضرور ادا کرتی ہوگی لیکن ہمارے ہاں یہ مرتبہ صرف ''خواص'' کو حاصل ہے۔ پاکستان کی تعمیر میں ضرور پاکستان میں بسنے والے ''موجودہ عوام'' کے بزرگوں کا خون شامل تھا یقیناً لاکھوں جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں ان ہی کا حصہ ہیں لیکن قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد جب پاکستان میں بسنے والے ''عوام'' کے قائد اور باپ ہمارے قائداعظمؒ نے اس دارفانی سے اس حالت میں کوچ کیا کہ ان کو لے جانے والی ایمبولینس کا انجن خراب ہو گیا تھا، اور اپنی مطلوبہ جگہ پہنچنے میں جو دیر ہوئی بظاہر وہی اس قائداعظمؒ کی رحلت کا باعث بنی۔ اس کے ساتھ ہی جیسے ساری قوم جسے عوامی راج قائم ہونے کے بعد ''عوام'' کہا جاتا ہے کے سر سے گویا باپ کا سایہ اٹھ گیا۔

اس یتیم و یسیر اور بے آسرا ہو جانے والے انسانی گروہ کو جس کی حیثیت اب قوم سے عوام اور پھر عوام سے بھیڑ بکریوں کی بن چکی تھی ہمارے ''خواص'' نے اپنے گھر کی باندی بنا لیا۔ ظاہر ہے جب انسان بے سہارا بے آسرا اور بے یار و مددگار ہو جائے جب اسے اپنے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دینے لگے تو اس کی حالت ڈوبنے والے اس سیلاب زدہ کی سی ہو جاتی ہے جو اپنی جان بچانے کیلئے سانپ کو رسی اور مگرمچھ کو بانس سمجھ کر ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ یہ رسیاں اور بانس اسے ایک مرتبہ سطح آب پر لے بھی آتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں جس صورتحال کا سامنا ہوتا ہے اس کا تصور ہی سوہان روح ہے۔ ڈوبنے والا یہ تو سمجھ جاتا ہے کہ اس نے اپنی مدد کیلئے ''آسرا'' جان کر جس کا ہاتھ تھاما تھا وہ کوئی تیراک یا ٹوٹنے والے جہاز کا تختہ نہیں بلکہ انسان کش زہریلے جانور ہیں، اور اس غلطی کا خمیازہ کم از کم موت ہے جو ان کا نصیبا بن جاتی ہے۔

قیام پاکستان سے لمحہ موجود تک اس ملک کی قسمت سے کھیلنے والے ''خواص'' کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے آج تک جو کچھ

اچھا یا برا کیا وہ ''عوام'' کے نام پر کیا اور المیہ یہ ہے کہ ''عوام'' کو سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد علم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔

فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان نے پاکستان میں مارشل لاء کو متعارف کروایا اور اس حوالے سے جو وجوہات بیان کیں اگر ایمانداری سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ تمام وجوہات ان کے جانے کے بعد بھی موجود رہیں بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوا۔ آپ نے بھی بڑے انقلابی قدم اٹھائے۔ ملک کو نیا قانون دیا جسے غالباً 62ء کا آئین کہتے ہیں۔ بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف کروایا جسے ان دنوں بی ڈی سسٹم کہتے تھے۔ آپ کا بھی یہی خیال تھا کہ جب تک ''عوام'' کو براہ راست کاروبار مملکت میں شامل نہیں کیا جاتا تب تک ملک چلتا دکھائی نہیں دیتا اور ''عوام'' کا براہ راست حصہ حکومت میں ڈالنے کیلئے آپ کے نزدیک بی ڈی سسٹم ہی بہترین سسٹم تھا۔ صدر ایوب خان کے نزدیک عوام کے یہ منتخب نمائندے ہی دراصل براہ راست صدر کا انتخاب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہی وہ نابغۂ روزگار تھے جنہوں نے جنرل ایوب خان کو قائداعظمؒ کی بہن مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے مقابلے میں الیکشن جتوا دیا۔ ان بی ڈی ممبران کا خیال تھا کہ فیلڈ مارشل ایوب خان کاروبار مملکت چلانے کیلئے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ سے زیادہ بصیرت اور مہارت رکھتے ہیں' وہ جو قائداعظمؒ کی زندگی کی آخری سانسوں تک ساتھی رہیں' جو پاکستانی عوام کیلئے ''مادر ملت'' تھیں۔ انہیں ہمارے بی ڈی ممبران نے اس لائق نہ جانا کہ وہ پاکستان کی زمام اقتدار سنبھال سکیں۔ بہر حال جنرل ایوب خان نے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں جن کے مطالعے سے تاریخ کے طالب علم آج بھی عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس کے بعد جنرل یحییٰ خان کا دور آیا۔ آپ نے بھی طبقہ اشرافیہ کا ایک شرف یافتہ نمائندہ ہونے کے ناطے اپنے قومی فرائض کی بجا آوری کو ضروری جانا اور اپنے پیشرو جنرل ایوب خان کی طرف سے تحفہ میں ملنے والی حکومت کو ''عوام'' کے عظیم تر مفاد میں قبول کر لیا اور ''عوام'' کے مزید عظیم تر مفادات میں انقلابی اقدامات کا بھرپور آغاز بھی کر دیا۔ اسی ''آغاز'' کا ''انجام'' بھی تاریخ کا حصہ ہے جس کا شکار بہر حال ''عوام'' ہوئے' خواص پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ لاّ یہ کہ جنرل یحییٰ خان بھی طبعی موت مرے اور ''عوام'' کو ملک آدھا کر کے بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔

ان کی رحلت کے بعد جنرل ضیاء الحق نے اپنے نازک کندھوں پر عوامی فلاح و بہبود اور پاکستان کو عظیم تر مملکت بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ کو ''غیبی مدد'' بھی بصورت جہاد مل گئی۔ اس جہاد کا باقاعدہ آغاز تو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ہی ہو گیا تھا جب افغانستان سے کمیونزم کا جنازہ نکالنے اور وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے امریکہ بہادر نے ساری دنیا کے مجاہدین کو پشاور اور بنوں میں اکٹھا کر دیا۔ ان مجاہدین کے فیوض و برکات پاکستان کے باقی تمام شہروں تک برق رفتاری سے پھیلے اور پھیلتے چلے گئے۔ جنرل ضیاء الحق اس دوران اسلامی نظام کو پاکستان میں بھی نافذ کرنے پر تل گئے جس کا آغاز آپ نے مجلس شوریٰ سے کیا۔ ملک میں زکوٰۃ و صلوٰۃ کمیٹیاں قائم کیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے تمام ادارے ایک ایک کر کے مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ آپ کی جہادی اور دانشورانہ قیادت میں پاکستان نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی۔ ''عوام'' کی قسمت بدلنے لگی اور پہلے انہیں بڑی مشکل سے کسی بڑے شہر میں موجود دکان سے شراب اور سرکاری طور پر منظور شدہ اڈے سے افیم میسر آتی تھی' جنرل ضیاء الحق کے انقلابی اقدامات سے گھر کے دروازے پر ہیروئین میسر آنے لگی بلکہ ملک کے گلی کوچوں میں اس کے ڈھیر لگ گئے۔

وہ ملک جہاں بدمعاشی کا سمبل کلہاڑی' چاقو' نیزہ اور لاٹھی وغیرہ ہوا کرتی تھی' شاید ہی کبھی پستول ہوا کرتی تھی' وہاں بچوں کو کھلونوں کی

طرح کلاشنکوفیں بٹنے لگیں۔ گلی کوچوں میں بھتہ خور پیدا ہو گئے۔ خوش قسمتی سے انہیں ٹریننگ بھی دینے میں ملک میں آسانی سے مجاہدین کے تربیتی کیمپوں میں میسر آنے لگی اور جہاد کے ثمرات ''عوام'' پر ساون کے بادلوں کی طرح برسنے لگے۔ جنرل صاحب مرحوم نے مجلس شوریٰ کے تجربے کی ناکامی کے بعد ''عوام'' کی مزید بہتری کیلئے غیر سیاسی نظام متعارف کروایا اور Partyless انتخابات کروائے جن کے نتیجے میں قائم ہونے والی جونیجو حکومت کو پھر خود ہی بے چاری مسلم لیگ کا چوغا بھی پہنا دیا۔ آپ کی ''عوام'' کے عظیم تر مفاد میں اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک سازش کے تحت آپ کا طیارہ فضا میں پھٹ گیا اور ''عوام'' آپ کی بصیرت افروز قیادت سے محروم ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق کی ''شہادت'' کے بعد ایک مرتبہ پھر عوام کی فلاح و بہبود پاکستان کو عظیم تر مملکت بنانے کیلئے ''سب سے پہلے پاکستان'' اور ''اعتدال پسند روشن خیالی'' کا انقلابی پروگرام لے کر جنرل پرویز مشرف سربر آرائے تخت ہوئے۔ آپ کے دور میں کیا کچھ ہوا؟ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اس سے پاکستانی عوام اگر آگاہ نہ بھی ہوں تو آپ کے خصوصی حلقۂ ارباب کے ماہرین معیشت و معاشرت اس سے آگاہی دینے کیلئے موجود ہیں۔ آپ کی انقلابی اصلاحات سے ''عوام'' قریباً آٹھ سال سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور 3 نومبر کو آپ نے عوام کی حالت مزید سنوارنے' دہشت گردی کے خاتمے' پاکستان میں تعمیر و ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے کیلئے ایمرجنسی کا انقلابی قدم اٹھایا ہے۔ اب ''عوام'' سوچ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟

الیکشن 2008ء اور تلخ زمینی حقائق

عسکریت پسندوں کے خلاف مار دھاڑ اور الیکشن کے نزدیک آنے پر لیڈران کرام کی ایک دوسرے پر گھٹیا الزامات کی بوچھاڑ میں بدقسمتی سے ہم دو بہت اہم خبریں نظر انداز کر گئے۔ یوں تو اب ایسی باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کیونکہ یہاں دوڑ ایک دوسرے کو امریکہ کا زیادہ مقرب ثابت کرنے پر لگی ہے۔ ملکی سلامتی اور درپیش خدشات و خطرات اب شاید ثانوی باتیں بن چکی ہیں۔ ایک اہم خبر تو بھارت کی طرف سے گوادر پورٹ کے حوالے سے ''تحفظات'' ہیں اور اس پر بھارتی حکومت کی ہرزہ سرائی جس کا نوٹس پاکستان کے نیول چیف نے سعودی عرب اور پاکستان نیوی کے درمیان جاری مشقوں کے دوران لیا اور کہا کہ اگر کسی کو اس پر تشویش ہے تو وہ غلط ہے، اور گوادر کے قیام سے خطے میں جنگی فضا ہرگز نہیں بنے گی بلکہ تجارتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوگا یہی اس بندرگاہ کے قیام کا مقصد بھی ہے، جس کی حفاظت پاکستان نیوی کرے گی۔ حیرت ہے بھارت کو چین نے کیا لفٹ کروائی وہ اس خطے کا ''ماما'' بننے کے چکر میں پڑ گیا۔ امید تو یہی ہے کہ پاکستانی حکومت شاید دیگر کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کا نوٹس نہ لے لیکن چین جیسا ذمہ دار ملک جس کا خود بھی گوادر میں خاصا کردار ہے ضرور اس کا نوٹس لے گا، اور شاید اپنے اس بیان سے رجوع بھی کرے جو بھارتی وزیر اعظم کے حالیہ دورہ چین کے موقعہ پر جاری ہوا تھا کہ بھارت سکیورٹی کونسل کا رکن بننے کا حق رکھتا ہے۔ دوسری اہم خبر 3 فروری کو ''آن لائن'' نے جاری کی جس میں بھارت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے بھارت نے ''دوست ملکوں'' سے رابطہ کر لیا ہے۔ کوئی عقل کا اندھا اگر اس کا مطلب نہ سمجھنا چاہتا ہو تو الگ بات ہے ورنہ ساری سازش بے نقاب ہو رہی ہے کہ امریکہ کے اس گھناؤنے منصوبے میں جس کا مقصد پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات تک رسائی حاصل کر کے ان پر قبضہ جمانا ہے بھارت کا بھی اہم رول ہے۔ افسوس ہمیں ایک سازش کے تحت اپنے ملکی معاملات میں اس بُری طرح الجھا دیا گیا ہے کہ ملک کی ذمہ دار شخصیات بھی ایسے اہم واقعات کا نوٹس نہیں لیں۔ حال ہی میں تین غیر جانبدار اداروں کی طرف سے رپورٹیں پیش کی گئیں۔ جن میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ امریکی پالیسی میں تبدیلی کے بغیر اسامہ بن لادن کی پناہ گاہ ناکام ریاست رہے گی۔ 6 برسوں میں طالبان کو شکست دینے کی کوشش میں 25 بلین ڈالر خرچ کے بعد بھی صورتحال یہ ہے کہ طالبان جنگجو جو ابتدائی امریکی حملہ کے بعد پہاڑوں میں منتشر ہو گئے تھے، اب ملک کے بڑے حصوں میں زیادہ بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ رپورٹ کے الفاظ میں طالبان اب زیادہ بم چلا رہے ہیں اور افیون کی تجارت سے منافع کما کر بغاوت کے لیے جلتی پر تیل والا کام کر رہے ہیں۔ افغانستان میں سکیورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے گزشتہ سال کے دوران یہاں غیر ملکی سرمایہ کاری میں 50 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ طالبان اب زیادہ امریکی ہلاک کر رہے ہیں۔ 2002ء سے 2004ء کے دوران ایک ہفتے کے دوران ایک امریکی فوجی کے ہلاک ہونے کی شرح تھی جو 2007ء میں دوگنی ہو گئی، حقیقت میں امریکہ کے 500 فوجی اس جنگ میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ 50 ہزار غیر ملکی فوجیوں کی موجودگی کے باوجود

پینٹا گون نے حال ہی میں مزید 3200 میرنز کے لیے احکام دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ نیٹو کے ارکان کی طرف سے مزید فوجی بھیجنے کے لئے ہچکچاہٹ اس جنگ کے مستقبل کے لئے خطرہ بن رہی ہے۔ امریکہ جرمنی سمیت تمام اتحادیوں کو جنوبی افغانستان کے گرم محاذ میں گھسیٹنا چاہتا ہے لیکن جرمنی نے اس سے صاف انکار کر دیا ہے، جرمنی نے افغانستان میں طالبان، القاعدہ کے خلاف کارروائیوں کے لئے مزید فوجی اور حربی ساز و سامان بھیجنے کے متعلق امریکہ کی درخواست بھی مسترد کر دی ہے۔ جرمنی کے وزیر دفاع نے جمعہ کو ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جرمنی کا جنگ سے تباہ جنوبی افغانستان میں مزید فوجی بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں نیٹو میں شامل جرمن فوجی اب اپنی زیادہ تر توجہ تعمیر نو کی کارروائیوں پر مرکوز کریں گے۔

امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے گزشتہ روز ایک خط کے ذریعے جرمنی سے مزید فوجی اور ہیلی کاپٹر افغانستان بھجوانے کی ''درخواست'' کی تھی۔ جس کا مقصد طالبان کے خلاف افغانستان میں نبرد آزما نیٹو فورسز کو مضبوط بنانا تھا۔ اطلاعات کے مطابق اس خط میں امریکی وزیر دفاع نے سخت الفاظ استعمال کیے تھے جس کا جرمن وزیر دفاع نے بھی سخت الفاظ میں ہی جواب دیا۔ دریں اثناء اٹلانٹک کونسل کی طرف سے جاری کردہ مطالعاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''نیٹو افغانستان میں نہیں جیت رہی، اس لئے اب مزید غلطی نہ کی جائے جب تک حقیقت کو نہیں سمجھا جاتا اور اس کے مطابق فی الفور کارروائی نہیں کی جاتی، افغانستان کا مستقبل تاریک ہے۔'' اس طرح کی پریشان کن خبروں کے باوجود انتظامیہ کی طرف سے خارجہ امور کی کمیٹی کو پیغام دیا گیا کہ صورتحال حقیقت میں بہتر ہو رہی ہے۔ نائب وزیر خارجہ برائے وسطی و جنوبی ایشیائی امور رچرڈ باؤچر نے کمیٹی کے روبرو یہ دلچسپ بیان دیا کہ اگر آپ سڑکوں، تعلیم، صحت عامہ کی کامیابیوں کو جمع کریں تو آپ کو افغانستان میں بالکل تبدیل شدہ صورتحال نظر آئے گی۔

یہ تو معلوم نہیں کہ امریکہ رچرڈ باؤچر کی اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں لیکن اس تلخ حقیقت سے جان چھڑانا ممکن نہیں کہ امریکہ نے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے جس جہنم میں دھکیل دیا ہے، اس کی بدقسمت پاکستانی عوام کو اپنی اوقات سے بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی اور وہ کر بھی رہے ہیں۔ حکومتی دعوؤں کے مطابق سوات میں عسکریت پسندی دم توڑ چکی ہے خصوصاً ''مٹہ'' جو عسکریت پسندوں کا گڑھ تھا، اور جہاں مقامی طالبان نے اپنے پولیس سٹیشن بھی قائم کر رکھے تھے پاکستان کی عملداری میں واپس آ چکا ہے لیکن یہاں کے عوام کی زندگی جہنم بن گئی ہے۔ تمام سرکاری دفاتر بند ہیں۔ مٹہ سے مینگورہ تک آدھ گھنٹے کا راستہ چھ گھنٹے طویل ہو گیا ہے کیونکہ عوام کو مسلسل کرفیو کی وجہ سے متبادل راستوں سے جانا پڑتا ہے اور وہ اس صورتحال سے تنگ آ چکے ہیں، عوام کہہ رہے ہیں کہ اب یہاں کوئی طالبان موجود نہیں پھر حکومت سکول، کالج اور سرکاری دفاتر کیوں نہیں کھولتی اور انہیں کیوں مسلسل گھروں میں بند رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

وزیرستان، وانا اور اب درہ آدم خیل کے حالات الگ سے محبّ وطن پاکستانیوں کی نیندیں حرام کر رہے ہیں۔ آٹے، گیس، گھی، بجلی اور سلامتی کی نایابی نے عوام کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے لوگ مسلسل خوف کا شکار ہیں اور ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ حکومت کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہی ہے۔ دنیا کے بیشتر غیر جانبدار اداروں اور امریکی حکومت نے بھی اب حکومت کے ''منتخب کردہ پولنگ سٹیشنوں'' کے دورہ سے معذرت کر لی ہے۔ پوسٹل بیپرز کا فراڈ سر عام بے نقاب ہو چکا ہے اور ادھر ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگی ہے۔ بھارت جیسے ملک نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت

کے لئے دوست ممالک سے رابطہ کرلیا ہے جس کا مطلب ہے کہ بھارت جیسا ہمارا ازلی دشمن اس خوش فہمی کا شکار ہوگیا ہے کہ خدانخواستہ پاکستان واقعی بطور ریاست ناکامی سے دوچار ہے، اور وہ اس کی سالمیت کے خلاف کسی بھی وقت اپنی دیرینہ خواہش پوری کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتحال کسی بھی محب وطن پاکستانی کیلئے خوش آئند اور امید افزا نہیں کیونکہ ایک نیوکلیئر اسلامی ریاست کا محض کسی ایک شخص یا گروہ کے آمرانہ رجحان اور آئین وقانون سے ماورا اقدامات کی وجہ ناکامی کی طرف گامزن ہونا پورے خطے اور عالم اسلام کیلئے پریشان کن ہے، اور ان 16 کروڑ پاکستانی عوام کیلئے تو زندگی اور موت کا مسئلہ جن کا جینا مرنا' عزت وآبرو اور مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے۔

آخر جنرل (ر) پرویز مشرف صرف اقتدار کی لامحدود خواہش کے زیر اثر زمینی حقائق کا ادراک کرنے اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو محسوس کرنے کیلئے کیوں تیار نہیں اور روزانہ ایسے اقدامات کیوں کرتے چلے جارہے ہیں جس سے نہ صرف ان کی اپنی مقبولیت کم اور ساکھ تباہ ہورہی ہے اور بی بی سی کے بقول ان کی راہیں روز بروز مسدود ہورہی ہیں بلکہ پاکستان کی سلامتی' اتحاد' استحکام اور مستقبل کیلئے خطرات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ آخر وہ اپنے ذاتی اقتدار کی قربانی دے کر پاکستان کو مستحکم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ یہی حب الوطنی کا تقاضہ ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ صدر صاحب اپنے نادان مشیروں اور خوشامدی سیاسی رفقاء کے نرغے سے نکل کر عدلیہ بحال کریں' چیف جسٹس افتخار چودھری' اعتزاز احسن' طارق محمود' علی احمد کرد اور دیگر نظر بند ججوں ووکلاء کو رہا کریں' ایٹمی سائنسدان عبدالقدیر خان بھی رہا کیے جائیں۔ 3 نومبر کے اقدامات واپس لے کر 1973 کا آئین اصلی حالت میں بحال کیا جائے' پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا آزاد ہو اور 18 فروری کے انتخابات ہر لحاظ سے شفاف انداز میں کرائے جائیں تاکہ عوام اپنی مرضی کی حکومت قائم کرکے قومی اتحاد و یکجہتی کی طرف قدم بڑھا سکیں۔ فرد واحد کی خاطر 16 کروڑ عوام کا ملک خطرات سے دوچار نہیں رہنا چاہئے۔ اس مرحلے پر وزیر اطلاعات کے دھمکی آمیز بیانات سوائے جگ ہنسائی کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں کریں گے، اور خدانخواستہ الیکشن میں سرکاری دھاندلی ہوئی تو ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔

کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟

12 مئی کے بعد یہ سوال دوبارہ شدت سے ہمارے ضمیر کو جھنجوڑنے لگا ہے کہ کیا واقعی ہم ایک آزاد ملک کے شہری ہیں؟ کیا قیام پاکستان کے 60 سال بعد...... اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں؟ کیا ہمارے وہ محترم سیاستدان جنہیں پاکستانی عوام نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر 18 فروری کو ایک ناممکن کو ممکن بنا کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچایا خود کو واقعی عوام کا نمائندہ سمجھتے ہیں؟ یا پھر انہوں نے اس عوامی مینڈیٹ کو محض اپنا ذہنی عیاشی کا ذریعہ جانا ہے۔ وہ عوامی مسائل کے بجائے صرف ذاتی مسائل حل کرنے تلے ہوئے ہیں۔ ایسے کئی سوالات 12 مئی کے بعد پاکستانی عوام کو پریشان کرنے لگے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ پاکستانی عوام نے جن جماعتوں کو ووٹ دیا تھا انہیں گزشتہ آٹھ سال سے جاری نظام جبر کے خلاف فیصلہ دے کر ایوان اقتدار میں بھیجا تھا۔ سب سے پہلے تو یہی بات بہت اہم ہے کہ جس شخصیت کے خلاف یا جس نظام کے خلاف ووٹ دیا گیا۔ اس کا وجود برقرار رہنا کیا معنی رکھتا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ 18 فروری کو عوام نے صدر جنرل مشرف کے خلاف فیصلہ دیا تھا وہ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صدر جنرل مشرف کسی ایک شخص کا نام ہی نہیں بلکہ ایک خودساختہ نظام غلامی کا نام ہے۔ صدر جنرل مشرف کی حب الوطنی میں ممکن ہے کوئی شبہ نہ ہو آخر وہ پاکستانی فوج کے مایہ ناز کمانڈر رہے ہیں اپنی جوانی میں ان کی شہرت ایک ایسے فوجی افسر کی تھی جو ہر صورت بھارت سے پاکستان کی ہزیمت کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ انہوں نے شاید اپنی دانست میں کارگل کا کارنامہ ہی اس لئے انجام دینے کی کوشش کی تھی کہ اس طرح وہ پاکستانی فوج کی بھارت پر برتری ثابت کرنا چاہتے تھے لیکن جو جنرل پرویز مشرف صدارتی محل میں موجود ہے اس سے پاکستانی عوام کو یہی شکایت تھی کہ...... انہوں نے اپنی آئینی، اخلاقی، مذہبی اور ملی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے پاکستان کو امریکہ کی طفیلی ریاست بنا دیا۔ ہماری قسمت کے عام فیصلے بھی امریکہ میں ہونے لگے۔ نائن الیون کے بعد کا جنرل مشرف کمانڈو جنرل مشرف نہیں رہا بلکہ بدقسمتی سے وہ اپنے اقتدار کو طوالت دینے کیلئے امریکہ کی جھولی میں گرتے چلے گئے۔ انہوں نے یہ جانا کہ امریکہ کو خوش رکھنا کافی ہے باقی خیر صلا۔ اس پالیسی کے نتیجے میں پاکستان کیلئے لاینحل مسائل کھڑے ہوتے گئے۔ ہمارے قبائلی علاقہ جات جو پاکستان کا بازوئے شمشیر زن تھے اور جہاں کے مقامی امن وامان کی مثالیں دنیا میں دی جاتی تھیں جن کی موجودگی میں پاکستان کی شمال مغربی سرحدیں مکمل محفوظ تھیں، اور ہماری فوج کا بڑا حصہ اس طرف سے ہٹ کر ملکی سرحدوں کی حفاظت کر رہا تھا، آج وہی قبائلی علاقہ جات عسکریت اور انارکی کی آگ میں جھلس گئے ہیں۔ دہشت گردی نے پاکستان کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، اندرون ملک تو ہم جس کرب سے دوچار ہیں اس کا اندازہ ہر پاکستانی بخوبی لگا سکتا ہے لیکن پاکستانی سرحدوں سے باہر ہماری حیثیت اچھوت سے زیادہ اور کچھ نہیں رہی۔ ہمارے صدر محترم کی روشن خیال پالیسیوں اور شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری یعنی امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننے کے بعد اپنے ملک کے بے گناہ شہریوں کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنے کے بعد، ایک آزاد اسلامی مملکت افغانستان کے سفیر کو جسے پاکستان نے تسلیم کیا

تھا تمام انسانی، اخلاقی، قانونی، بین الاقوامی ضابطوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے امریکہ کے حوالے کرنے کے بعد، امریکی خوشنودی کے لئے اپنے ہی عوام پر آتش و آہن کی بارش کرنے اور امریکہ کی طرف سے پاکستانی حدود میں کی جانے والی بمباری کو امریکی خوشنودی کے لئے اپنا کارنامہ بیان کرنے کے بعد کم از کم اتنا تو ہوتا کہ بین الاقوامی سطح پر یا یورپ اور امریکہ میں ہی ہمارا امیج بطور پاکستانی کچھ بہتر ہو جاتا لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ امریکہ نے ہمارے معزز سرکاری عہدیداروں کے جوتے اور جرابیں اتار کر اپنے ہوائی اڈوں پر ان کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ عام شہریوں سے جو سلوک ہوا وہ انتہائی شرمناک اور ناقابل بیان ہے۔ امریکہ میں سالوں سے آباد وہ مسلمان پاکستانی جس کا دور دور تک بھی نماز یا داڑھی سے کوئی تعلق تھا دہشت گرد قرار پایا۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدار بنی اور اسے بغیر مقدمہ چلائے انتہائی ظالمانہ ایمرجنسی قوانین کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ہوائی جہازوں کے ذریعے پاکستان میں ڈی پورٹ کر دیا گیا ہے۔ بے شرمی اور ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ ان تمام اقدامات کو امریکہ جیسی بزعم خویش انسانی حقوق کی چیمپئن حکومت نے تو لیگل قرار دیا تھا تو ہماری حکومت نے بھی اس پر احتجاج کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی بلکہ ان کے ہر ظالمانہ فیصلے کو دل و جان سے قبول کر کے اپنے بہترین غلام ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے۔

گزشتہ دور حکومت میں امریکی ریشہ دوانیوں کا تو جو مظاہرہ پاکستانی عوام نے دیکھا اس نے جنرل صاحب کے کمانڈو ہونے کا بھرم قائم نہیں رہنے دیا۔ امریکہ بہادر نے نہ صرف ہمیں ملکی سطح پر ذلیل و رسوا کیا، عالمی سطح پر ہماری حیثیت دہشت گردوں کی سی بنا دی۔ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کی اس قدر حوصلہ افزائی کی کہ پاکستان کو کشمیر پر اپنے دیرینہ اصولی موقف سے راہ فرار پر مجبور کر دیا۔ کشمیر کے بے کس اور بے بس عوام جنہوں نے اپنے جان و مال، عزت آبرو، ناقابل فراموش قربانیاں دے کر بھارتی حکومت کو قریباً گھٹنوں کے بل جھکا دیا تھا اور عین ممکن تھا کہ بھارت مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر ان سے گفتگو کرے اور اس مسئلے کا حل نکالنے پر مجبور ہوتا کہ اچانک ہماری انقلابی پالیسیوں نے سارا منظر ہی بدل کر رکھ دیا اور کشمیری مجاہدین اچانک دہشت گرد بن گئے۔ افغانستان پالیسی پر ہمارے یوٹرن کے صدمے سے قوم ابھی نڈھال ہی تھی کہ اچانک صدر صاحب نے کشمیر پالیسی سے رجوع فرما لیا۔ نتیجہ ظاہر ہے پاکستانی اخلاقی اور سفارتی مدد ختم ہونے سے بھارت نے کشمیریوں کے لئے ان کی اپنی زمین کو جہنم بنا کر رکھ دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں کشمیری نوجوان، بچے، بوڑھے بے رحمی سے مارے گئے، ہزاروں آج تک عقوبت خانوں میں ہماری جان کو رو رہے ہیں، اور کشمیر کی بدقسمت مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور دلہنیں دن رات بھارتی حکومت اور ہماری پالیسیوں کا سیاپا کر رہی ہیں۔

پاکستان کے فرنٹ لائن اتحادی بننے کے بعد امریکہ نے ہمارے مدارس سے گھروں تک رسائی حاصل کی اور پاکستان کے سارے معاشرتی نظام کو ہائی جیک کر لیا جس کے ردعمل نے دہشت گردی، خودکش بمبار دھماکوں اور تخریب کاری کو جنم دیا۔ اس بدقسمت ملک کے لوگوں نے وہ روز سیاہ بھی دیکھا جب ہماری قابل فخر افواج جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں موجود ہماری بچیوں کے خلاف مورچہ بند ہوئے ان پر آگ برسائی گئی اور سینکڑوں کی تعداد میں حفظ قرآن بچیاں شہید ہوئیں۔ ان شہادتوں کے ردعمل میں خودکش بمباروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اور آج امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی پاکستان جس نے نائن الیون سے پہلے شاید اپنے ملک میں کبھی کسی پاکستانی خودکش بمبار کا ذکر بھی نہ سنا ہو گا لرز کر رہ گیا۔ آج سارا پاکستان سہم گیا ہے خوفزدہ ہے دہشت گردی، مہنگائی، قحط، بے راہ روی اور بدامنی نے پاکستانی عوام کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ لوگ خوف اور بے یقینی کے

جہنم کا ایندھن بن گئے ہیں اور ہماری عاقبت نااندیش حکمران 18 فروری تک اپنی کامیابیوں کے ڈنکے بجا رہے تھے، ان حالات میں جب 18 فروری کے انتخابات ہوئے عوام نے ایک واضح فیصلہ دیا کہ وہ انصاف کی علامت اور شاید پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شجر ممنوعہ قسم کے سرکاری اقدامات جن میں بے گناہ شہریوں کا ایجنسیوں کے ہاتھوں اغواء سرفہرست ہے کا بھی نوٹس لیا جانے لگا۔ چیف جسٹس افتخار چودھری نے پاکستانی عوام میں ''امید'' جگائی اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ دیر ہی سے سہی انہیں کسی نہ کسی آشیانے سے انصاف ملنے کی امید تو بیدار ہوئی لیکن اس امید کا گلہ بھی گھونٹ دیا گیا۔ جب حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے بڑے فرعون نما افسروں کو عدالت میں پیش ہوکر جواب دہی کا پابند کرنے والے چیف جسٹس افتخار چودھری کو انکے ساٹھ ساتھیوں سمیت جنھوں نے فرعونیت کے سامنے سرنڈر کرنے سے انکار کردیا تھا گھروں میں قید کردیا۔

حیرت اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ساری قوم کی آواز ایک ہے کہ ان کے چیف جسٹس کو باعزت اسی عہدے پر بحال کیا جائے جس پر بیٹھ کر انہوں نے بڑے بڑے فرعونوں کی گردنوں سے سریا نکالا تھا لیکن اس مسئلے کو بھی سیاست کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ دونوں اہم جماعتوں نے مشاورت سے 30 دن کی حد مقرر کی اور اچانک سازشوں کا ایک طومار بندھ گیا۔ اس سازش میں ملک ہی نہیں بڑے واضح طور پر غیر ملکی ہاتھ بھی اثر انداز ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے ہمیں اپنے ملک کے عام معاملات چلانے کے لئے بھی امریکہ سے اجازت لینی پڑے گی۔ صورت حال کچھ بھی رہی ہو لیکن یہ بات ان لوگوں کو جو اس سازش کا حصہ ہیں یا بن رہے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اب پاکستانی عوام کی قوت برداشت جواب دے گئی ہے۔

اس کے بعد وہ کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے اور قوموں کے آزادی سے کیے گئے فیصلے بسا اوقات حکمرانوں کے لئے بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔ جسے اس بات کی سمجھ نہ آئے وہ شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کا انجام یاد رکھے۔

آمریت نے پاکستان کو کیا دیا

طویل سیاسی جوڑ توڑ، محلاتی سازشوں کے بعد ہوس اقتدار کے مارے ناعاقبت اندیشوں کی سازش سے 7 اکتوبر 1958ء کو صدر مملکت سکندر مرزا نے آئین منسوخ کر کے پاکستان میں پہلا مارشل لاء نافذ کر دیا۔ جس کے پہلے شکار بھی وہ خود ہی ہوئے جب محض 20 دن بعد 27 اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان نے انہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کے بعد ایک کونے میں پھینکا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کے عہدے پر براجمان ہوگئے اور صدارتی طرز حکومت کی بنیاد پر یکم مارچ 1962ء کو ملک میں نیا آئین بھی نافذ کر دیا۔ جنرل ایوب خان کے دور اقتدار کو پاکستان میں صنعتی ترقی کا سنہری دور کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب تو شاید کسی کے پاس نہ ہو۔ ان کے دور میں تعمیر ہونے والے ڈیموں کے گن تو گائے جاتے ہیں لیکن سندھ طاس منصوبے کے جو بھیانک نتائج آج قوم بھگت رہی ہے، اس کا اگر جنرل ایوب خان کو ذرہ برابر بھی احساس ہوتا تو وہ کبھی یہ معاہدہ نہ کرتے۔ آپ نے قیام پاکستان ے بمشکل دس سال بعد ہی جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا۔ قائد اعظم کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف متنازعہ صدارتی انتخاب لڑا اور کامیابی بھی حاصل کی۔ مادرِ ملت زندگی کے آخری سانس تک قائد اعظمؒ کے پاکستان میں مارشل لاء کے نام پر گھونپے جانے والے زہریلے خنجر پر سراپا احتجاج رہیں۔ جنرل ایوب خان نے ان کی میت بھی قائد اعظم کے پہلو میں نہیں دفنانے دی اور 8 جولائی 1967ء کو مادر ملت کے جنازے کے جلوس پر مزارِ قائد اعظم کے باہر لاٹھی چارج کیا گیا۔ 1965ء کی متنازعہ جنگ پر پاکستان کے عسکری ماہرین کے تحفظات آن ریکارڈ موجود ہیں۔ جنرل ایوب خان کا اگلا کارنامہ تھا جس کی کوکھ سے اگرتلہ سازش کیس نے جنم لیا جو بالآخر مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش تک پہنچا۔ جنرل ایوب خان کو سیاستدانوں سے سخت نفرت تھی۔ 1958ء تا 1966ء ایبڈو پابندیاں لگا کر آپ نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ پاکستان کے ساتھ تجربات کرتے رہے۔ بالآخر جنوری 1968ء کے چوتھے ہفتے میں انہیں دل کا شدید دورہ پڑا۔ 3 فروری کو اگلا اٹیک ہوا جس پر جنرل یحییٰ خان کی رال ٹپکی اور انہوں نے بیمار اور صاحب فراش فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کی خواہش کہ قومی اسمبلی کے سپیکر قائم مقام صدر بن جائیں کو حسرت میں تبدیل کر دیا۔ جنوری 1968ء سے مارچ 1969ء تک جنرل یحییٰ خان محلاتی سازشوں کا تانا بانا بنتے رہے اور بالآخر انہوں نے جنرل ایوب کو اسی طرح ایوان صدر سے رخصت کر دیا جیسے جنرل ایوب نے صدر سکندر مرزا کو کیا تھا۔ پاکستان کے بے بس عوام اپنے لٹنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ ساڑھے گیارہ سال تک مارشل لاء اور مارشل لائی جمہوریت تلے سسکتے پاکستان پر پھر ایک جرنیل نے قبضہ کر کے اپنی عقل و دانش کے ڈنکے بجانے شروع کر دیئے۔

ناظرین، جنرل یحییٰ خان کا دور پاکستانی تاریخ کا سیاہ ترین، بدترین دور تھا۔ دن رات شراب و شباب کے نشے میں بدمست رہنے والے اس آمر نے جس کی عیاشیوں پر ایک الگ کتاب مرتب کی جاسکتی ہے، اور جو اپنی بداعمالیوں کے قصے آن ریکارڈ بڑے فخر سے سنایا کرتا تھا۔ جی ہاں

اس یحییٰ خان نے پاکستان کو دولخت کروا دیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جنرل ایوب خان آخری دور میں اتنے بے بس ہو گئے تھے کہ آپ نے 16 جون 1968ء کو ڈھاکہ میں اگرتلہ سازش کیس شروع ہونے کے ایک سال بعد 23 فروری 1969ء کو اسے واپس بھی لے لیا۔ البتہ آپ نے اپنی آخری تقریر میں ان تمام سازشوں کی نشاندہی ضرور کر دی جواب ناقابل تردید سچائی بن کر سامنے آ گئی تھی۔ مفلوج معیشت، پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی سازش، مرکز کو بے اختیار کرنے کا منصوبہ افواج کو مفلوج کرنا اور وحدت پاکستان کا خاتمہ، لیکن ان امراض نے جنم بھی تو آپ ہی کے دور میں لیا۔

25 مارچ 1969ء کو جنرل یحییٰ خان نے صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔ پورے ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ سیاسی جماعتوں کے دباؤ پر بالآخر یکم جنوری 1970ء کو سیاسی سرگرمیوں سے پابندیاں ختم ہوئیں اور شیخ مجیب الرحمٰن سات نکات کے تباہ کن منصوبے کے ساتھ سامنے آ گئے۔

20 مارچ 1970ء کو جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے انتخابی لائحہ عمل قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے 5 اکتوبر کو الیکشن کا اعلان کر دیا لیکن انتخابات 7 دسمبر 1970ء کو ہوئے۔

300 نشستیں 1499 امیدوار 6 کروڑ ووٹرز، مشرقی پاکستان کی 162 میں سے 160 نشستیں عوامی لیگ نے جیت لیں جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ملک توڑنے کی سازشیں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہیں۔

10 فروری 1971ء کو بنگلہ دیش ڈے منایا گیا۔ 15 فروری 1971ء کو مجیب الرحمٰن نے صاف کہہ دیا کہ دوسری جماعتیں 6 نکات تسلیم کر لیں تو ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ آمریت کی روایات کے عین مطابق جنرل یحییٰ نے اقتدار عوامی کمانڈروں کو سونپنے کے بجائے جوڑ توڑ جاری رکھا۔ اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرتے رہے، اور یکم مارچ 1971ء کو جب یہ اجلاس ملتوی ہوا تو ڈھاکہ میں پاکستان کا ہلالی پرچم نذر آتش کر دیا گیا۔ لوٹ مار، توڑ پھوڑ، قتل و غارتگری، ہمارا ازلی دشمن بھارت 1965ء کا زخم خوردہ چپ کہاں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی سازشیں جاری رکھیں۔ بنگلہ دیش کی EXILE Govt بھی قائم کروا دی۔ 7 مارچ کو مجیب الرحمٰن کھل کر سامنے آ گئے۔

22 مارچ 1971ء کو انہوں نے باقاعدہ بنگلہ دیش کا اعلان کر دیا۔ 26 مارچ 1971ء کو گرفتار ہوئے اور مغربی پاکستان لائے گئے۔

اس کے ساتھ ہی ''مکتی باہنی'' جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی محنت شاقہ کا ثمر تھی تیزی سے متحرک ہوئی۔ ان کے ساتھ بھارت کے ہزاروں کمانڈوز بھی مشرقی پاکستان میں گھس گئے۔ 17 اپریل 1971ء کو آل انڈیا ریڈیو سے مشرقی پاکستان کی آزاد حکومت کی حمایت کا اعلان نشر ہوا۔ مسز اندرا گاندھی کے خواب تعبیر کے روپ میں تیزی سے ڈھل رہے تھے۔ 25 لاکھ مہاجرین کا سیلاب مکتی باہنی نے بھارتی سازش کے عین مطابق مغربی بنگال میں دھکیل دیا۔ 29 جولائی کو بھارتی پارلیمنٹ میں پاکستان پر حملے کی قرارداد پاس ہوئی۔

29 اگست 1971ء کو مسز اندرا گاندھی نے روس بھارت دفاعی معاہدے کی آڑ میں پاکستان پر حملے کا پلان ظاہر کر دیا۔ 2 نومبر 1971ء کو بھارت نے اعلان کر دیا کہ اس کی فوج نے مشرقی پاکستان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ روس کے جنگی جہاز پاکستان کی ناکہ بندی کے لئے خلیج بنگال میں داخل ہو گئے 22 نومبر 1971ء کو بھارت نے جیسور، سلہٹ اور چٹاگانگ پر آل آؤٹ حملہ کر دیا۔ 12 ڈویژن بھارتی فوج فضائیہ،

نیوی اور روس کی مدد سے مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہمارا سورما جرنیل ایم۔ اے کے نیازی تکہ، کباب کی پلیٹیں صاف کر رہا تھا۔ میڈیا کے سامنے اس کی گیدڑ بھبکیاں ساری دنیا میں پاکستان کے لئے باعث ذلت بنیں۔ آخری لمحات تک جنرل نیازی جھوٹ بولتا رہا۔ بالآخر ڈھاکہ کے میدان میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا۔ بنگالیوں نے ہمارے جرنیلوں پر تھوکا، جوتے مارے اور تذلیل کی انتہا کر دی۔ 17 دسمبر 1971ء کو جب بھارت نے اپنے ٹارگٹ حاصل کر لئے، جنگ ختم ہوگئی۔ ان حالات میں بھی جنرل یحییٰ خان کرسی صدارت سے چمٹا رہا۔ بالآخر جان بخشی کے وعدے پر 20 دسمبر 1971ء کو اقتدار سے الگ ہوا۔

کاش ذوالفقار علی بھٹو اس وقت تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر جنرل یحییٰ اور ان کے ساتھیوں کو انصاف کے کٹہرے میں لے آتے، ممکن ہے انہیں بعد میں اس انجام سے دوچار نہ ہونا پڑتا جس سے ہوئے، لیکن ہمارے سیاست دانوں کی مصلحتیں، مجبوریاں یا پھر بزدلی نے انہیں ہمیشہ بُرے دن دکھائے۔ جنوری 1972ء سے 7 مارچ 1977 تک پیپلز پارٹی کو برسر اقتدار رہنے کا موقعہ ملا۔ اس دوران بدترین حالات کے باوجود ملک کو 1973ء کا متفقہ آئین ملا۔ مرزائی کافر قرار پائے، شراب نوشی اور جوئے پر پابندی لگی اور جمعتہ المبارک کو چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔ گو کہ بعد میں آنے والے امیر المومنین جنرل ضیاء الحق نے اسلام کا دن رات ڈنکا بجایا لیکن انہیں کوئی بھی اس نوعیت کے اقدام کی توفیق نہیں ہوئی۔ بڑھکیں البتہ خاصی مارتے رہے۔

مارچ 1977ء کے متنازعہ انتخابات نے اگلے جرنیل کی راہ ہموار کردی گو کہ پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے درمیان 3 جون سے 15 جون 1977ء تک مذاکرات ہوتے رہے اور پروفیسر غفور احمد کے بقول جب معاملات طے پا گئے تو مارشل لاء لگ گیا۔ 6 جولائی 1977ء کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کو نامعلوم ذرائع سے کسی قتل عام کی خبر ملی جو بعد کے واقعات نے جھوٹ ثابت کی البتہ یہ بات سچ ہے کہ کسی ستم ظریف نے جنرل ضیاء الحق سے کہہ دیا تھا کہ مسٹر بھٹو انہیں معزول کر کے اپنے ملٹری سیکرٹری میجر جنرل امتیاز کو آرمی چیف آف سٹاف بنانے والے ہیں جس پر 13 جون 1977ء کو انہوں نے کور کمانڈروں کو عشائیہ پر مدعو کیا اور اس خبر کے حوالے سے اپنے تحفظات بھی ظاہر کئے۔ جنرل ضیاء الحق کو جرنیلی سے زیادہ سیاست پر عبور حاصل تھا یہ اضافہ بھی کر دیا کہ بھٹو صاحب کی ہٹ لسٹ میں صرف وہی نہیں چار پانچ اور سینئر جرنیل بھی شامل ہیں جس پر انہیں جرنیلوں کی مکمل ہمدردیاں اور حمایت حاصل ہوگئی۔ 5 جولائی کو رات ''آپریشن فیئر پلے'' ہوا اور صبح 7 بجے کی خبروں نے اگلے جنرل کی آمد کی نوید سنادی۔ جنرل صاحب نے فرمایا میں تو 90 دنوں کے لئے آیا ہوں میرا سیاست اور کاروبار مملکت سے کیا لینا دینا۔ 28 جولائی کو آپ نے سیاسی نظر بندوں کو رہا کر کے سیاسی سرگرمیاں چار دیواری کے اندر تک محدود کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے پَر پُرزے نکالنے شروع کئے۔ مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں کئے وعدے کو بھول کر اپنے ''اسلامی انقلابی نظریے'' کو بروئے عمل لانے پر تل گئے۔ دسمبر 1977ء کو آپ نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو احمد رضا قصوری کے والد نواب محمد احمد خان قتل کیس کے سلسلے میں گرفتار کر لیا۔ 13 ستمبر کو ان کی ضمانت لے کر ملک سے فرار ہونے کا موقعہ دیا جسے عوامی لیڈری سے سرشار بھٹو نے نظر انداز کیا اور 17 ستمبر کو دوبارہ گرفتار ہو گئے جس کے بعد انہیں جیل سے تو کبھی رہائی نہ ملی البتہ جنرل ضیاء الحق نے انہیں زندگی کی قید سے آزاد کرا دیا۔

14 جنوری 1978ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے 16 ارکان پر مشتمل مشیروں کی کونسل بنا کر اپنے منصوبے کا اگلا مرحلہ مکمل کر لیا۔ 18 مارچ 1978ء کو ہائی کورٹ نے ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت بھی سنادی۔ 5 جولائی 1978ء کو 22 رکنی نئی وفاقی کابینہ کا اعلان کر دیا گیا۔

23 اگست 1978ء کو مارشل لاء گورنمنٹ نے ایک نئی 24 رکنی کابینہ تشکیل دے دی۔ جناب شریف الدین پیرزادہ اٹارنی جنرل مقرر ہوئے۔ اس کابینہ میں مسلم لیگ کے 5 جماعت اسلامی کے 3 جمعیت علمائے اسلام کے 3 اور پاکستان جمہوری پارٹی کے 2 وزراء بھی شامل تھے۔

4 اپریل 1979ء کو قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے پاکستان کے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو بدترین حالات میں بے رحمی سے پھانسی دے کر ان کی زبردستی تدفین بھی نوڈیرہ لاڑکانہ میں کروا دی گئی۔ 24 مارچ 1981ء کو جنرل ضیاء الحق نے ملک میں عبوری آئین نافذ فرما دیا۔ ایک وفاقی کونسل قائم کی جسے مجلس شوریٰ کا نام دیا۔ 5 جولائی 1977ء کو سابقہ آئین منسوخ کر کے مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا۔ حکم جاری ہوا کہ جب تک ملک میں دوبارہ سیاسی ادارے بحال نہیں ہو جاتے یہی عبوری آئین برقرار رہے گا۔ مجلس شوریٰ وفاقی شرعی عدالتیں آپ کے کارنامے ہیں۔ 1979ء کے بلدیاتی انتخابات کے ذریعے آپ نے بھی پاکستان میں جنرل مشرف کی طرح مقامی حکومتوں کے قیام کا کارنامہ انجام دیا تھا جبکہ 15 جون 1979ء کو بلدیاتی انتخابات سے قبل مولانا مفتی محمود اس خدشے کا اظہار کر چکے تھے کہ بلدیاتی انتخابات سے عام انتخابات کا انعقاد خطرے میں پڑ جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ کچھ سیاسی جماعتوں کے احتجاج پر جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء کے ضابطہ نمبر 49 کے تحت تمام سیاسی پارٹیاں کالعدم قرار دے کر عام انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی، فنڈز منجمد اور لیڈر نظر بند، عدلیہ کے اختیارات مزید محدود، اخبارات پر سنسر شپ اور حکومت مخالف اخبارات کی بندش بھی آپ کے سنہری کارناموں میں شامل ہے۔ مذکورہ حکم کے تحت 1973ء کا آئین معطل ہو گیا اور ان کی جگہ مارشل لاء احکامات اور صدارتی آرڈی نینس جاری ہونے لگے۔ فوجی عدالتیں لامحدود اختیارات کے تحت قائم ہو گئیں۔ جنرل ضیاء الحق بیک وقت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، چیف آف آرمی سٹاف اور صدر مملکت بن گئے۔ ستمبر 1978ء سے دسمبر 1985 تک انہوں نے تینوں عہدے اپنے پاس رکھے۔

یکم جنوری 1986 کو مارشل لاء اٹھنے پر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہ رہے لیکن صدر اور آرمی چیف کی کرسیوں سے چمٹے رہے۔ جب آپ سے وردی اتارنے کے لئے کہا گیا تو فرمایا "Am a bridge between army and civil Government" ''میں فوج اور سول حکومت کے درمیان رابطہ ہوں'' انہوں نے کبھی اپنی رخصتی کی بات نہیں کی۔ فرماتے تھے۔ میرا کوئی شیڈول نہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کا مقصد ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا ہے اور میں اپنے اس مشن کو مکمل کروں گا۔

نصرت بھٹو نے آئین کے آرٹیکل 184 سب کلاز 3 کے تحت سابق وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کو چیلنج کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ 1973ء کے آئین میں مارشل لاء نافذ کرنے والے یا مارشل لاء کے نفاذ اور منتخب حکومت کے خاتمے کی سازش کرنے والے شخص کو ملک و قوم کا غدار ٹھہرایا گیا ہے عدالت جنرل ضیاء کے مارشل لاء کو غیر قانونی قرار دے کر انہیں قرار واقعی سزا دے، لیکن عدالت عالیہ نے

1955ء کے مولوی تمیز الدین کیس کی یاد تازہ کرتے ہوئے جسٹس منیر کے اس فارمولے کو کہ Safety of State a Supereme law کے تحت نظریہ ضرورت کا گرز جمہوریت کے سر پر دے مارا۔

جنرل ضیاء الحق کا سیاسی فلسفہ عجیب وغریب تھا وہ عدلیہ، فوج، بیوروکریسی اور پبلک اداروں کے بارے مخصوص نقطہ نظر رکھتے تھے۔ موصوف کی خواہش تھی نیشنل سکیورٹی کونسل کے نام سے ایک ادارہ قومی اسمبلی کے اوپر بٹھا دیا جائے جس میں صدر تینوں مسلح افواج کے سربراہان شامل ہوں۔ اس کونسل کو وہ محدود اختیارات دینا چاہتے تھے۔ RCO 1985 میں اس کے قیام کو لازمی قرار دیا گیا لیکن 8ویں ترمیم کی قومی اسمبلی سے منظوری کے وقت یہ تجویز واپس لے لی گئی۔

جنرل ضیاء الحق صدر اور وزیراعظم میں اختیارات دینے کے حامی تھے جبکہ سیاستدان کہتے تھے گورنروں اور صدور نے ملک میں آئین سے انحراف اور اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال سے اسمبلیوں کو توڑا ہے۔ مولوی تمیز الدین کی سپیکر شپ سے معزولی، گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کی حکومت کی برطرفی صدر سکندر مرزا کا پے در پے حکومتوں کو برطرف کرنا۔ 1958ء میں آئین منسوخ کرنا، ایوب خان کا اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شخصی حکومت قائم کرنا، جنرل یحییٰ کا اختیارات سے تجاوز کر کے ملک دو ٹکڑے کرنا اس کی مثال ہے۔

لیکن جنرل ضیاء الحق نے جو سیاستدانوں کو بڑے گھٹیا القاب دیا کرتے تھے 1981PCO ء او 1985PCO ء کے ذریعے 1973ء کے آئین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ لاتعداد ترامیم کیں اور 8ویں آئینی ترمیم کے ذریعے صدر کو اسمبلیاں توڑنے کا اختیار بھی دے دیا 29 مئی 1988ء کو اس کے استعمال کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے وزیراعظم جونیجو کی بھی چھٹی کرا دی۔ اسمبلیاں توڑ کر ملک میں نگران حکومتیں قائم کر دیں۔

سیاسی جماعتوں کو وہ عدم استحکام کا باعث قرار دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے 1985ء میں غیر جماعتی الیکشن کروائے۔ 1988ء کے انتخابات بھی غیر جماعتی کروانا چاہتے تھے لیکن اس کی مہلت نصیب نہ ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق عدلیہ کی بھی محدود آزادی کے قائل تھے۔ آپ نے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی تقرری کے طریقہ کار کو تبدیل کیا جس کے تحت وہ اعلیٰ عدالت کے کسی بھی جج کا تبادلہ کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق کام سونپ سکتے تھے۔ 23 ستمبر 1978ء کو صدر ضیاء الحق نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یعقوب علی خان کو جبری ریٹائر کر کے اعلیٰ عدالتوں پر دہشت طاری کر دی۔ فروری 1980 میں ایئر مارشل (ر) اصغر خان نے اپنے ''پاپ کا پراچیت'' کرنے کے لئے حکومت کے قانونی جواز کو چیلنج کیا۔ سماعت ہائی کورٹ کے فل بنچ نے کی۔ اس سے پہلے کہ بنچ فیصلہ سنائے جنرل ضیاء نے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا تبادلہ سپریم کورٹ میں کر کے بنچ ہی توڑ دیا۔ ڈسٹرکٹ اور بار ایسوسی ایشنوں سے سیاسی رہنماؤں کے خطاب پر پابندی لگا دی۔ خطاب کی دعوت دینے والے کو 14 سال قید بامشقت 25 کوڑے اور جائیداد کی ضبطی کی سزا مقرر کی۔ 25 مارچ 1981ء کو ججوں کو PCO کے تحت حلف اٹھانے کا حکم ملا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور تین ججوں نے انکار کر کے اپنی چھٹی کروائی۔ بلوچستان کے تین میں سے دو جج جن میں چیف جسٹس خدا بخش مری بھی شامل تھے، نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے دو سندھ

ہائی کورٹ کے ایک جج نے بھی انکار کر دیا جس جج نے صدر ضیاء کے کسی حکم کے خلاف رٹ پٹیشن کی سماعت کی اور صدر کو ذرا شک محسوس ہوا آپ نے فوراً اسے تبدیل یا جبری ریٹائر کر دیا۔ جنرل ضیاء کے دور میں سپریم اور ہائی کورٹس کے سربراہ ''قائم مقام چیف جسٹس'' اور عدم تحفظ کا شکار رہے۔

نفاذ اسلام کے لئے موصوف نے فروری 1979ء کو حدود آرڈی نینس جاری کیا جس پر آج تک لے دے ہو رہی ہے۔ 1979ء میں شریعت بنچ قائم ہوئے جس نے عوام اور قانون دان طبقے میں کنفیوژن پیدا کیا۔ 1979ء کی تعلیمی پالیسی آج تک متنازعہ ہے۔ نظام زکوۃ و عشر کی آڑ میں جو کھیل رچایا گیا اس سے کوئی بھی مکتب فکر مطمئن نہیں۔ آئین کی قطع و برید آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس سلسلے میں جب ان کا جی چاہتا اپنی مرضی کی ترمیم کر لیتے کیونکہ نصرت بھٹو کیس کے فیصلہ نے مارشل لاء حکومت کو قانونی قرار دینے کے علاوہ اسے آئین میں ترمیم کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ 2 مارچ 1985ء کو صدر ضیاء الحق نے آر۔سی (Revival of Constitution order) جاری کیا جس کا مقصد صدارتی اختیارات میں اضافہ، وزیراعظم کے اختیارات محدود کرنا، مارشل لا اقدامات کو تحفظ دینا اور 1973ء کے آئین کو صدارتی طرز کا بنانا معرض وجود میں آنے والی اسمبلیوں اور سول حکومت کے اختیارات محدود کرنا اس حکم کے تحت آئین کی 280 شقوں میں سے 67 ترامیم کی گئیں جس سے 1973ء کے آئین کی اہلیت ہی دم توڑ گئی۔ 8ویں ترمیم کے تحت آئین کے 18 آرٹیکلز اور 2 شیڈولز میں نہ صرف ترمیم کی گئی بلکہ اس میں ایک نئے شیڈول کا اضافہ بھی کیا گیا۔ 29 مئی 1988ء کو صدر ضیاء الحق نے بلا توقف جونیجو حکومت کو برطرف کر کے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں۔ اس طرح محمد خان جونیجو اور ان کے رفقا نے 8ویں ترمیم پر جو مہر تصدیق ثبت کی تھی اس کا پہلا شکار ان کی حکومت ہی بن گئی اور 17 اگست 1988ء کو بہاولپور کے نزدیک فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق کو اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے ایک بڑا سہارا روس کی افغانستان میں آمد اور امریکہ کا پاکستان کو ''ہتھ ٹوکا'' بنانا بن گیا کیونکہ دنیا میں جمہوریت کا بڑا چیمپئن امریکہ ہی ہے۔ خصوصاً ہمارے ہاں حکومتوں کے جوڑ توڑ میں اس کا رول ہمیشہ رہا ہے۔ جب امریکہ ہی جنرل ضیاء الحق کا دست نگر تھا تو ایم آر ڈی کی تحریک ان کا کیا بگاڑ سکتی تھی لیکن یہ بھی تاریخ کا سبق ہے کہ بالآخر جنرل ضیاء الحق امریکی سازش ہی کی بھینٹ چڑھے۔

جس طرح جنرل ضیاء الحق کو روس کی افغانستان آمد کا ایج مل گیا تھا یہی خوش قسمتی جنرل مشرف کی بھی ہے کہ اکتوبر 1999ء میں اقتدار پر غاصبانہ قبضے کے بعد انہیں نائن الیون مل گیا جس نے عالم اسلام خصوصاً پاکستان کا بیڑہ غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن جنرل مشرف کے اقتدار کو مضبوطی اور طوالت نصیب ہو گئی۔

''کارگل'' کی لڑائی میاں نواز شریف اور جنرل مشرف کے درمیان وجہ تنازعہ بنی میاں نواز شریف نے ہمیشہ یہی کہا کہ انہیں اس مسئلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا اور حقائق بتاتے ہیں کہ یہی مسئلہ پھر ان کے خلاف بغاوت اور 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل مشرف کے اقتدار پر شب خون مارنے کی وجہ بنا۔ جنرل مشرف نے خود کو چیف ایڈمنسٹریٹر ڈکلیئر کیا۔ عدالت سے حسب روایت 3 سال مادر پدر اختیار لیا کرپٹ سیاستدانوں کو بلیک میل کر کے دبائے رکھا۔ سیاسی جماعت کھڑی ہوئی اور اقتدار پر باقاعدہ براجمان ہو گئے موصوف نے چیف آف آرمی سٹاف، چیف ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کی 3 ٹوپیاں ایک ہی وقت میں سر پر چڑھائے رکھیں جسے آپ Chain of Comand بھی کہا کرتے ہیں۔

صدر جنرل مشرف کو چونکہ ابتداء ہی میں نابغہ روزگار شریف الدین پیرزادہ اینڈ کمپنی اور بے چارے نیب زدہ سیاستدانوں کا مخلصانہ تعاون مل گیا تھا۔ اس لئے آپ نے جی بھر کے روشن خیال ترقی پسندی کے ڈنکے بجائے معاملات کو سائنسی طریقے سے آگے بڑھانے کے لئے جنرل مشرف نے میاں نواز شریف کو طیارہ سازش کیس میں سزا دلائی اور دسمبر 2000ء میں ملک بدر کر دیا۔ آپ کے عظیم رفقاء نے جی ایچ کیو میں سی فور آئی ڈائریکٹوریٹ قائم کیا۔ سی فور آئی درحقیقت کمانڈ، کنٹرول، کمپیوٹر، کمیونیکیشن اور انٹیلی جنس کا مخفف ہے جس نے 2001ء کے بلدیاتی انتخابات، ریفرنڈم، اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات دونوں بلدیاتی انتخابات میں اہم کارنامے انجام دیئے قومی اور صوبائی اسمبلی کے حلقوں مخالف امیدواروں، برادریوں اور قائدین کی خوبیوں، خامیوں، کمزوریوں اور مضبوطیوں کا مکمل تجزیہ، معلومات، متعلقہ حلقوں کے مسائل ور حجانات اور وقتاً فوقتاً وقوع پذیر سیاسی وسماجی تبدیلیوں کا مکمل ریکارڈ رکھنے اور اس کی بنیاد پر حکمت عملی ترتیب دینا سی فور آئی ڈائریکٹوریٹ کا کام تھا جو اس نے بڑی کامیابی سے کیا۔

ریفرنڈم ہمارے جرنیلوں کا شوق رہا ہے۔ سب سے پہلے جنرل ایوب خان نے اس مقصد کے لئے بلدیاتی اداروں کے 80 ہزار بی ڈی ممبر منتخب کروائے۔ پھر 14 فروری 1960ء کو ریفرنڈم میں ان بی ڈی ممبران سے ''ہاں'' ''ناں'' کا پزل حل کروایا اور اعلان فرما دیا کہ 95 فی صد ووٹ ہاں میں آئے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے بلدیاتی اداروں کی بجائے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹروں سے رجوع کیا 19 دسمبر 1984ء کو ریفرنڈم میں عوام سے پوچھا کہ وہ پاکستان قوانین کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق ڈھالنے، نظریہ پاکستان کے تحفظ یقینی بنانے اور اس کے لئے اختیار کئے گئے طریقے کے تسلسل اور استحکام اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کے طرز عمل کی توثیق کرتے ہیں؟ اس ریفرنڈم کے حوالے سے آج تک لوگ ایک دوسرے کو لطیفے سنا کر محفوظ ہوتے ہیں جنرل صاحب نے رات کو اعلان کر دیا کہ 45 صد ووٹرز نے ان کے حق میں یعنی 'ہاں' پر نشان لگائے ہیں۔

جنرل مشرف کہاں پیچھے رہنے والے تھے آپ نے 30 اپریل 2002ء کو ریفرنڈم کروایا ''قومی تعمیر نو' بیورو'' نے 60 فی صد سے زیادہ ٹرن آؤٹ اور 90 فی صد سے زیادہ 'ہاں' میں ڈالے گئے ووٹوں کا نتیجہ تیار کر رکھا تھا جسے وقت آنے پر پریس کے لئے جاری کر دیا گیا۔ لوکل باڈی الیکشن 2002ء میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی اور لوکل گورنمنٹ کے نام پر جنرل مشرف نے اپنی ایک نئی فوج تیار کر لی یہ وہ لوگ تھے جن کی براہِ راست سرکاری فنڈز تک رسائی تھی پولیس ان کے کنٹرول میں تھی اور سر پر جنرل صاحب کا دستِ شفقت اللہ اللہ خیر صلا۔ انہیں جنرل مشرف صاحب اپنا ووٹ بنک کہا کرتے ہیں۔

یہ وہ دور ہے جب پاکستان سٹیل ملز، حبیب بنک، پی ٹی سی ایل، سٹاک مارکیٹ 2006-2005ء گوادر میں زمینوں کی الاٹمنٹ، بنکوں کی کرپشن اور شوگر سکینڈل جسے مشہور زمانہ سکینڈل سامنے آئے۔ جنرل مشرف کو چونکہ روشن خیال ترقی پسند دانشوروں کا ساتھ بھی ٹھیک ٹھاک میسر تھا۔ اس لئے آپ نے معیشت میں بھی انقلابی اقدامات کئے۔ ہمارے سابق (اور موجود مفرور) وزیراعظم اور وزیر خزانہ شوکت عزیز کی ''ٹریکل

ڈاؤن'' اکانومی نے پاکستان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ روپے کی قدر میں شرمناک حد تک کمی ہوئی اور ہم افغانی روپے کے برابر ہو چکے ہیں۔ بنکوں کا منفی کردار، مراعات یافتہ طبقے کی سرپرستی، کارٹلز کی سرپرستی اور عوامی استحصال، فوجی مالیاتی مسائل پر وفاقی کنٹرول میں اضافہ زر مبادلہ کے ذخائر کے بے بنیاد اور لغو دعوے اندرونی اور بیرونی قرضے بیروزگاری میں خوفناک اضافہ، مہنگائی میں ہوشربا اضافہ، پاکستان سے سفید پوش طبقے کا قریباً صفایا آپ کی معیشت کے شاندار کارنامے ہیں۔

عالمی سطح پر پاکستان کو جو ذلت و رسوائی جنرل پرویز مشرف کے دور میں نصیب ہوئی اس کی مثال گذشتہ 60 سال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

جنرل صاحب نے امریکہ کے ناجائز مطالبات ماننے میں یدطولیٰ حاصل کیا اور امریکہ کو بن مانگے وہ وہ کچھ دیا جس کا امریکیوں نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ مسئلہ کشمیر قریباً دفن کر دیا مجاہدین کو اپنی انقلابی پالیسی کے تحت دہشت گرد بنایا اور صوبہ سرحد جو پاکستان کا سب سے پُرامن صوبہ تھا نفرت اور انتقام کی آگ میں بھسم کر دیا۔ پاکستان کے گلی کوچوں میں خودکش دھماکے ہوئے اور پاکستانی عوام نے اپنی ہی فوج کو پہلی مرتبہ اپنے ہی بازوئے شمشیرزن کے خلاف نبردآزما پایا۔ پاکستان کے سرمایا افتخار ڈاکٹر قدیر خان کو زندہ درگور کر دیا قوم کی نظروں میں ہیرو کو چور بنا کر پیش کیا گیا۔ حیرت اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ الیکشن 2008ء میں عوام نے سیاسی جماعتوں کو آمریت کے خلاف مینڈیٹ دے کر اسمبلیوں میں بھیجا تھا لیکن وہ بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں اور آمریت نے صدارتی محل میں ابھی تک ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

........❁........

ہم کس کا ''کھیل'' کھیل رہے ہیں!

23 اگست کی ایک خبر کے مطابق سوات کے علاقے چار باغ کے تھانے پر خودکش حملے سے دس پولیس اہلکار جاں بحق ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ پاکستان آرڈیننس فیکٹری واہ کینٹ کے مین گیٹ پر ہونے والے دو خودکش دھماکوں کے بمشکل تین روز بعد پیش آیا ہے۔ واہ کینٹ کے سانحہ میں اب تک 76 بے گناہ پاکستانی جن میں شاید کسی ایک کا تعلق بھی باقاعدہ فوج سے نہیں رہا ہوگا کیونکہ یہ سب مزدور پیشہ ٹیکنیشن ہیں جو واہ آرڈیننس فیکٹری میں کام کرتے ہیں اور چھٹی کر کے باہر آ رہے تھے' جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ابھی کتنے جان کنی کے مراحل سے گزر رہے ہیں اس سوال کا جواب بھی اتنا ہی تکلیف دہ ہے۔ طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اسے باجوڑ پر حملوں کا ردعمل بتایا ہے چونکہ ہر شخص کا سوچنے کا اپنا انداز اور طریق کار ہے۔ اس لئے مولوی عمر کے اس بیان پر کوئی بحث تو نہیں ہو سکتی لیکن ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کے خیال میں یہ باجوڑ کے حملوں کا ردعمل ہے اور وہ سکیورٹی فورسز پر ہی حملے کرتے ہیں تو شاید وہ بتا سکیں کہ اس حملے میں باقاعدہ سکیورٹی فورسز کے کتنے جوان یا افسر جاں بحق ہوئے؟ شاید ایک بھی نہیں۔ یہ سب بیچارے عام سویلین ملازمین تھے اور عین ممکن ہے ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہو جو قبائلی علاقہ جات میں ہونے والی سکیورٹی فورسز کی کارروائی کو غلط سمجھتے ہوں۔

اس مرحلے پر حکومت پاکستان کو بھی یقیناً یہ سوچنا ہوگا کہ وہ امریکہ کی جنگ کو اپنے ملک میں لڑ کر کب تک اپنے ہی شہریوں کی جان کے نذرانے پیش کرتی رہے گی۔ صورتحال اتنی سنگین ہو چکی ہے کہ اب پاکستان کو غیر محفوظ ملک کہا جانے لگا ہے۔ نہ تو ہمارے ہاں کوئی غیر ملکی ٹیم آ کر کھیلنے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی غیر ملکی سرمایہ کاری ہو رہی ہے بلکہ ملکی غیر ملکی ہی نہیں پاکستانی سرمایہ کار بھی پاکستان سے کاروبار سمیٹ کر باہر بھاگ رہے ہیں، اور صورتحال اتنی الارمنگ اور تکلیف دہ ہے جو بیان سے باہر ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ فروری کے انتخابات سے تادم تحریر ہماری سویلین حکومت کے معاملات بھی ہیں جو ابھی تک ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہے۔ جب فروری 2008ء میں انتخابی نتائج منظر عام پر آئے تو پاکستانی عوام نے سجدہ شکر ادا کیا کہ حکومتی دھاندلیوں کے باوجود عوامی مینڈیٹ اتنا واضح تھا کہ حکومت کی لاکھ کوششوں کے باوجود بالآخر اپوزیشن جماعتوں نے مل کر حکومت بنائی۔

مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کی حکومت سازی کے لئے جمع ہونا ہماری پارلیمانی سیاسی تاریخ کا شاندار باب ہے۔ جس کے بعد یہ امید پیدا ہونے لگی تھی کہ اب پاکستان میں جمہوری کلچر ضرور پروان چڑھے گا۔ جمہوریت کی برکات سے ہم مستفید ہوں گے اور ملک کے سب سے اہم مسئلے یعنی دہشت گردی سے جو سابقہ صدر صاحب کی مہربانیوں اور امریکہ کے لئے بے پناہ فیاضیوں کے سبب پاکستانیوں پر مسلط ہو چکی ہے سے نجات مل جائے گی کیونکہ عسکریت پسندوں کی طرف سے یہ بات تکرار سے کہی جا رہی تھی کہ وہ منتخب حکومت سے مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں، اور ایسا ہوا بھی۔ اے این پی کی صوبائی حکومت نے سوات میں صورتحال کو کنٹرول کیا اور آٹھ سال سے بغیر مقدمہ چلائے نظر بند صوفی محمد

نفاذ شریعت والوں کو رہا کرتے ہوئے مقامی عسکریت پسندوں سے امن معاہدہ بھی کر لیا جس پر امن بھی ہو گیا لیکن اچانک امریکہ کی نافذ کردہ ''وار آن ٹیرر'' نے ہمیں پھر جہنم کا ایندھن بنا دیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ سوات میں جنگ جاری ہے خدا جانے کون لوگ ہیں جنہوں نے اب تک بچیوں کے قریباً دو سو سکول نذر آتش کر دیئے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اے این پی کی طرف سے قدرے ٹھیک ہونے والے معاملات اچانک کیسے خراب ہو گئے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے حوالے سے فیصلہ پاکستانی حکومت نہیں کوئی اور ہی کرتا ہے جس پر ہمیں بہر صورت عمل کرنے کا حکم صادر ہوتا ہے اور عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھے اور جانے بغیر کہ اس میں ہمارا کیا کچھ داؤ پر لگ جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کی صوبائی حکومت کے قریباً تمام ذمہ دار یہ بیان ریکارڈ دے چکے ہیں کہ کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے نہ تو ان کو اعتماد میں لیا جاتا ہے نہ ہی ان سے مشورہ کیا جاتا ہے لیکن صوبائی حکومت کے ذمہ داروں کو شاید اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ اعتماد میں مرکز کو بھی نہیں لیا جاتا وہاں بھی یہ مسئلہ کبھی پارلیمنٹ میں یا کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش نہیں ہوا ایسا لگتا ہے جیسے یہ امریکہ اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہے جو نہ کبھی منظر عام پر آیا ہے اور نہ ہی کبھی لایا جائے گا البتہ بڑی تابعداری سے ہم اس کی پابندی کرتے رہیں گے خواہ قیمت کچھ بھی ادا کرنی پڑے۔

اپنے تازہ ترین بیان میں ڈی جی آئی ایس پی آر نے کہا ہے کہ قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں آپریشن اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس کے مقاصد حاصل نہیں کر لئے جاتے۔ بیت اللہ محسود کی تحریک طالبان پاکستان نے پیر کو ڈیرہ اسماعیل خان کے ہسپتال کے اندر اور بدھ کو اسلام آباد کے قریب دفاعی اسلحہ ساز ادارے پاکستان آرڈیننس فیکٹری کے باہر ہوئے خودکش حملوں کی ذمہ داری قبول کی تھی اور کہا تھا کہ یہ حملے باجوڑ ایجنسی میں جاری فوجی کارروائی کا ردعمل ہیں۔ تنظیم نے آپریشن بند نہ ہونے کی صورت میں ایسے مزید حملوں کی دھمکی بھی دی ہے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل اطہر عباس نے تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان مولوی عمر کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی تردید کی کہ ان دھماکوں کے بعد فوج نے اپنی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی کی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آپریشن کے اغراض و مقاصد میں جب تک کامیابی نہیں ہو جاتی آپریشن جاری رہتا ہے، اور یہ آپریشن بھی جاری رہے گا جب تک کہ جو بھی ہدف مقرر ہیں وہ مکمل نہیں ہو جاتے۔ فوجی ترجمان نے ان اہداف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ باجوڑ میں جاری کارروائی کا بنیادی مقصد علاقے میں حکومت کی رٹ قائم کرنا اور وہاں موجود ان عسکریت پسندوں کو ختم کرنا ہے جو فوجی کارروائی کے خلاف مسلح مزاحمت اور حملے کر رہے ہیں۔ دریں اثنا افغانستان میں تعینات اتحادی افواج انٹرنیشنل سکیورٹی اسسٹنس فورس (ایساف) نے جمعہ کو جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ جمعرات کی شب ایساف کے اہلکاروں نے پاکستانی علاقے میں عسکریت پسندوں کے ایک ٹھکانے پر توپ خانے سے کئی گولے داغے۔ بیان کے مطابق یہ کارروائی پاکستانی فوج کے اشتراک سے کی گئی۔ پاکستانی فوج نے تصدیق کی تھی کہ سرحد پار پاکستانی علاقے میں بھاری ہتھیاروں سے لیس عسکریت پسند جمع ہوئے اور وہ افغانستان کے صوبے پکتیکا میں موجود ایساف کے فوجی اڈے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جس کے بعد یہ کارروائی کی گئی۔ اتحادی افواج کے بیان کے مطابق پاکستانی افواج نے ایساف سے کہا تھا کہ اپنے علاقے میں وہ ان عسکریت پسندوں کو مصروف رکھیں گی تا کہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔ پاکستانی افسران نے بتایا کہ تمام گولے ہدف پر لگے اور کسی عام شہری کی ہلاکت

نہیں ہوئی۔ تاہم بیان میں کہا گیا ہے کہ ایساف اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی کہ اس کارروائی میں کتنے عسکریت پسند مارے گئے کیونکہ وہ پاکستانی علاقے میں تھے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل اطہر عباس نے اس کارروائی سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

رحمان ملک نے گذشتہ دنوں پشاور میں باجوڑ آپریشن کے حوالے سے پریس کانفرنس کرتے ہوئے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا، اور یہ بھی کہا تھا کہ قبائلی علاقہ جات کی شورش میں غیر ملکی ہاتھ بھی ملوث ہے۔ ان کا واہ کینٹ کے سانحے کے بعد بیان آیا ہے کہ انہوں نے ایک بڑا ''بریک تھرو'' کیا ہے اور پاکستان میں ہونے والی مداخلت میں ایک نہیں بلکہ دو تین ملک ملوث ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اگلے تین روز میں ایک بڑی سازش کے سلسلے میں ایران سے بھی رابطہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس نوعیت کے بیانات پاکستانی عوام میں پہلے سے موجود کنفیوژن میں کچھ زیادہ اضافہ کر دیتے ہیں اور لوگ اپنے اندازے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔

جہاں تک باجوڑ آپریشن کا تعلق ہے۔ اس سوال کا جواب تو رحمان ملک صاحب ہی دے سکتے ہیں کہ وہاں حکومتی رٹ کس حد تک قائم ہوئی ہے لیکن زمینی حقائق یہ ہیں کہ اب تک پونے تین لاکھ افراد ہجرت کر کے پشاور اور ملحقہ علاقوں میں آ چکے ہیں جو کسی بھی مرحلے پر انتہائی خطرناک مسائل کھڑے کر سکتے ہیں۔ یہ مسائل لاینڈ آرڈر کے حوالے سے تو شاید کم ہوں لیکن اتنے مہاجرین کی دیکھ بھال اور ضروریات پوری کرنا صوبہ سرحد کی حکومت کے لئے تو کم از کم ممکن نہیں رہا۔ اس ضمن میں قاضی حسین احمد کا یہ بیان بڑا ہی پریشان کن ہے کہ حکومت پمفلٹ گرا کر ان لوگوں کو علاقے سے نکل جانے پر مجبور کر رہی ہے۔ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ یہ لوگ غیر ملکی نہیں، افغان مہاجر نہیں، پاکستانی شہری ہیں جو پاکستان میں ہی مہاجر بن گئے ہیں۔

تحریک طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے واہ کینٹ کے حملے کو باجوڑ پر حملوں کا ردعمل قرار دیا ہے۔ میڈیا پر بھی یہ خبریں عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں کہ عسکریت پسندوں اور پاکستانی فوج کے درمیان لڑائی میں بے گناہ شہری خصوصاً بچے عورتیں اور بوڑھے مارے جاتے ہیں۔ دینی مدارس پر میزائل گرتے ہیں تو بھی درجنوں بے گناہ بچے شہید ہو جاتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عسکریت پسندوں کی سرکوبی کرنے والی افواج زمینی لڑائی سے احتراز برتتے ہیں اور زیادہ تر فضا سے ہی حملے کیے جاتے ہیں جن میں گن شپ ہیلی کاپٹروں کے حملے نمایاں ہیں۔ یہ کارروائیاں کتنی ہی محتاط کیوں نہ ہوں سویلین بے گناہوں کے جانی اور مالی نقصان کا خطرہ ضرور رہتا ہے۔ اس مرحلے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی سکیورٹی ایجنسیاں بہر حال حکومتی رٹ قائم کرنے کے مشن پر گامزن ہیں اور وہ یہ کارروائی اپنے ملک میں ہی کر رہی ہیں۔ امریکہ یا نیٹو کا تعلق افغانستان سے نہیں وہ غیر ملکی ہیں، اور ان کے مسائل بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ ہماری فوج میں ایس ایس جی کے قابل فخر جوان اور افسر موجود ہیں۔ ماضی میں شہید ٹی ایم (طارق محمود) کے حوالے سے بلوچستان میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایسے بہت سے واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ سکیورٹی ایجنسیوں کی بہر حال اپنی حکمت عملی ہوتی ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ پیرا ٹروپرز کو منتخب کردہ ٹارگٹس پر اتارا جائے اور وہ خود باغیوں کے خلاف کارروائی کریں اس طرح بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کے خدشات بھی کم ہو جائیں گے۔

نئی روایت قائم کیجئے

نئی حکومت نے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ عوامی توقعات ان سے وابستہ ہیں۔ کچھ وعدے حکومت نے زمام اقتدار سنبھالنے سے پہلے کئے تھے جن پر نیک دلی سے عمل کے لئے بھی کوشاں ہے، اور یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مرتبہ جو حکومت قائم ہوئی ہے وہ ماضی کے برعکس ڈکٹیشن نہیں لے گی بلکہ پارلیمنٹ اور آئین کی روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے گی۔ ہماری دعا ہے ایسا ہی ہو۔ اس مرحلے پر ایک اہم مسئلہ حکومت کی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ ہمارے ہاں روایت یہی رہی ہے کہ ہر آنے والی حکومت جانے والی حکومت کی کرپشن کا وائیٹ پیپر جاری کرتی ہے، اور ماضی کی تمام ناکامیاں اس کے گلے منڈھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر گزشتہ حکومت میں کسی نے ملک کو اربوں یا کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے تو وہ اگلی مرتبہ محض اس لئے تو اس جرم سے مستثنیٰ قرار نہیں پاتا کہ اس کا تعلق اب اپوزیشن سے ہے یا پھر وہ سیاست کے بزنس سے آؤٹ ہو چکا ہے۔ اگر محض یہ وجہ کسی ملزم کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہے تو پھر شاید یہ سلسلہ بہت دور تک جائے گا اور ''لا اینڈ آرڈر'' کا تصور ہی بدل جائے گا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ حکومت ایک نئی روایت کا آغاز کرے اور اس وعدے کے ساتھ کہ اپنا دور اقتدار ختم ہونے پر وہ خود کو بھی احتساب کے لئے پیش کریں گے گزشتہ حکومت میں ہونے والی کرپشن کا احتساب کرے۔

یوں تو ماضی کی ہر حکومت ہی کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حد تک کرپشن میں ملوث رہی ہے لیکن گزشتہ حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے بلکہ ایسے ایسے معاشی کارناموں کا دعویٰ کیا گیا کہ سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ حکومتی دعوؤں کے برعکس زمینی حقائق کچھ اور ہی کہانیاں سناتے رہے۔ بھوک' افلاس' بے روزگاری اور مہنگائی نے ملک کو قحط کے خوف میں لپیٹے رکھا اور خودکشیوں کا ریٹ خطرناک حد تک بڑھ گیا۔ حکومت کی طرف سے اس کے باوجود مسلسل ایک ہی بات کہی جاتی رہی کہ پاکستان کی معیشت مضبوط ہو رہی ہے۔ اگر ''ٹریکل ڈاؤن'' پالیسی والے شوکت عزیز اب تک پاکستان میں ہوتے تو عین ممکن ہے ہم ''ایشین ٹائیگر'' بن چکے ہوتے لیکن وہ بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ملک کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل 2006ء کی رپورٹ کے مطابق 1999ء سے 2006ء تک پاکستان میں کرپشن 34 فیصد سے بڑھ کر 67.3 ہو چکی تھی۔

روس کے تعاون سے پاکستان سٹیل ملز (PSMC) کی بنیاد 1968ء میں رکھی گئی اور اس پر 2.5 ارب ڈالر لاگت آئی۔ مالی سال 2004-05ء میں PSMC نے 3.938 ارب روپے کی مصنوعات فروخت کیں اور 6 ارب خالص منافع کمایا۔ PSMC 19 ہزار ایکڑ زمین پر قائم ہے۔ اس کی نجکاری کے وقت مارکیٹ ویلیو 380 سے 475 ارب روپے تھی۔ 31 مارچ 2006ء تک اس میں 12.40 ارب روپے کا خام مال' مصنوعات اور سپیئر پارٹس موجود تھے۔ حکومت کے اپنے جائزے کے مطابق اس کے غیر قائم اثاثوں (Fixed Assests) کی قیمت

13.04 ارب روپے تھی۔ حکومت نے 4457 ایکڑ زمین نجکاری میں پیش کی جس کی قیمت حکومتی تخمینے کے مطابق 72.50 ارب جبکہ مارکیٹ ویلیو 112 ارب روپے تھے۔ 19 پارٹیوں نے بولی میں حصہ لیا' 9 نا اہل ثابت ہوئیں' 7 نے دو کنسورشیم بنائے جو غیر قانونی تھے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کامیاب کنسورشیم 20 اپریل 2006ء یعنی بولی کے 20 دن بعد بنایا گیا۔ کامیاب بولی دہندہ تو عارف حبیب وغیرہ کنسورشیم تھا لیکن معاہدہ فروخت کسی اور سے طے ہوا۔

PSMC کے 75 فیصد حصص کی نیلامی 30 مارچ 2006ء کو ہوئی۔ 31 مارچ کو نجکاری کمیشن نے اس کی منظوری دیدی۔ نجکاری بورڈ نے اسی روز منظوری کیلئے سمری نجکاری کی کابینہ کمیٹی کو بھیجی جس نے اسی روز اجلاس منعقد کیا اور منظوری عطا کردی۔ فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسی دن نجکاری کمیشن نے کامیاب خریدار کو (Letter of Approval) جاری کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جناب شوکت عزیز حکومت نے PSMC کے 2013ء تک واجب الادا تمام قرضے بھی معاف کردیئے۔ سٹیل ملز کے بینک اکاؤنٹ میں 8.559 ارب روپے کی نقد رقم موجود تھی جس میں سے 7.77 ارب روپے کا وہ قرضہ جس کی ادائیگی 2013ء سے شروع ہو کر 2020ء تک 7 قسطوں میں مکمل کرنی تھی' وہ بھی حکومت نے بعد کی تاریخ کے چیک (Post Dated Cheque) جاری کر کے ادا کر دیا۔ اس قرضے کا سود ادا کرنے کی ذمہ داری وفاقی وزارت خزانہ نے اپنے ذمے لی اور 3 ارب روپے کا واجب الادا ٹیکس بھی حکومت نے ادا کیا جس میں سے ایک ارب روپے خریدار کو اسی وقت Refund کر دیئے جاتے جب وہ سٹیل ملز کا قبضہ لیتا۔ مرے پر سو دُرے حکومت نے PSMC کے نصف ملازمین کے گولڈن ہینڈ شیک کے لیے قومی خزانے سے 7.5 ارب دینا بھی قبول کرلیا۔

حکومت نے اس سب کچھ کے بدلے PSMC کو 21.68 ارب روپے میں فروخت کر دیا جبکہ گولڈن ہینڈ شیک ادائیگی میں بھی 25.17 ارب روپے حکومت کو ادا کرنے پڑتے۔ ماہرین معیشت کے مطابق اس طرح ملک کو 150 ارب روپے کا نقصان پہنچانے کا گھناؤنا منصوبہ بنایا گیا جو خوش قسمتی سے کامیاب نہ ہو سکا۔ بیرسٹر ظفر اللہ' راجہ محمد اکرم' سعدیہ عباسی اور محمد حبیب الرحمٰن جیسے غیرت مند پاکستانی وکلاء نے حکومتی وکلاء شریف الدین پیرزادہ' عبدالحفیظ پیرزادہ اور وسیم سجاد کو عدالت میں چاروں شانے چت کر کے نجکاری کالعدم قرار دلوادی۔

حبیب بینک لمیٹڈ کی پاکستان میں 1425 جبکہ برطانیہ' سوئٹزرلینڈ' ہالینڈ سمیت کئی یورپی ممالک' امریکہ' مڈل ایسٹ' فار ایسٹ' ایشیا اور افریقہ کے 26 ممالک میں اس کی 48 برانچیں قائم ہیں۔ نجکاری کے وقت حبیب بینک کو پاکستان کی کل بینکنگ بزنس کا 20 فیصد پر کنٹرول حاصل تھا۔ اس کے 3 ذیلی ادارے تجارتی دنیا میں نام کما رہے تھے جو حبیب بینک فنانشل سروسز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی' حبیب بینک فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ ہانگ کانگ اور حبیب فنانس آسٹریلیا لمیٹڈ سڈنی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

نواز شریف حکومت نے جب اسے نجکاری کے تحت فروخت کرنا چاہا تو کینیڈین حکومت کے ایک گروپ نے 60 ارب روپے بولی لگائی جو اس دور میں 1.2 ارب ڈالر بنتے تھے لیکن حکومت نے مسترد کر دیا اور شوکت عزیز حکومت نے اس بینک کے 51 فیصد شیئرز صرف 3.82 ملین ڈالر یعنی 22.409 ارب کے عوض فروخت کر دیئے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس سودے میں ملک کو 100 تا 120 ارب روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

نیا پنڈورا باکس کھل رہا ہے

18 فروری 2007ء کے بعد سے آج تک جس طرح حالات روز بروز نئی کروٹ لے رہے ہیں اور بسا اوقات ایسا کچھ دیکھنے اور سننے کو مل جاتا ہے جس کی توقع الیکشن نتائج آنے پر شاید کسی کو بھی نہیں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی نئی حکومت کے لئے پہلے سو دن اس کا ہنی مون پیریڈ ہوتا ہے اور عوام ان دنوں میں حکومتی کارکردگی کو اس لئے بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ابھی حکومت سنبھل رہی ہے، اور شاید گزشتہ حکومت کی جاری پالیسیوں کا نقصان بھی بھگت رہی ہے لیکن اس کے بعد پھر یہ معاملہ باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ کئی سروے رپورٹس کے مطابق عوامی نفرت کا رخ صدر مشرف کے ساتھ ساتھ حکومت کی طرف بھی ہو رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ اب وہ کچھ ہو جائے جو نہ ہوتا تو بہتر تھا۔

چیف جسٹس افتخار چودھری نے اپنے خطاب فیصل آباد میں واضح کر دیا ہے کہ 3 نومبر کو عدالتی حکم نہ ماننے والوں کے خلاف ضرور کارروائی ہوگی کیونکہ اب ملک کی بقا کے لئے قانون اور آئین کی پاسداری لازم ہو گئی ہے۔ ان کا کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ قومیں جو ان معاملات پر سمجھوتے کرتی ہیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں گو کہ اب تک کی اطلاعات کے مطابق پیپلز پارٹی کا آئینی پیکج وکلا کے لئے ناقابل قبول ہے اور وہ مائنس ون فارمولا قبول کرنے پر بھی رضامند نہیں ہوں گے جبکہ پیپلز پارٹی اس پر بضد ہے اور دوسری طرف اب زبانی کلامی باتیں ایک طرف زمینی حقائق یہ ہیں کہ آصف زرداری یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ صدر مشرف سے ان کے پس پردہ تعلقات انہیں کہیں کا نہیں رکھیں گے وہ عوامی دباؤ کو محسوس کرنے لگے ہیں۔

''صدر مشرف ماتی کا ''تبرک'' ہے جو عوام اور جمہوریت کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہے۔ عالمی دباؤ اور میری بیگم کی کوششوں نے اسے وردی اتارنے پر مجبور ضرور کیا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ سویلین یا جمہوری صدر بن چکا ہے یا اس کی صدارت کو قانونی درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ سب کچھ میرے سامنے ہے۔ مجھ پر پاکستانی عوام کا شدید دباؤ ہے۔ عوام پیپلز پارٹی سے کہہ رہے ہیں ہمیں روٹی چاہئے نہ بجلی...... ہمیں مشرف سے نجات چاہئے جو کچھ یہاں ہو چکا اس کے بعد ایک غیر منتخب غیر جمہوری صدر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ گزشتہ دو ماہ سے ''وائیٹ واش'' کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسے کوئی بھی نام دے لیں۔ میں دو ماہ سے پارٹی اور عوام سے ڈائیلاگ کر رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں چلو جو ہوا سو ہوا' آؤ قومی مفاہمت کا راستہ اختیار کریں لیکن عوام میرا موقف تسلیم نہیں کر رہے۔ مجھے علم نہیں مشرف کے دن گنے جا چکے ہیں' یا میرے' ہماری حکومت کے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ ''50 ٹوپی'' اب بھی اس کے پاس ہے۔ بے تحاشا اختیارات کا مالک ہے۔ اگر وہ وار کرتا ہے تو کرے۔ میری بیٹی بختاور مجھ سے کہتی ہے ''اگر آپ کچھ کریں گے تو میں بھی کروں گی'' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عوام مشرف سے نجات چاہتے ہیں اور میں عوام کا آقا نہیں' خادم ہوں۔ میں اسے پسند کروں نہ کروں مشرف اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ کوئی اور اسے پسند کرے نہ کرے۔ میرے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں......''

یہ وہ الفاظ ہیں جو پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے پریس ٹرسٹ آف انڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے ادا کئے۔

18 فروری کے بعد سے جس انداز میں عوامی مینڈیٹ کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں اور حکومت کی طرف سے خصوصاً عدلیہ کی بحالی پر جو

پینترے بدلے جا رہے تھے اس کے بعد سے ظاہر تو یہی تاثر قائم ہو رہا تھا کہ صدر مشرف اور پیپلز پارٹی کے درمیان طے شدہ سمجھوتے کے مطابق یہ سارا کھیل کھیلا جا رہا ہے لیکن اب یوں دکھائی دے رہا ہے جیسے آصف زرداری صاحب کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو چکا ہے اور وہ مسلسل عوامی اور پارٹی دباؤ کی وجہ سے تقریباً ہتھیار ڈال کر اس لہجے میں بات کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ صورت حال تب پیش آئی جب صدر مشرف کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا گیا۔ انہوں نے ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور کساد بازاری پر حکومت کو وارننگ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

صدر پرویز مشرف جس معاشی کساد بازاری پر نئی حکومت سے بات کرنا چاہتے ہیں' سب کو معلوم ہے کہ وہ در حقیقت خود انہی کے آٹھ سالہ دور حکومت کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ مسلم لیگ (ن) کے مرکزی رہنما اور مستعفی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے ایک نشری انٹرویو کے دوران انکشاف کیا ہے کہ پاکستان اب بھی 5400 ارب ڈالر کے قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسحاق ڈار نے الزام لگایا کہ گزشتہ سال بجٹ میں اعداد و شمار غلط پیش کئے گئے جس کی وجہ سے معیشت میں عدم استحکام پیدا ہوا' سابقہ حکومت نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے کشکول توڑ دیا اب ہم قرض لینے کی بجائے دینے کے قابل ہو گئے ہیں، جب کہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اسحاق ڈار کے مطابق پاکستان نے 52 سالوں میں 2900 ارب ڈالر قرضے لئے تھے جب کہ گزشتہ 8 سالوں میں 2600 ارب ڈالر لئے گئے۔ 1999ء میں بیرونی قرضوں کا بوجھ 2900 ارب ڈالر جو اب بڑھ کر 5400 ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ 8 سالوں میں غیر ترقیاتی اخراجات 500 ارب سے بڑھ کر 1500 ارب تک پہنچ گئے ہیں۔ اسحاق ڈار کے بیان کردہ ان دعوؤں اور اعداد و شمار کو اگر درست نہ بھی کہا جائے تب بھی ملک کی تازہ اقتصادی صورتحال اپنی وضاحت آپ ہے۔ ملک میں افراط زر اور مہنگائی ریکارڈ سطح پر پہنچ چکی ہے' اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے اسٹیٹ بینک کی جانب سے مانیٹری پالیسی مزید سخت کرنے اور شرح سود میں اضافے کا اعلان کیا گیا لیکن اس سے ملک کے تینوں اسٹاک ایکسچینج شدید بحران کا شکار ہو گئے' جمعے کے روز اسلام آباد اسٹاک ایکسچینج مکمل طور پر کریش کر گئی' لاہور اسٹاک ایکسچینج میں مندی کا دو سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ جمعہ کو کراچی اسٹاک ایکسچینج میں پاکستانی تاریخ کی شدید ترین مندی کا رجحان ہوا۔ مندی کے باعث سرمایہ کاروں کے 1 کھرب 86 ارب روپے ڈوب گئے۔ بات صرف سٹاک مارکیٹ کی اس تشویشناک صورتحال تک محدود نہیں' عام بازاروں میں بھی اشیاء صرف کی قیمتیں قابو سے باہر ہو چکی ہیں۔ کراچی سمیت ملک کے مختلف علاقوں میں آٹے کی گرانی اور کمیابی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور تازہ اطلاعات کے مطابق چینی کے نرخوں میں بھی اضافے کا نیا رجحان شروع ہو گیا ہے۔

حکومت عوام کو مہنگائی سے ریلیف دینے میں تا حال ناکام ہے' بلکہ حالیہ دنوں خود حکومت کی جانب سے یوٹیلٹی سٹورز پر اشیاء صرف کی قیمتیں بڑھا دی گئی ہیں اور ایک خبر کے مطابق بجلی کے نرخوں میں بھی مزید اضافے کا امکان ہے' اوپر سے بجلی کی قلت کا بھی کوئی حل نکلتا دکھائی نہیں دیتا' شدید گرمی کے دوران ملک کے مختلف حصوں میں بجلی کئی کئی گھنٹوں تک ناپید رہی ہے۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ عوام کی زندگی واقعی جہنم بن چکی ہے، لوگ مہنگائی کے ہاتھوں زندہ درگور ہو چکے ہیں اور کوئی صورت کارگر دکھائی نہیں دیتی۔ مہنگائی کا عفریت منہ پھاڑے ملکی سلامتی کو نگلتا دکھائی دے رہا ہے۔

پیپلز پارٹی کی طرف سے طویل عرصے بعد آئینی پیکج تادم تحریر سامنے آیا ہے' اس نے ایک نیا پنڈورا باکس کھول دیا ہے اور عوام اسے ''مائنس ون فارمولا'' قرار دے رہے ہیں۔ خدا جانے ایسی عوامی جماعت عوام کے جذبات کیوں نہیں سمجھ رہی یا پھر یہاں بھی انانیت کا مسئلہ درپیش

ہے۔ سابقہ فوجی افسران نے صدر مشرف پر مقدمہ چلانے کی درخواست کی ہے اور سیاسی جماعتیں ایک عرصے سے انہیں محفوظ راستہ دے رہی ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اب امریکہ کے بل تیور بدل رہے ہیں۔ دوسری طرف صدر محترم کا یہ حال ہے کہ ''میں نہ مانوں'' صدر پرویز نے کہا ہے کہ ملک میں حقیقی جمہوریت متعارف کروانے کے باوجود ان پر جمہوریت کے خلاف سازشوں کا الزام لگایا جانا انتہائی افسوس ناک ہے۔ سیاست میں تحمل' رواداری اور برداشت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ ذرائع کے مطابق صدارتی کیمپ آفس راولپنڈی میں مسلم لیگ ''ق'' کے صدر چودھری شجاعت' قائد حزب اختلاف چودھری پرویز الٰہی اور گورنر پنجاب سلمان تاثیر سے گفتگو کرتے ہوئے صدر پرویز نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ اپنی آئینی مدت پوری کرے۔ ٹکراؤ کی سیاست سے جمہوری اداروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ چودھری برادران کی ملاقات میں پیپلز پارٹی کا مجوزہ آئینی پیکج بھی زیر غور آیا اور مسلم لیگ ''ق'' اس کی مخالفت کرے گی جبکہ 58 ٹو بی کا قائم رہنا جمہوری اداروں میں توازن کیلئے بہت ضروری ہے۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے بھی صدر سے ملاقات کی' صدر نے انہیں منصب سنبھالنے پر مبارکباد دی اور ان کیلئے نیک خواہشات کا بھی اظہار کیا۔ صدر پرویز کا یہ بیان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کے اس دھماکہ خیز بیان کے ساتھ ہی سامنے آیا ہے جس میں ان کی جانب سے صدر کو یہ واضح پیغام دے دیا گیا ہے کہ ''صدر مشرف خود چلے جائیں ورنہ ان کا مواخذہ ہوگا'' اسلام آباد میں پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس کے بعد اخباری کانفرنس کے دوران آصف زرداری نے صاف الفاظ میں کہا کہ ''ہم نے انہیں کبھی آئینی صدر نہیں مانا' میثاق جمہوریت کے مطابق اٹھاون ٹو بی ختم کر دیں گے۔ پیکج کے ذریعے تمام اختیارات پارلیمنٹ کو دیے جائیں گے' سازشی ٹولوں کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں''۔ قبل ازیں وفاقی وزیر قانون فاروق ایچ نائیک نے میڈیا کو مجوزہ آئینی پیکج کے نکات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ صدر کو حاصل تمام اختیارات وزیراعظم کو منتقل کرنے کی تجویز ہے۔ کوئی بھی شخص دو مرتبہ سے زائد صدر نہیں بن سکتا۔ آئینی پیکج میں گورنر کی تقرری کا اختیار وزیراعظم کو دینے کی تجویز دی گئی ہے۔ آصف زرداری کے بیان اور آئینی پیکج میں دی گئی مذکورہ تجاویز سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ پیپلز پارٹی کم از کم صدر پرویز کے اختیارات میں کمی کے حوالے سے بہت حد تک یکسو ہو گئی ہے اور وہ صدر پرویز کے لئے ق لیگ کا کردار ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق آصف زرداری کی جانب سے صدر پرویز کو ''چلے جانے'' کا مشورہ دونوں فریقوں کے درمیان ''پرامن بقائے باہمی'' کے تحت اشتراک کار قائم کرنے کی کوششوں کی ناکامی کی واضح علامت ہے' اور اب جب کہ این آر او کے تحت آصف زرداری پر قائم تمام مقدمات ختم کئے جانے کے بعد ان کی پوزیشن ''کلیئر'' ہو چکی ہے۔ اس لئے اب ان پر دباؤ قائم رکھنے کی کوئی بھی حکمت عملی کارگر ثابت نہیں ہوگی' اگرچہ مسلم لیگ 'ق' کے سربراہ چودھری شجاعت حسین نے آصف زرداری کو ''مفاہمتی عمل'' کے متاثر ہونے کی دھمکی دی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اب مفاہمتی عمل میں آصف زرداری کی دلچسپی زیادہ باقی نہیں رہی ہے۔ صدر پرویز اب یہ کارڈ استعمال کرنے کے زیادہ قابل نہیں رہے۔ ان کے پاس آپشنز تقریباً ختم ہو چکے ہیں' اور ذمہ دار حلقے یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ وہ اب 58 ٹو بی نہیں لگا سکتے ان حالات میں ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی بچا ہے کہ وہ باعزت صدارت سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ ان کے سابقہ جانثار بھی اب ان کو حالات کا ذمہ دار گرداننے لگے ہیں وصی ظفر' ہمایوں اختر اور اب جنرل (ر) قیوم کے بیانات اس کا ثبوت ہیں۔

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!

چند روز پہلے بجٹ کے حوالے سے ہونے والے ایک مذاکرے میں کسی ٹی وی چینل پر ڈاکٹر سلمان شاہ سابق وزیر خزانہ اور سابق وزیر اعظم شوکت عزیز کے انتہائی قریبی ساتھی کو میزبان نے جب گزشتہ سال روشن خیال ترقی پسند حکومت کی طرف سے پیش کئے جانے والے بجٹ کے حوالے سے وہ دعویٰ پڑھ کر سنائے جو گزشتہ سال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر سلمان شاہ نے کہا تھا کہ ہم نے ملک میں سرمایہ کاری اور تعمیر و ترقی کے ایسے دریا بہا دیئے ہیں جن سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی، اور سلمان شاہ صاحب سے پوچھا کہ صورتحال تو اس کے بالکل برعکس ہے اور ملک تقریباً قحط کی سی صورتحال سے گزر رہا ہے، جس پر سلمان شاہ صاحب نے ناراض ہو کر ان سے سوال کیا کہ آپ کا کوئی معاشی پس منظر بھی ہے یا صرف سیاسی بیانات پر ہی یہ دھندے کا کمال دکھا رہے ہیں، اور پاکستانی عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جو انہیں نظر آیا ہے یا جن حالات کا انہیں سامنا ہے اصل میں وہ صحیح نہیں ان کی نظر کا دھوکہ یا دماغ کا خلل ہے۔ صحیح وہ ہے جو ان کے نام نہاد اعداد و شمار بتاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کبھی صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنی نشری تقریر میں کی تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا جو لوگ ملک میں غربت کا رونا روتے ہیں انہیں موبائل فون اور سپلٹ دکھائی نہیں دیتے جس کے بعد انہوں نے موبائل فون کی تعداد بتائی سپلٹ کی روز بروز بڑھتی پیداوار کے اعداد و شمار گنوائے اور اپنا روایتی مکا لہراتے ہوئے کہا کہ کون کہتا ہے ملک میں غربت ہے۔ یہ شوکت عزیز کی ''ٹریکل ڈاؤن اکانومی'' کا کمال تھا کہ عوام اور ماہرین معیشت کچھ بھی کہتے رہیں ان کی بکواس پر کان دھرنے کے بجائے اپنی باتیں سناتے رہو بھوکے ننگے عوام کے سامنے اپنی ترقی کے ڈنکے بجاتے رہو۔ آج تک ان کے مشیروں نے یہی لائن پکڑی ہوئی ہے اور اسی پر عمل کر رہے ہیں لیکن کبھی کبھی سونار کی اور ایک لوہار کی بھی ہو جاتی ہے۔ یوں تو گزشتہ دور حکومت میں بھی تقریباً ہر غیر جانبدار معاشی ادارے نے پاکستانی معیشت اور شوکت عزیز کی ''ٹریکل ڈاؤن اکانومی'' کی اصلیت بے نقاب کی لیکن انتہائی ڈھٹائی سے اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

کبھی کبھی سٹیٹ بنک آف پاکستان کی طرف سے رپورٹ جاری ہوتی تھی جس میں حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کی دھجیاں اڑائی جاتی تھیں لیکن حکومت اسے بھی درخور اعتنا ہی نہیں جانتی تھی۔ اب سٹیٹ بنک نے ایک اور لرزہ خیز رپورٹ جاری کی ہے۔ سلمان شاہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم تو ان کی طرح ماہر معیشت نہیں لیکن امید ہے وہ سٹیٹ بنک کے ماہرین کو ضرور پڑھے لکھے تسلیم کریں گے جنہوں نے گزشتہ دور حکومت کی انقلابی اقتصادی پالیسی کے بعد ملک جس صورتحال سے دوچار ہے اس کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور سلام پیش کریں ان ماہرین معیشت کو جو ہمیں آٹھ سال بے وقوف بناتے رہے۔

اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے اپنی تیسری سہ ماہی رپورٹ جاری کر دی ہے جس کے مطابق گزشتہ بجٹ میں مقرر کردہ اکثر اہداف

حاصل نہیں کیے جاسکے۔ تجارتی خسارہ 20 ارب ڈالر سے متجاوز ہوگیا ہے۔ ملک کی مجموعی پیداوار میں اضافے کی شرح میں کمی ہوئی ہے اور آئندہ مالی سال کے دوران مہنگائی میں اضافہ جاری رہے گا۔ رواں مالی سال کے اختتام پر افراط زر کی شرح 11 سے 12 فیصد رہنے کے امکانات ہیں جو گزشتہ پانچ سالوں میں پہلی دفعہ ہے۔ اپریل 2008ء کنزیومر پرائس انڈیکس کی شرح 17.22 فیصد رہی ہے جو اپریل 1995ء کے بعد بلند ترین سطح ہے جبکہ درآمدات 39 ارب ڈالر کی بلند ترین سطح پر ہوگی۔ لارج اسکیل مینوفیکچرنگ کی شرح میں گزشتہ سال کے مقابلے میں صرف جولائی سے مارچ کے دوران 50 فیصد کمی ہوئی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی معیشت بڑھتے ہوئے دباؤ کا شکار نظر آرہی ہے۔ کئی منفی ملکی و عالمی واقعات اہم معاشی اظہاریوں میں بگاڑ کا باعث بن رہے۔ حکومتی قرض گیری کا اثر خاص طور پر مالی سال 2008ء میں نمایاں رہا ہے اور 10 مئی 2008ء تک یہ قرض بڑھ کر 551.0 ارب روپے تک پہنچ گیا ہے جو ریکارڈ ہے جس سے واجب الادا مجموعی قرض 940.6 ارب روپے ہوگیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت کو مالیاتی خسارے کی نمو روکنے کے لئے ہنگامی اقدامات کرنے ہوں گے۔ اسٹیٹ بینک کی یہ لرزا دینے والی رپورٹ عین ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب ملک میں بجٹ کی تیاری آخری مرحلے میں ہے اور عوام نئی منتخب حکومت سے مہنگائی سے ریلیف ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اسٹیٹ بینک کی اس رپورٹ کے تناظر میں نئے بجٹ میں عوام کو کوئی ریلیف ملنے کی توقع رکھنا تو درکنار الٹا مہنگائی اور افراط زر میں مزید اضافے کا خدشہ دامن گیر ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مہنگائی کا ایک اور سیلاب بلا پاکستان کے پہلے سے مفلوک الحال غریب عوام کی طرف امڈ آنے والا ہے۔ ابھی سے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں مزید اضافے کی ''خوشخبریاں'' دی جارہی ہیں اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں یکم جون سے نئے اضافوں سے متعلق سمری تو مسترد کردی جس کے بعد اوگرا نے تیل کی قیمتیں برقرار رکھنے کا اعلان کیا لیکن کیا یہ محض بجٹ کا پیشگی تاثر خراب ہونے سے بچانے کی کوشش ہے؟ اس کا جواب نفی میں نہیں دیا جاسکتا کیونکہ جس شرح کے ساتھ پٹرولیم مصنوعات میں اضافے کی سمری اوگرا نے تیار کی تھی اگر اس کے مطابق اضافہ کرلیا جاتا تو بجٹ بے معنی ہوکر رہ جاتا اور عوام کا شدید ردعمل سامنے آجاتا۔ اب حکومت کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ بجٹ میں مہنگائی کے خاتمے بالخصوص تیل اور اشیاء خوراک کی قیمتوں پر قابو پانے کے لئے کیا اقدامات کرتی ہے۔ 20 ارب ڈالرز سے زائد کے تجارتی خسارے کے ہوتے ہوئے حکومت کے لئے عوام کو اشیاء صرف پر مزید سب سڈی دینا آسان نہیں ہوگا۔ یہ امر کسی حد تک حوصلہ افزا ہے کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کا رجحان رک گیا ہے، اور اب اس میں کمی بھی ہونا شروع ہوگئی ہے۔ حکومت کو اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ تیل کے درآمدی بل میں حتی الامکان کمی کے لئے ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے۔ توانائی کے متبادل ذرائع کے فروغ اور بالخصوص پیٹرولیم مصنوعات کی جگہ قدرتی گیس کے استعمال کو بڑھانا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو غیر ضروری درآمدات خاص طور پر اشیاء تعیش کی درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی اور ملکی مصنوعات کے استعمال کی تحریک چلانا ہوگی۔ ساتھ ساتھ حکومت کو غیر ترقیاتی اخراجات سرکاری عیاشیوں اور فضول خرچیوں کو سختی سے روکنا ہوگا اور سرکاری سطح پر ملک میں سادگی اور کفایت شعاری کے رجحانات کو فروغ دینا ہوگا۔ ملک کو اس وقت اشیاء خوراک کے بحران کا سامنا ہے۔ اس کی واحد وجہ زراعت کے شعبے پر توجہ نہ دینا ہے۔ اسٹیٹ بینک کی اسی رپورٹ کے مطابق ملکی معیشت کی سست روی کی اہم وجوہ میں زرعی سیکٹر کی بدحالی سرفہرست ہے۔

رپورٹ کے مطابق اہم فصل کپاس سے حاصل ہونے والی پیداوار کا اچھا نہ رہنا بھی معیشت کی زبوں حالی کا باعث ہے۔ زرعی اجناس کی قیمتوں کے تعین میں کوتاہ بینی، بیجوں اور ادویات کی قیمتوں میں اضافہ، پانی کے مسائل، فصل ذخیرہ کرنے کی سہولت کا موجود نہ ہونا اور تمام کسانوں تک زرعی قرضوں کے ثمرات کے نہ پہنچنے سے زرعی سیکٹر کو کافی نقصان ہوا ہے۔ حکومت کو اب اس شعبے پر کماحقہ توجہ دینا ہوگی، اور زراعت کی ترقی اور کسانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے تمام دستیاب وسائل بروئے کار لانے ہوں گے۔ زراعت کی ترقی کے لئے ماضی کی طرح محض چند زمینداروں اور جاگیرداروں کو نوازنے اور انہیں ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنیٰ رکھنے کی بجائے عام کاشتکاروں اور کسانوں کو مراعات کی فراہمی ضروری ہے، حکومت کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مزید یہ کہ کرپشن کا خاتمہ کئے بغیر ملک کی ترقی کا خواب نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس ناسور سے ملک کو نجات دلانے کے لئے حکومت کو حکومتی اداروں میں نگرانی واحتساب کا کڑا نظام بنانا ہوگا اور قومی خزانے کو شیر مادر کی طرح ہڑپ کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں تجویز کرنا ہوں گی۔ علاوہ ازیں ملک میں سیاسی استحکام لانے پر توجہ دینا ہوگی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ملکی معیشت کو سود، جوئے اور سٹے بازی کی لعنتوں سے پاک کرنا ہوگا، جن کی موجودگی میں کوئی بھی معاشرہ حقیقی ترقی اور سکون کی دولت سے بہرہ ور ہو نہیں سکتا۔

اسلام کی عادلانہ معاشی تعلیمات آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، ضرورت صرف اخلاص نیت اور ذوق عمل کی ہے۔

امید یہی ہے کہ گزشتہ حکومت کی باقیات اسے بھی ہنسی مذاق میں اڑا دیں گے اور اس لنگور کی جس نے کہا تھا میری "آنیاں جانیاں دیکھو" قوم کو لفاظی گورکھ دھندے میں ہی الجھائے رکھیں گے لیکن پاکستان کے زندہ درگور عوام اپنے حکمرانوں سے یہ درخواست کرنے میں حق بجانب ہیں کہ خدارا ان موذیوں پر گرفت کرو جنہوں نے گزشتہ آٹھ سال میں قوم کی ہڈیوں سے گودا ہی نہیں نکالا ان کا مذاق بھی اڑایا ہے۔

خوراک کا قحط!

12 مئی بھی گزر گئی حالات ابھی تک جوں کے توں ہیں مہنگائی نے قحط کا سماں باندھ دیا ہے 18 فروری 2008ء کو جب انتخابی نتائج سامنے آئے تو پاکستانی عوام نے کم از کم اس حوالے سے ضرور سکھ کا سانس لیا تھا کہ اب انہیں ایک ایسی حکومت سے نجات مل جائے گی جو اپنے ہر غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اپنے انداز سے معیشت' معاشرت اور آئین کا سہارا لیتی تھی اور ایسے بیہودہ دلائل پیش کیے جاتے تھے جن کو سن کر پہلے سے زندہ درگور پاکستانی عوام تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ پاکستان کے بے بس اور بے کس عوام یہ سمجھتے تھے کہ ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کا اتحاد ممکن ہے اس قوم کے لئے نیک شگون ہو اور زخم خوردہ پاکستان کے زخموں کا اندمال ہو جائے لیکن ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سازش کے تحت امریکہ مخالف جماعتوں کی کامیابی کا پاکستانی عوام سے انتقام لینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور عوام کو سزا دینے کے لئے قحط کی مصنوعی فضا پیدا کی جا رہی ہے۔ یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے تمام وزراء ابھی تک یہ بات کہہ رہے ہیں کہ انہیں کسی بھی وقت حکومت سے علیحدگی کا حکم مل سکتا ہے اور بعض نے تو ابھی تک ''پروٹوکول'' بھی نہیں لیا۔ علامتی طور پر وہ دفاتر میں ضرور بیٹھتے ہیں لیکن متحرک نہیں ہوئے لیکن حیرت انگیز طور پر وزارت خزانہ متحرک ہے اور جناب اسحٰق ڈار نے جہاں گذشتہ حکومت کی کرپشن کے اعداد و شمار جاری کر کے حقیقت حال سے آگاہی فراہم کی وہاں فوری طور پر معاشی اصلاحات بھی شروع کر دیں۔ جن کی برکات سے سارا پاکستان فیض یاب ہو رہا ہے۔ سمجھ نہیں آئی کہ آخر وزارت خزانہ کو ہی ایسی کیا جلدی تھی کہ پٹرول کی قیمتیں بڑھا دیں اور مہنگائی نے خودکشیوں کا تناسب بڑھا دیا۔ اگر موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو احساس ہوتا ہے جیسے پاکستان کو خدانخواستہ ایتھوپیا بنانے کی سازش کی جا رہی ہے۔ پاکستان کے بعض زرعی ماہرین نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ملک میں گندم کی ریکارڈ پیداوار اور گندم کے وافر ذخائر موجود ہونے کے باوجود شہری علاقے آٹے کو ترس رہے ہیں۔

پاکستان ان دنوں آٹے کے لیے ایک ایسے عجیب بحران کا شکار ہے جس میں آٹے کی فراہمی کے تمام فریق ایک دوسرے کو قلت کا ذمہ دار قرار تو دے رہے ہیں لیکن نتیجے میں مارکیٹ میں آٹا دستیاب ہے نہ اس کی بڑھتی ہوئی قیمت رک پا رہی ہے۔ دکاندار کہتے ہیں کہ انہیں تھوک کے بیوپاری یعنی ڈیلر سے آٹا مہنگا اور کم ملتا ہے' ڈیلر کہتا ہے کہ فلور ملز کم سپلائی دے رہی ہیں اور گندم کو سٹاک کر کے بیٹھی ہیں۔ فلور مل مالکان کہتے ہیں کہ انہیں گندم اور بجلی نہیں مل رہی وہ کیا کریں؟ حکومت کہتی ہے کہ فلور ملوں کو روزانہ مطلوبہ کوٹہ فراہم کر دیا جاتا ہے اور دیگر شعبوں کو اندھیرے میں ڈبو کر انہیں بجلی دی جا رہی ہے۔ صوبہ پنجاب کہتا ہے کہ سب سے زیادہ گندم پیدا کر کے بھی اس کے شہریوں کو روٹی نہیں ملتی' باقی صوبے کہتے ہیں کہ سارا پانی

پی کر بھی پنجاب کا پیٹ نہیں بھرتا اور بیشتر وسائل ہڑپ کر جانے کے باوجود گندم کی سپلائی تک نہیں دے سکتا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پنجاب میں اس برس ایک کروڑ پچاسی لاکھ ٹن گندم پیدا ہوئی جو پچھلے برس کے مقابلے میں قریباً تیرہ لاکھ ٹن زیادہ تھی۔ پنجاب کا کسان کہتا ہے کہ زیادہ فصل پیدا کر کے اسے تو نقصان ہو گیا کیونکہ مارکیٹ میں گندم کی سپلائی زیادہ اور طلب کم تھی اس لئے اس کی قیمت صحیح نہیں لگ سکی لیکن دوسری طرف اسی بحران کے دوران روٹی کی قیمت دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔

کسان بھی مارا گیا اور عام شہری بھی آخر اضافہ کس کی جیب میں گیا ہے؟ پہلے کہا گیا کہ گندم کی فصل اچھی ہوئی تھی دس فیصد برآمد کر دی گئی پھر کہا کہ بحران پیدا ہوا تھا اتنی ہی واپس درآمد کر لی گئی۔ سوال یہ ہے کہ اگر درآمد برآمد برابر ہو گئی ہے تو پھر بحران کیوں ہے؟ اور مزید سوال یہ ہے کہ گندم کی برآمد کا فیصلہ کرنے والا حاکم کون تھا اور اسے کیا سزا دی گئی کیونکہ اس کی ایک غلطی لاکھوں افراد کو بھوک اور افلاس میں مبتلا کر گئی ہے۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان ایگری فورم کے سربراہ ابراہیم مغل نے کہا کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق گندم کی خریداری کے ادارے پاسکو اور محکمہ خوراک کے کنٹرول میں درآمدی گندم سمیت اٹھارہ لاکھ ٹن سے زائد کے ذخائر موجود ہیں جبکہ نجی گوداموں کا کئی لاکھ ٹن مال اس کے علاوہ ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سال کی دو کروڑ تینتیس لاکھ ٹن کی ملکی پیداوار میں سے مجموعی طور پر چوالیس لاکھ ٹن گندم سرکاری طور خریدی گئی اور باقی کے لئے کسانوں کو نجی خریداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ پنجاب کی خریداری تو صرف چھبیس لاکھ ٹن رہی۔ ان کہنا ہے کہ اگر مناسب خریداری ہوتی تو یہ بحران کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اب جبکہ پوری قوم آٹے کے تاریخی بحران کا شکار ہے تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا معمول سے ہٹ کر کم خریداری ایک مصنوعی قلت اور گرانی کی سازش کی تیاری تو نہیں تھی؟

مسلم لیگ قاف کی پنجاب حکومت کے سابق وزیر خوراک حسین جہانیاں گردیزی کہتے ہیں کہ پاکستان پر گندم کی بین الاقوامی گرانی کا اثر ہے ان کے بقول گندم کی بین الاقوامی قیمت پونے دو سو ڈالر فی ٹن سے بڑھ کر پانچ سو ڈالر ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسی وجہ سے ہمسایہ ملک کو ہونے والی آٹے گندم کی سمگلنگ اس قلت اور گرانی کا سبب ہے۔ اعداد و شمار کے حوالے سے ان کی بات میں بھی وزن ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ پاک بھارت سرحد پر ایک سرے سے لے کر دوسرے کونے تک ایسی خاردار تار لگی ہے اور جن میں کبھی کبھار کرنٹ بھی دوڑ جاتا ہے اور جہاں ہر سال درجن بھر افراد کو محض اس لئے گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے کہ انہوں نے سرحد کے اس پار غلطی سے یا جان بوجھ کر قدم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ایسی سرحد کے اس پار ہزاروں یا لاکھوں ٹن گندم کی بوریاں اس طرح پہنچانا کہ رینجرز کے علم میں نہ آ سکے ایک بڑا سوال ہے اور پھر یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر پاکستان رینجرز' سکیورٹی کے اتنے انتظامات کے باوجود ہندوستان کو سمگلنگ نہیں روک سکی تو پھر اسی رینجرز کو آٹے کے پاکستان میں تقسیم کی ذمہ داری کیوں سونپ دی گئی؟ حسین جہانیاں گردیزی نے یہ بھی کہا ہے کہ افغانستان میں گندم کا اچھا ریٹ ملتا ہے اس لئے گندم وہاں سپلائی ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس حالات تو یہ بتاتے ہیں کہ افغانستان سے مہنگا آٹا تو سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں ہے اس کا علم یقیناً پنجاب کے گندم ذخیرہ اندوزوں کو بھی ہوگا۔ پاکستان میں گندم کی بین الصوبائی نقل و حمل پر پابندی بھی نہیں ہے۔ اگر نفع کمانا ہی مقصود ہے تو سمگلنگ کا الزام سر لئے بغیر انہی دو حصوں میں گندم بھجوا کر محفوظ منافع کیوں نہیں کما لیا جاتا؟ اتنے ڈھیر سارے سوالات کے جواب تلاش کرنے کی

بجائے اگر صرف یہ اعداد وشمار اکٹھے کرلئے جائیں کہ پاکستان خاص طور پر پنجاب میں فلور مل مالکان' گندم کے نجی خریدار اور فروخت کنندہ کون ہیں اوران کا موجودہ اور سابق حکمرانوں سے کیا تعلق ہے' تو اتنے گنجلک معاملے کا سادہ جواب خود بخود سامنے آجائے گا اور وہ گھناؤنے چہرے بھی بے نقاب ہوجائیں گے جنہوں نے عوام کو اس حال تک پہنچایا ہے۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان جیسے زرعی ملک میں گندم یا آٹے کے لئے قطاریں ایسا ہی ہے جیسے تیل کی دولت سے مالا مال کسی عرب ریاست میں پٹرول کے لئے لوگ مارے مارے پھر رہے ہو۔ آٹے کی تلاش میں لمبی قطاریں اس وقت دیکھنے میں آرہی ہیں جب کہا جارہا کہ پاکستان نے اپنی تاریخ میں گندم کی سب سے بڑی پیداوار تیس اعشاریہ چار ملین ٹن حاصل کی ہے۔ اگرچہ بعض حلقے گندم اور آٹے کی رسد کی موجودہ صورتحال دیکھ کر یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ حکومت نے گذشتہ مالی سال میں معاشی ترقی سات فیصد دکھانے کے لئے گندم کی پیداوار اصل سے زیادہ دکھائی' لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو کیا یہ فرق اتنا زیادہ تھا کہ طلب و رسد میں ایک بہت بڑی خلیج بن گئی ہے جس سے آٹا نایاب ہوگیا ہے اور نتیجتاً اس کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔ پاکستان کی اکثریتی آبادی اب بھی دیہاتوں میں رہتی ہے اور ساٹھ سے ستر فیصد لوگ براہ راست یا بالواسطہ طور پر زرعی ملک ہونے کے باوجود پاکستان خوراک کی ضروریات پوری کرنے کے لئے گندم درآمد کرنے پر مجبور تھا کیونکہ اس کی اپنی پیداوار سولہ سے اٹھارہ ملین ٹن کے درمیان رہ رہی تھی۔

1999ء میں جب دیہی علاقوں میں کپاس کی قیمتوں کی وجہ سے بحران تو تھا لیکن اس وقت کی نواز شریف حکومت نے آزاد معیشت کے نظریے کے تحت سرکاری مداخلت نہ کرنے کا تہیہ کررکھا تھا۔ تاہم کسانوں کو کسی حد تک خوش کرنے کے لئے نواز شریف نے گندم کی کم ازکم قیمت خرید دوسو چالیس روپے فی چالیس کلوگرام سے بڑھا کر دوسو پینسٹھ روپے کرنے کا فیصلہ کیا' جس کا اعلان نواز شریف نے فوج کے ہاتھوں اپنی حکومت کا تختہ الٹے جانے سے چند گھنٹے قبل ملتان کے قریب شجاع آباد میں بطور وزیر اعظم اپنے آخری جلسۂ عام کے دوران کیا۔

جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا تو کسانوں کو کپاس کی قیمتوں پر سراپا احتجاج پایا۔ اس بدامنی پر قابو پانے کے لئے انہوں نے گندم کی کم ازکم قیمت خرید تین سو روپے فی چالیس کلوگرام کرنے کا اعلان کردیا۔ نتیجتاً کاشتکاروں کو ایک ہی سال میں گندم کی قیمت فروخت میں ساٹھ روپے فی چالیس کلوگرام کا فائدہ مل گیا۔ قیمت بڑھنے سے گندم کا پیداواری رقبہ بڑھا' کسانوں نے کھادوں کا بھی خوب استعمال کیا اور نتیجہ پاکستانی تاریخ میں گندم کی پیداوار بیس ملین ٹن سے زیادہ تھی۔ تاہم کسانوں کو مقررہ قیمت نہ ملی اور آنے والے دو تین برسوں میں گندم کی پیداوار بیس ملین ٹن سے نیچے چلی گئی۔ اس پر گندم کی کم ازکم قیمت خرید پہلے ساڑھے تین سو روپے' پھر چار سو روپے اور آخر میں چار سو پچیس روپے فی چالیس کلوگرام کردی گئی' جس کے نتیجے میں گندم کی پیداوار سال دو ہزار چھ میں اکیس اعشاریہ دو ملین ٹن ہوگئی۔

2007ء کی گندم کی فصل کی تیاری کے دوران زرعی ماہرین کے مطابق موسمی حالات سازگار رہے جبکہ حکومت کی طرف سے بعض ضروری کھادوں (فاسفیٹ وغیرہ) پر سبسڈی دینے سے کسانوں نے ان کا بہتر استعمال بھی کیا۔ چنانچہ پچھلے دو سالوں کے پیداواری استحکام' زیر کاشت رقبے میں کمی نہ ہونا اور موسمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکومت کی طرف سے بتائے گئے پیداواری اعداد وشمار اور حقیقی پیداوار میں

اگر کوئی فرق ہے بھی تو اتنا نہیں جتنا کہ آٹے کے بحران کی وجہ سے سامنے آ رہا ہے۔ پاکستان کی ملکی ضرورت بشمول آٹا' بیج اور جانوروں (لائیو سٹاک) کی خوراک کا اندازہ اکیس ملین ٹن لگایا جاتا ہے' جبکہ سال 2007ء میں گندم کی فصل کی کٹائی کے وقت پاکستان کے سرکاری گوداموں میں سات لاکھ ٹن گندم گذشتہ سال کے ذخائر سے بچی پڑی تھی۔ آٹے کے بحران کے پس منظر میں جس بات پر زیادہ تنقید کی جارہی ہے وہ گندم برآمد یعنی ایکسپورٹ کرنے کا فیصلہ ہے' کیونکہ پاکستان نے جس قیمت پر گندم برآمد کی اس سے کہیں زیادہ قیمت پر بعد میں درآمد کرنا پڑ گئی۔ پاکستان سے چار لاکھ ٹن گندم برآمد کی گئی جبکہ تین لاکھ ٹن درآمدی گندم پاکستان پہنچ چکی ہے اور سات لاکھ ٹن مزید پہنچنی ہے۔

پاکستان میں کسانوں سے گندم کے دو بڑے خریدار حکومت اور فلور ملوں والے ہیں۔ حکومت محدود پیمانے پر خریداری کرتی ہے' جس کے نتیجے میں فلور مل والوں کو من مانی کا موقع ملتا ہے۔ سال دو ہزار سات میں ایکسپورٹر کی صورت میں ایک تیسرا خریدار بھی مارکیٹ میں تھا' جس کے نتیجے میں کاشتکاروں کو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کم سے کم قیمت ملتی رہی۔ گندم کا تعلق غذائی تحفظ یا فوڈ سکیورٹی سے ہے' لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ کسان کو اگر اس کی محنت کا مناسب صلہ نہ ملے تو نتیجہ کم پیداوار کی صورت میں نکلتا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے اصرار پر پاکستان میں ہونے والی معاشی اصلاحات کے نتیجے میں حکومت نے غذائی اجناس کی خرید وفروخت سے بھی خود کو علیحدہ رکھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کا فیصلہ کیا گیا۔

2004ء سے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے بنکوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ نہ صرف فلور ملوں کو بلکہ ہر اس شخص کو بارہ فیصد سالانہ کی شرح پر قرضہ دیں جو گندم کی خریداری اور اسے ذخیرہ کرنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ اس اقدام کے نتیجے میں ایسے کاروباری میدان میں آئے ہیں جو بنکوں کے پیسے پر گندم ذخیرہ کر کے اس کی مصنوعی قلت کا سبب بن رہے ہیں۔

سٹیٹ بنک کے اس اقدام کے بعد ہر سال آٹے کی قلت اور نتیجتاً قیمتوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے' چاہے گندم کی پیداوار ملکی ضرورت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو' اور اس مرتبہ یہ رجحان ایک بحران کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جس کی شدت میں گندم اور آٹے کی افغانستان' بھارت اور غالباً ایران کو بڑھتی ہوئی سمگلنگ نے اس وقت مزید اضافہ کر دیا جب آسٹریلیا اور کینیڈا میں گندم کی فصل توقع سے کم ہونے کے سبب عالمی مارکیٹ میں گندم طلب سے کم دستیاب تھی۔

پنجاب کو پاکستان کا 'اناج گھر' کہا جاتا ہے اور جب چھوٹے صوبوں کی طرف سے گیس اور پانی کے استعمال کے حوالے سے پنجاب پر تنقید ہوئی تو اپنی وزارت اعلیٰ کے دور میں چودھری پرویز الٰہی نے انہیں اسی بنیاد پر کئی دفعہ گندم کی رسد روکنے کی دھمکی بھی دی۔ شوکت عزیز کی ہدایت کی روشنی میں نہ تو ذخیرہ اندوزوں اور نہ ہی سمگلروں کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی البتہ انہیں مسلم لیگ قاف نے الیکشن میں ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا۔ مبصرین کا خیال ہے کہ گندم ذخیرہ کر کے اربوں روپے کمانے والے مافیا کے پیروں کے نشان بھی کوآپریٹو سوسائٹیز کے ذریعے لوگوں کو ان کی جمع پونجی سے محروم کر کے اربوں روپے کمانے والے گذشتہ دور حکومت کے سیاسی بازی گروں تک جاتے ہیں۔ کاشتکاروں نے کہا ہے کہ ملک میں گندم کا خاطر خواہ ذخیرہ موجود ہے، اور آٹے کا موجودہ بحران حکومت کی نااہلی کا نتیجہ ہے البتہ اگلے سال گندم کا پیداواری ہدف حاصل کرنا مشکل ہوگا اور

ممکن ہے کہ حکومت کو پچیس لاکھ ٹن گندم درآمد کرنا پڑے۔ ملک میں سب سے زیادہ یعنی اسی فیصد گندم کی پیداوار صوبہ پنجاب میں ہوتی ہے جبکہ گندم کا دوسرا بڑا حصہ صوبہ سندھ میں کاشت کیا جاتا ہے۔ صوبہ پنجاب میں اگیری فورم پاکستان کے چیئر مین محمد ابراہیم مغل نے بی بی سی کو بتایا کہ اس سال ملک میں گندم کی کاشت دو لاکھ گیارہ ہزار ایکڑ رقبہ پر ہونا تھی لیکن یہ بمشکل دو لاکھ ایکڑ پر ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے گندم کا دو کروڑ چالیس لاکھ ٹن کا پیداواری ہدف حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔

گندم کی کاشت کم رقبہ پر ہونے کی وجوہات بتاتے ہوئے محمد ابراہیم مغل نے بتایا کہ 'اس سال کسانوں نے گندم کی بوائی میں دلچسپی کم لی ہے کیونکہ حکومت نے اب تک اگلے سال کے لئے گندم کی خریداری کے نرخ کا اعلان نہیں کیا ہے' دوسری وجہ یہ کہ نہری پانی میں اس سال اٹھائیس سے تیس فیصد کمی رہی اور ٹیوب ویل بجلی کی طویل لوڈ شیڈنگ کے باعث نہیں چلائے جا سکے' تیسری وجہ یہ کہ کھاد اس سال کم استعمال ہوئی ہے کیونکہ اس کے بھی ریٹ بڑھا دیئے گئے اور اس سال ستر فیصد گندم کی بوائی دیر سے کی گئی تو یہ اسباب ہیں کہ شاید ہم دو کروڑ چالیس لاکھ ٹن گندم کا پیداواری ہدف حاصل نہ کر پائیں۔' موجودہ آٹے کے بحران پر تبصرہ کرتے ہوئے ابراہیم مغل نے الزام لگایا کہ یہ حکومت کی نااہلی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے یہ گندم کسانوں سے دس روپے تریسٹھ پیسے فی کلو کے حساب سے خریدی جس کی کل قیمت چھیالیس ارب روپے بنتی ہے اور اس کا آٹا چھیاسٹھ ارب روپے میں فروخت ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اتنے زیادہ منافع کے بعد بھی گندم کا بحران نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ان کا کہنا تھا ملک میں گندم یا آٹے کی کمی نہیں بلکہ کمی ہے قانون کی بالادستی کی' یہاں تو جس کا بس چلتا ہے وہ ذخیرہ اندوزی کر کے زیادہ سے زیادہ منافع کما رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 'دس روپے تریسٹھ پیسے فی کلو گندم کا آٹا پچیس روپے کلو فروخت کرنے کا مطلب ہے کہ دگنے سے بھی زیادہ منافع کمایا جا رہا ہے یعنی ایک جانب کسان کو لوٹا جا رہا ہے سستی گندم خرید کر اور دوسری جانب صارف کو لوٹا جا رہا ہے مہنگا آٹا فروخت کر کے' انہوں نے کہا 'کسان سے گندم خرید کر دکانوں پر آٹے کے پہنچنے کے درمیان جو مڈل مین اور سرکاری اہلکار ہیں ان کو نکیل ڈالنے کی ضرورت ہے۔' بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے عبدالمجید نظامانی نے کہا کہ حکومت اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ 'گندم کو ذخیرہ کر لیا گیا ہے لیکن وہ ذخیرہ اندوزوں کے ناموں کو ظاہر نہیں کر رہی کیونکہ وہ لوگ بااثر ہیں اور ان میں سے کچھ اگلے انتخابات میں حصہ بھی لے رہے ہیں۔ ''اگر یہی حالات رہے اور حکومت ذخیرہ اندوزوں کے خلاف کارروائی کرنے سے اجتناب برتتی رہی تو ملک میں لامحالہ آٹے کا بحران تو رہے گا۔'' پاکستان کے ایک غیر سرکاری ماہر معیشت قیصر بنگالی کے مطابق ملک میں گندم کا بحران حکومت کی مکمل نااہلی کا ثبوت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پچھلے آٹھ سالوں سے معیشت چند گروہوں کے ہاتھوں میں رہنے کی وجہ سے اب مسائل سامنے آ رہے ہیں۔ قیصر بنگالی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا ''حکومت نے پہلے فاضل پیداوار کے غلط اعداد و شمار دیئے اور پھر واضح ہو گیا کہ گندم کی پیداوار اتنی نہیں ہے جتنی بتائی گئی ہے تو پھر درآمد کرنے میں تاخیر کی گئی۔ ان کے مطابق وہ وقت مناسب نہیں تھا جب گندم کا پیداواری تخمینہ لگایا گیا۔ ایسا اس لئے کیا گیا کیونکہ کسی کو گندم برآمد کرنے کی اجازت دینا تھی۔'' قیصر بنگالی کا کہنا تھا کہ نیب نے چینی کے بحران کی تفتیش کرنا چاہی تو اسے روک دیا گیا اور یہ سگنل دیا گیا کہ چند لوگ ریاست میں ایسے ہیں جو کوئی بھی حرکت کر سکتے ہیں اور انہیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ معیشت کی صحت کا اندازہ اگر صرف سٹاک مارکیٹ کے اُتار چڑھاؤ کی بنیاد پر لگایا جائے تو پھر اس طرح کے بحران تو ناگزیر

ہیں۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا ہے کہ ہم اور بھی ایسے بحران دیکھیں گے۔ اس سوال کے جواب میں کہ حکومت زرمبادلہ کے ذخائر اور سات فیصد سے زائد سالانہ ترقی کا ڈھنڈورہ پیٹتی آ رہی ہے تو قیصر بنگالی کا کہنا تھا کہ کئی معیشت دان پچھلے پانچ سال سے مستقل کہہ رہے ہیں کہ یہ اعداد و شمار ٹھیک نہیں ہیں اور اس حوالے سے ثبوت بھی پیش کیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ معیشت کو صرف ایک پیر پر کھڑا کیا گیا' جس کا انحصار بینکوں کے کنزیومر کریڈٹ پر تھا۔ اس طرح بینکوں نے بے شمار منافع کمایا۔ جس سال معیشت میں آٹھ اعشاریہ چار فیصد اضافہ ہوا تھا اس سال بینکوں کا اضافہ تقریباً تیس فیصد تھا۔ یہ جو قرضہ تھا گاڑیاں خریدنے کے لئے دیا جاتا تھا یعنی آٹو موبائل سیکٹر' اور اس سیکٹر کا گروتھ ریٹ پینتالیس فیصد تھا۔ نئی حکومت آئے گی تو اسے مسائل کے پہاڑ کا سامنا کرنا ہو گا اور ان کی پیشگی ہمدردی وزیر خزانہ کے لئے ہو گی۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے معاشی بحران پر قابو پانے کے لئے دفاعی اخراجات کو کم کرنا ضروری ہو چکا ہے۔ ممکن ہے اس مرحلے پر حکومت کو اس لئے صورتحال کی سنگینی کا احساس نہ رہا ہو کیونکہ پاکستان کے عوام ضرورت سے زیادہ سخت جان ہیں لیکن اسے خودکشیوں کے بڑھتے تناسب پر ضرور غور کرنا چاہئے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اسٹیبلشمنٹ میں موجود ایک مخصوص گروپ غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے جو پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازش کا حصہ بن چکا ہے ممکن ہے یہ سازشی ٹولہ صورتحال کی سنگینی کا ادراک نہ رکھتا ہو لیکن اسے جان لینا چاہئے کہ جب بندریا کے پاؤں جلتے ہیں تو وہ اپنے بچوں پر چڑھ جاتی ہے۔ بھوکے ننگے عوام کا رُخ ان کے محلات کی طرف بھی ہو سکتا ہے آج جو قطاریں دھوپ میں ذلت کا بوجھ اٹھائے یوٹیلٹی سٹوروں کے سامنے کھڑی دکھائی دے رہی ہیں وہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنا رُخ آپ کے دولت خانوں کی طرف بھی موڑ سکتی ہیں۔ اگر صورتحال یہی رہی اور قیمتیں کم نہ کی گئیں تو قبائلی علاقوں کی طرح ملک کے ہر بڑے شہر میں عسکریت پسند گروپ بن جائیں گے اور یہاں ''وار لارڈز'' جنم لیں گے۔ خدارا عالمی سازش کو سمجھئے اپنی کھربوں روپے کی دولت کا کچھ حصہ خیراتی سکیم کے تحت ہی پاکستان لے آئیں آخر آپ نے یہ پاکستان ہی سے وصول کیا تھا۔

10 جون سے پہلے کچھ بھی ممکن ہے؟

''صدر مشرف ماضی کا ''تبرک'' ہے جو عوام اور جمہوریت کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہے۔ عالمی دباؤ اور میری بیگم کی کوششوں نے اسے وردی اُتارنے پر مجبور ضرور کیا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ سویلین یا جمہوری صدر بن چکا ہے یا اس کی صدارت کو قانونی درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ سب کچھ میرے سامنے ہے۔ مجھ پر پاکستانی عوام کا شدید دباؤ ہے۔ عوام پیپلز پارٹی سے کہہ رہے ہیں ہمیں روٹی چاہئے نہ بجلی...... ہمیں مشرف سے نجات چاہئے جو کچھ یہاں ہو چکا اس کے بعد ایک غیر منتخب غیر جمہوری صدر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ گذشتہ دو ماہ سے ''وائیٹ واش'' کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسے کوئی بھی نام دے لیں۔ میں دو ماہ سے پارٹی اور عوام سے ڈائیلاگ کر رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں چلو جو ہوا سو ہوا' آؤ قومی مفاہمت کا راستہ اختیار کریں لیکن عوام میرا موقف تسلیم نہیں کر رہے۔ مجھے علم نہیں مشرف کے دن گنے جا چکے ہیں' یا میرے' ہماری حکومت کے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ ''58 ٹو بی' اب بھی اس کے پاس ہے۔ بے تحاشا اختیارات کا مالک ہے۔ اگر وہ وار کرتا ہے تو کرے۔ میری بیٹی بختاور مجھ سے کہتی ہے ''اگر آپ کچھ کریں گے تو میں بھی کروں گی'' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عوام مشرف سے نجات چاہتے ہیں اور میں عوام کا آقا نہیں' خادم ہوں۔ میں اسے پسند کروں نہ کروں مشرف اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ کوئی اور اسے پسند کرے نہ کرے۔ میرے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں''۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف علی زرداری نے پریس ٹرسٹ آف انڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے ادا کئے۔

18 فروری کے بعد سے جس انداز میں عوامی مینڈیٹ کی دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں اور حکومت کی طرف سے خصوصاً عدلیہ کی بحالی پر جو پینترے بدلے جا رہے تھے اس کے بعد سے بظاہر تو یہی تاثر قائم ہو رہا تھا کہ صدر مشرف اور پیپلز پارٹی کے درمیان طے شدہ سمجھوتے کے مطابق یہ سارا کھیل کھیلا جا رہا ہے لیکن اب یوں دکھائی دے رہا ہے جیسے آصف زرداری صاحب کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو چکا ہے اور وہ مسلسل عوامی اور پارٹی دباؤ کی وجہ سے قریباً ہتھیار ڈال کر اس لہجے میں بات کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو بھٹو خاندان کا مزاج ہے اور ان کے اس بیان نے ذوالفقار علی بھٹو اور محترمہ بے نظیر شہید کی یاد بھی تازہ کر دی اور بیرسٹر اعتزاز احسن کا یہ بیان بھی سچ ثابت ہو گیا کہ آج کا پاکستان ایک بدلا ہوا پاکستان ہے اور اب کسی آمر کو پاکستانی عوام کے مینڈیٹ کی توہین کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچنا ہو گا کیونکہ سول سوسائٹی بیدار ہو چکی ہے اور عوام کو اپنا حق حاصل کرنے کا شعور بھی آ گیا ہے۔ حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف علی زرداری' ایوان صدر' آرمی چیف اور امریکی اہلکاروں کے حالیہ بیانات کو بعض تجزیہ کار ملک میں ایک نئے سیاسی تنازعہ کھڑے ہونے سے تعبیر کرتے ہوئے ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔

آصف علی زرداری کے بارے میں عام تاثر تھا کہ وہ مصالحت کے نام پر صدر پرویز مشرف کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور ججوں کی بحالی کے معاملے پر آئینی پیکج لانے کی بات کر کے صدر مشرف کے تین نومبر کے اقدامات کو قانونی حیثیت دینا چاہتے ہیں' لیکن آصف علی زرداری کے بھارت کی نیم سرکاری خبر رساں ایجنسی' پی ٹی آئی' کو دیئے گئے انٹرویو کے بعد یہ تاثر الٹا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ صدر پرویز مشرف

"ریلک آف دی پاسٹ" یا ماضی کی باقیات بن چکے ہیں اور انہیں ہٹانے کے لئے حکومت پر عوام کا دباؤ ہے اور حکومت عوامی خواہشات سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔ ان کے مطابق عوام کو آٹے اور بجلی سے بھی زیادہ فکر صدر مشرف سے نجات حاصل کرنے کی ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ آصف علی زرداری کے اس انٹرویو سے پہلے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کہا کہ فوج عوام کی مدد سے بیرونی اور اندرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے تیار ہے۔ ظاہر ہے اس بیان کا صدر مشرف نے سخت نوٹس لیا ہے۔ صدر نے کہا ہے کہ انہیں آصف علی زرداری پر بھروسہ نہیں ہے۔ مقامی میڈیا میں ایوان صدر سے منسوب اس بیان میں یہ بھی کہا گیا کہ اگر آئینی پیکج کے ذریعے صدر کے اختیارات کم کرنے کی کوشش کی گئی تو صدر اسے روکنے کے لئے فوری اقدامات کریں گے۔ بی بی سی کے مطابق فرحت اللہ بابر نے اپنے بیان میں کہا کہ "ہماری جماعت ایوان صدر اور پارلیمان کے درمیان اختیارات کے عدم توازن کو میثاق جمہوریت اور دنیا کے جمہوری اصولوں کے مطابق ٹھیک کرنا چاہتی ہے اور ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس سے خوش ہوتا ہے۔" بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ تاریخ کا سبق ہے کہ جب بھی کسی آمر نے دھوکہ دہی چال بازی اور طاقت کی بناء پر اختیارات حاصل کیئے ہیں تو جمہوری قوتوں کے آنے کے بعد انہیں ختم کیا گیا ہے۔ "بھٹو خاندان کی شہید ہونے والی دو نسلوں نے اپنی جماعت کو یہی سکھایا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ غریب عوام ہیں نہ کہ کوئی بندوق بردار آمر۔ جب تک پیپلز پارٹی کو عوام کا اعتماد حاصل ہے جیسا کہ اٹھارہ فروری کے انتخابات سے بھی عیاں ہے۔ ایسے میں مشرف پیپلز پارٹی اور آصف علی زرداری پر بھروسہ کریں یا نہ، یہ بیکار بات ہے۔

پاکستان کے اندر فی الوقت اقتدار کے منبعوں کے اس طرح کے بیانات کے ساتھ ساتھ امریکہ کے جنوبی ایشیا کے بارے میں نائب وزیر خارجہ جان نیگرو پونٹے نے ایک بیان میں جمہوریت کو خطرات لاحق ہونے کا بیان دیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امریکہ نے اپنے دیرینہ دوست صدر مشرف کو ابھی تک بھلایا نہیں اور وہ ان کا ڈولتا اقتدار بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔ نیگرو پونٹے اس ہفتے پاکستان کے دورے پر آرہے ہیں۔ اُن کی آمد کا مقصد بظاہر تو یہی بتایا گیا ہے کہ امریکہ کو طالبان اور پاکستان حکومت کے درمیان ہونے والے معاہدے پر تشویش اور تحفظات ہیں کیونکہ امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کی طرف سے طالبان کے ساتھ امن معاہدے اور دونوں کے درمیان تناؤ اور لڑائی کی کیفیت ختم ہونے سے امریکی اور نیٹو فورس کے لیے مسائل بڑھ جاتے ہیں اسی طرح طالبان پاکستان کی طرف سے فارغ ہوتے ہیں اور ان کی سرگرمیوں کا مرکز پھر غیر ملکی افواج بن جاتی ہیں نیگرو پونٹے کے اس دورے کا ایک خصوصی حوالہ تو سوات اور حکومت سرحد کے درمیان ہونے والا معاہدہ ہے۔ جس کا امریکہ سے کوئی تعلق ہرگز نہیں بنتا کیونکہ سوات کے ان عسکریت پسندوں کا مطالبہ تھا کہ وہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے اور حکومت سرحد سے معاہدے کے بعد وہاں شرعی نظام نافذ ہو چکا ہے جس کے بعد عسکریت پسندوں نے ہتھیار ڈال کر پُرامن رہنے کی یقین دہانی کروادی ہے۔ اس معاہدے کا نہ تو طالبان سے کوئی تعلق ہے نہ ہی سوات میں نظام شریعت کے نفاذ کے لئے جاری تحریک کا طالبان سے کوئی تعلق رہا ہے۔ اس لئے امریکہ کی اس معاہدے پر تشویش ناقابلِ فہم ہے اور سیاسی مبصرین کی حتمی رائے یہ ہے کہ دراصل نیگرو پونٹے اس بیان کا Cover لے کر پاکستان آرہے ہیں جبکہ اُن کے عزائم کچھ اور ہیں اور وہ "جمہوریت کو لاحق خدشات" یعنی صدر جنرل مشرف کے اقتدار کو لاحق خطرات پر زیادہ پریشان ہیں۔

گذشتہ دنوں ایک نیوز ایجنسی کی طرف سے جب یہ خبر جاری ہوئی کہ فوجی قیادت نے صدر سے ملاقات کے بعد اُن سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا تھا تو خبر جاری ہونے کے کچھ ہی دیر بعد اس نیوز ایجنسی کو زبردست دباؤ کا سامنا کرنا پڑا جس کے بعد انہوں نے خبر واپس تو لے لی لیکن اس انداز

سے کہ وہ اپنی اس خبر کو مصدقہ خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی شنید ہے کہ صدر مشرف کی جنرل کیانی سے وابستہ اُمیدیں اب دم توڑنے لگی ہیں کیونکہ آج ہی جنرل کیانی کا بیان آیا ہے کہ وہ ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی خطرات سے عوامی حکومت کی مدد سے نمٹیں گے۔

مختلف حلقوں کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا جا رہا ہے کہ صدر مشرف جنرل کیانی کو ہٹا کر اپنے کسی ''عزیز'' کو پاکستان آرمی کا سربراہ بنانے پر بھی غور کر رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ سب افواہیں ہی ہوں لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ایسی افواہیں بھی یونہی جنم نہیں لیا کرتیں اور ان کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔

آصف زرداری کی طرف سے بھارتی نیوز ایجنسی کو دیئے انٹرویو نے صدر صاحب کو ناراض کر دیا ہے اس سچائی سے انکار ممکن نہیں اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ایوان صدر نے پیپلز پارٹی کی طرف سے جو بیک ڈور رابطے چلائے تھے وہ بھی بند کر دیئے گئے ہیں۔ آج صدر اور وزیر اعظم کی ملاقات بھی ہو رہی ہے جس میں صدر اپنے تحفظات کا اظہار کریں گے اور حکومت کو ''موجودہ مہنگائی'' کا ذمہ دار قرار دیں گے۔ جو اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ ہوگا کیونکہ پاکستان میں نہیں دنیا کا ہر باخبر انسان اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ گذشتہ آٹھ سالہ روشن خیال ترقی پسندی نے پاکستانی معیشت کا جس بُری طرح بیڑہ غرق کیا ہے اُس کے اثرات ابھی طویل عرصے تک ساری قوم کو برداشت کرنا پڑیں گے۔ جہاں ایک طرف وکلا کی تحریک پھر زور پکڑ رہی ہے اور انہوں نے 10 جون کو لانگ مارچ کا اعلان کیا ہے وہاں حکومت کی بھی یہ کوشش ہے کہ انہیں مطمئن کرنے کے لئے 10 جون سے پہلے اپنا آئینی پیکج سامنے لے آئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف علی زرداری نے کہا ہے پیپلز پارٹی نے باسٹھ نکاتی آئینی پیکج تیار کر لیا ہے اور آج وزیر اعظم کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ بات انہوں نے جنوبی ایشیا کے صحافیوں کی ایک تنظیم 'سیفما' کی دو روزہ کانفرنس کی اختتامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئینی ترمیم کی کاپی آج وزیر اعظم کو پیش جا رہی ہے اور اس کی کاپی میاں نواز شریف سمیت اپنے اتحادیوں کو بھی بھیج رہے ہیں اور پھر پارلیمان میں پیش کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ وہ نہیں چاہتے کہ جلدی بازی کی وجہ سے پیکج میں کوئی خامی رہ جائے اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ آئینی پیکج اتنا ہی مکمل ہو جتنا کہ 1973ء کا آئین حکمران جماعت پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین نے بتایا کہ اگر ممکن ہوا تو بجٹ سے پہلے اسے منظور کریں اور اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم بجٹ سے پہلے پارلیمان میں پیش کر دیں۔ ''ہم قانون کے دائرے میں رہ کر تمام کام کرنا چاہتے ہیں اور تمام سٹیک ہولڈرز سے کہتے ہیں کہ وہ بردباری کا مظاہرہ کریں۔'' انہوں نے کہا ''ابھی ان کی حکومت کو ساٹھ روز ہوئے ہیں اس عرصہ میں تو نیا پیدا ہونے والا بچہ چل بھی نہیں پاتا تو آپ جمہوریت کے بچے سے کیسے اس عرصہ میں چلنے کی توقع کر رہے ہیں۔'' انہوں نے کہا کہ میڈیا اور عوام کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ حکومت صرف ساٹھ دن کی ہے اور اس کو وقت دیں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ مہنگائی کیوں ہے' بے روزگاری کیوں ہے اور میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمیں ابھی تک جمہوریت کیوں نہیں ملی۔ انہوں نے وکلاء تحریک کے نمائندوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''دیکھیں پلیز ہم آپ کا مسئلہ حل کریں گے لیکن یہ مت بتائیں کہ سیاست کیسے کرنی ہے...... آپ کی تحریک کے نتیجے میں جسٹس افتخار چودھری باہر نہیں آئے بلکہ یہ ہماری حکومت کے حکم پر آزاد ہوئے۔'' آصف علی زرداری نے میڈیا کی طرف اشارہ دیتے ہوئے کہا کہ ''جب ہم پیٹریاٹ (صدر مشرف کی حمایت کرنے والے پیپلز پارٹی کے اراکین کی جماعت) نہیں بنے' نام نہاد مسلم لیگ کے ساتھ نہیں ملے تو اب ایسا کرنے کے لئے کیوں تیار ہوں گے۔'' آصف علی زرداری

نے میڈیا کی آزادی کے بارے میں اپنی تقریر میں ایک موقع پر فارسی کی کہاوت ''بلی کجا است'' یعنی بلی کہاں ہے کا جہاں ذکر کیا وہاں کہا کہ انہیں مچھر کے کاٹنے کا بھی ڈر نہیں ہے۔ بی بی سی کا کہنا ہے کہ واضح رہے بلی کجا است کا پس منظر کچھ اس طرح معلوم ہوا ہے کہ ایک چوہا شراب کے ڈرم میں گر گیا اور جب اسے نکالا گیا وہ نشے میں تھا اور پوچھنے لگا بلی کہاں ہے کیونکہ وہ نشے میں اس سے لڑنے کے لئے تیار تھا۔ جبکہ مچھر کاٹنے کی پریشانی کا پس منظر کچھ اس طرح پتہ چلا ہے کہ ایک بار ایک سابق وزیر اعظم نے پنجاب کے ایک بڑے اخباری گروپ کے مالک سے کہا تھا کہ جب وہ جیل میں تھے تو انہیں مچھر بڑا کاٹتے تھے۔ آصف علی زرداری کے بیان کے بعد جس تیزی سے ایوان صدر متحرک ہوا ہے اور جس طرح صدر مشرف کی طرف سے تحفظات اور ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے اس پر میاں نواز شریف کا تبصرہ بڑا معنی خیز ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ابھی حکومت کو قائم ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور صدر کو تحفظات ہونے لگے ہیں جبکہ یہ سب کچھ تو اُن کا کیا دھرا ہے۔ اس مرحلے پر انہوں نے پھر اپنی اس بات کو دہرایا کہ ہم نے آصف زرداری صاحب سے کہا تھا وہ صدر کو رعایت نہ دیں' عوام نے ہمیں مینڈیٹ دیا ہے ہم اس مینڈیٹ کے ساتھ عدلیہ کو بھی بحال کر سکتے ہیں اور صدر مشرف سے چھٹکارہ بھی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اُن کی بات نہیں مانی گئی اور نتائج سامنے ہیں۔

وزیر قانون فاروق ایچ نائیک کے تازہ بیان کے مطابق معزول ججوں کی بحالی اور دیگر آئینی ترامیم پر مبنی پیکج قومی اسمبلی بجٹ اجلاس سے قبل منظور ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ تاہم ان کا کہنا ہے کہ ان کی کوشش ہے کہ اسے کم از کم بجٹ سے پہلے ایوان میں ضرور پیش کر دیا جائے۔ بی بی سی کے ساتھ ایک خصوصی انٹرویو میں فاروق ایچ نائیک کا کہنا تھا: 'جہاں تک ان آئینی ترامیم کی منظوری کی بات ہے تو ان میں وقت لگتا ہے' بحث ہوتی ہے۔ کوشش یہ ہے کہ بجٹ سے پہلے یہ پیش ہو جائیں باقی وقت بتائے گا۔'' مجوزہ آئینی پیکج کے بارے میں دیگر اتحادی جماعتوں کو اعتماد میں لینے کے بارے میں وفاقی وزیر کا کہنا تھا کہ یہ پیکج صرف پیپلز پارٹی کی جانب سے تیار کیا جا رہا ہے۔ ''میں اسے آصف علی زرداری کی رہنمائی میں تیار کر رہا ہوں۔ جب یہ تیار ہو جائے گا تو اسے حتمی منظوری کے لئے کابینہ اور اس کے بعد پارلیمان کے سامنے رکھا جائے گا۔'' مسلم لیگ (ن) کے علاوہ دیگر اتحادیوں کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ عوامی نیشنل پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام (ف) وفاقی کابینہ میں شامل ہیں اور جب کابینہ کے سامنے پیش ہوگا تو ان کی رائے بھی مدنظر رکھی جائے گی۔ فاروق ایچ نائیک نے پیکج کی عمومی معلومات فراہم کیں لیکن اس کی جزئیات پر بات کرنے سے انکار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ پیکج ابھی مسودے کی صورت میں ہے۔

ان کی وزارت اس مسودے کو حتمی شکل دے رہی ہے۔ ''اس میں کئی ترامیم ہیں۔ آرٹیکل 6 ہے' ججوں کی برطرفی اور ان کی تقرری کے ساتھ ساتھ چیف الیکشن کمشنر کی تقرری ہے۔ اس ملک کے لئے الیکشن کمشنر کی آزادی بہت ضروری ہے تاکہ الیکشن صاف وشفاف ہوں۔'' انہوں نے کہا کہ آئین میں اتنی ترامیم ہو چکی ہیں کہ اس کی اصل صورت بالکل مسخ ہو چکی ہے۔ ''اس ملک میں پارلیمانی طرز حکومت ہے' صدارتی نہیں اور پارلیمان وزیر اعظم کے حکم سے کام کرتی ہے۔ اسی لئے وزیر اعظم اور صدر کے اختیارات میں توازن پیدا کرنا ہے۔'' ان کا اصرار تھا کہ پارلیمنٹ کی بالادستی اور جمہوریت کی بحالی کے لئے آئین کا اپنی اصل حالت میں آنا بہت ضروری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان تمام باتوں پر غور ہو رہا ہے۔ جو تبدیلیاں اور ردوبدل لوگ چاہتے ہیں ان کا فیصلہ کابینہ کرے گی اور پھر پارلیمنٹ میں اس بل کو پیش کیا جائے گا جیسے کہ آئین کے آرٹیکل 238 میں موجود ہے۔ وفاقی وزیر نے بتایا کہ شخصیات سے متعلق جتنی ترامیم ہیں ان کو ختم کیا جا رہا ہے اور ایسی ترمیم لانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ آنے

والے وقتوں میں کوئی بھی آمر آئین کو سبوتاژ نہ کر سکے' اسے معطل نہ کر سکے اور مسخ نہ کر سکے۔ ایسا کرنے والے اور اس کی مدد کرنے والے کی وہی سزا تجویز کی گئی ہے جو آئین کے آرٹیکل چھ میں درج ہے۔

آئین کے آرٹیکل چھ کے مطابق صرف سزا دی گئی ہے اور کہا گیا کہ اس کا طریقہ کار بعد میں تیار کیا جائے گا۔ 1974ء میں بغاوت کی سزا کا ایکٹ آیا مگر اس میں یہ تک نہیں بتایا گیا کہ اس پر کس عدالت میں مقدمہ چلے گا۔ اس کے طریقہ کار کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ ''یہ ایکٹ کافی مبہم ہے۔ ہم اس ایکٹ کو بدلنا چاہتے ہیں۔'' فاروق ایچ نائیک نے واضح کیا کہ وہ پارلیمان کے ذریعے معزول ججوں کی بحالی چاہتے ہیں لیکن کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے جس سے تصادم کی فضا پیدا ہو۔ ''ایسا کام کریں گے جو دیرپا ہو اور کسی آنے والے کو ان کی وجہ سے تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔'' ایک اور سوال کے جواب میں کہ حکومت کابینہ کی منظوری سے قبل اس پیکج پر اتحادیوں سے مشاورت کرے گی یا بعد میں تو ان کا جواب تھا کہ اس بات کا تعین آصف علی زرداری کریں گے۔ وفاقی وزیر سے جو خود بھی پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں پوچھا گیا کہ اس پیکج میں صدر کے اسمبلیاں تحلیل کرنے جیسے اختیار واپس لینے کی تجویز پیش کی گئی ہے تو کیا انہیں ایوان صدر کی جانب سے مزاحمت کا خدشہ نہیں ہے جواب میں فاروق نائیک کا کہنا تھا کہ وہ اختیارات کا توازن چاہتے ہیں جو پارلیمانی نظام اور جمہوریت میں ہوتا ہے۔ کوئی بھی شق جو پارلیمان کے سر پر تلوار ہو ہر حکومت چاہتی ہے کہ اس کو ختم کیا جائے۔ تاہم اس کے بارے میں حتمی فیصلہ کابینہ اور پھر پارلیمان کرے گی۔ انہوں نے اس پیکج کی بابت صدر سے اب تک کسی مشاورت سے انکار کیا۔

ان کا کہنا تھا کہ آصف علی زرداری کے حکم پر معزول ججوں کی پانچ ماہ کی تنخواہیں ادا کرنے کے فیصلے پر ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا ہے۔ حکومت کو وکلاء برادری کی جانب سے دس جون سے لانگ مارچ کی دھمکی کا سامنا ہے جس سے بچنے کی خاطر وہ ترمیمی بل جلد از جلد ایوان میں پیش کرنے کی خواہش مند نظر آتی ہے، لیکن ابھی اس پیکج کو پیپلز پارٹی کی حد تک حتمی شکل نہیں دی جا سکی ہے۔ یہ اتحادی مشاورت سے پارلیمان کب پہنچے گی کچھ کہنا کافی مشکل دکھائی دیتا ہے۔ اس مرحلے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ ایک طرف امریکی وفد پاکستان آ رہا ہے۔ 10 جون کو وکلاء لانگ مارچ کر رہے ہیں اور آئینی پیکج ابھی پیش نہیں ہوا اس پر حکمران جماعت کے اتحادیوں کے تحفظات ہیں۔ وکلاء 3 نومبر والی عدلیہ کی اس حالت میں بحالی سے کم کسی بات پر متفق نہیں ہو رہے اور آخری اطلاع یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور صدر مشرف کے درمیان سمجھوتہ کروانے والے ''غیر ملکی دوستوں'' کی طرف سے آصف زرداری پر ایک مرتبہ پھر دباؤ بڑھ گیا ہے کہ وہ صدر کے خلاف مواخذے کی بات نہ کریں کیونکہ صدر مشرف اکتوبر 2008ء میں خود ہی مستعفی ہو جائیں گے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

آج مسلم لیگ (ن) کی طرف سے صدر مشرف کے خلاف مواخذے کیلئے باقاعدہ فہرست جاری کر دی گئی ہے اور پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس بھی جاری ہے جبکہ ایکس جرنیل صاحبان بھی سرگرم عمل ہیں۔

پہنا گئی درویش کو تاجِ سرِ دارا

اپریل 1993ء میں سیمور ہرش نے پاکستان میں امریکی اثر و نفوذ کے حوالے سے ایک اہم مقالا لکھا تھا جس کے ایک پیراگراف کا حوالہ بہت ضروری ہے۔ جس میں انہوں نے کہا اپنی سرمایہ کاری کے تحفظ اور کارروائیوں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے سی آئی اے نے پاکستان میں اپنے ایجنٹوں اور جدید تکنیکی آلات کا جال عرصے سے بچھا رکھا ہے۔ سی آئی اے نے 1990ء کے موسم بہار کے آغاز پر حکومت کو بتا دیا تھا کہ پاکستان جوہری توانائی حاصل کر چکا ہے اور بھارت کی طرف سے حملے کی صورت میں اس توانائی کا استعمال پاکستان کے لئے ناگزیر ہو جائے گا۔ اسی طرح The secret wars of cia میں بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاکستان ہی دنیا میں ایسا ملک ہے جہاں CIA کو مکمل اور بھرپور رسائی حاصل ہے اور ان ایجنٹوں کی مدد سے امریکہ پاکستان کے اندرونی نظام پر بخوبی اثر انداز ہو سکتا ہے۔ 1990ء میں جب بھارتی جارحیت کی وجہ سے برصغیر پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے تو امریکی قومی سلامتی کے مشیر رابرٹ گیٹس پاکستان آئے انہوں نے پاکستانی صدر اور وزیر اعظم کو بالکل کارنر کرتے ہوئے پاکستانی آرمی چیف سے ملاقاتیں کیں اور ان تک وہ پیغام پہنچا دیا جو پہنچانے کے لئے وہ پاکستان آئے تھے۔ اس کے بعد وہ تمام سفارتی آداب بالائے طاق رکھ کر سیدھے بھارت چلے گئے۔ اس نوعیت کے درجنوں واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ عالمی بنک کے عزلت گزیں (RECLUSE) معین قریشی جب عبوری وزیر اعظم بنے تو انہوں نے تین ماہ کے لیے منصب سنبھالتے ہی ملکی سلامتی، خارجہ امور اور اقتصادیات کے حوالے سے اہم فیصلے کر دیئے وہ شاید پہلے عوامی وزیر اعظم تھے جنہیں عوامی مینڈیٹ حاصل نہیں تھا لیکن انہوں نے دعویٰ کیا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو منجمد کر دیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ انہوں نے نیویارک کی ایشیا سوسائٹی سے خطاب میں کیا تھا۔ پاکستان نے ایٹمی دھماکہ تو کر دیا لیکن امریکہ نے کبھی اس کو ہضم نہیں کیا خصوصاً یہود و ہنود لابی اس روز سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل اور متحرک ہے اور اس ''کارِ خیر'' میں ہمارے ہاں کے کچھ بھڑوے بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ اس ضمن میں پہلے تو یہ مفروضہ گھڑا گیا کہ پاکستان چونکہ جہادی تنظیموں کے لئے مرکزی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ کسی روز یہاں کے طاقتور جہادی جتھے پاکستان کے ایٹمی ذخائر تک رسائی حاصل کر لیں اس طرح ایٹمی ہتھیار غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں گے اور عالمی امن کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے یہ ایک مفروضہ تھا جس پر پاکستان نے زیادہ سنجیدگی سے اس لئے بھی توجہ نہ دی کہ ہمارا ایٹمی پروگرام روز اول ہی سے محفوظ ہاتھوں میں ہے اور اس تک کسی غیر ذمہ دار یا ذمہ دار کی رسائی بھی ممکن نہیں لیکن یہ پروپیگنڈہ شدت اختیار کرتا گیا اور نائن الیون نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب پاکستان دشمن ملکی اور غیر ملکی عناصر خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ ان لوگوں نے بطور خاص ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو اپنا نشانہ بنا لیا کیونکہ ڈاکٹر اے کیو خان ہی ان کے گلے کی ہڈی تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ڈاکٹر صاحب کو پہلے شمالی کوریا اور پھر لیبیا اور آخر میں ایران کو ایٹمی راز سپلائی کرنے کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے عہدے سے ہٹاتے ہوئے

گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ پاکستان کا جوہری پروگرام سالہا سال سے عالمی سطح پر بحث کا موضوع رہا لیکن گیارہ ستمبر کے بعد سے بدلے ہوئے عالمی ماحول میں یہ تذکرہ زیادہ تیزی سے ہونے لگا اور بات ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی معافی تک پہنچی۔

مغربی ذرائع ابلاغ خاص طور پر امریکہ میں بار بار سوال اٹھتا رہا کہ آیا یہ ذمہ دار ہاتھوں میں ہے یا نہیں۔ اکتوبر 2002ء میں اخبار نیو یارک ٹائمز میں امریکی خفیہ اداروں کے حوالے سے خبر آئی کہ پاکستان نے شمالی کوریا کے جوہری پروگرام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپریل 2003ء میں امریکہ نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پر شمالی کوریا کے جوہری پروگرام میں مدد کی بنیاد پر دو سال کے لئے پابندی لگا دی۔ الزام لگا کہ پاکستان نے میزائل ٹیکنالوجی کے بدلے ایسا کیا۔ پاکستان نے ان الزامات کی تردید کی لیکن یہ سلسلہ جاری رہا۔ نومبر 2003ء میں پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف نے جنوبی کوریا کے دورے کے موقع پر کہا پاکستان نے شمالی کوریا سے کم فاصلے تک مار کرنے والے میزائل اور ٹیکنالوجی حاصل کی تھی۔ انہوں نے ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کی خبروں کی تردید کی۔ جنوری 2004ء میں پاکستانی حکومت نے لیبیا کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کی تردید کی۔ اس سے قبل نیو یارک ٹائمز نے ایک بار پھر امریکی حکام کے حوالے سے بتایا کہ لیبیا کو بھی ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی میں پاکستان کی مدد حاصل رہی ہے۔ تاہم اخبار نے کہا کہ حکومت پاکستان کا اس کام میں ملوث ہونے کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اس سے قبل برطانیہ کے اخبار ''دی سنڈے ٹائمز'' نے لیبیا کے صدر کرنل قذافی کے حوالے سے بتایا ان کے ملک نے پاکستانی سائنسدان سمیت مختلف ''بلیک مارکیٹوں'' سے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کی ہے۔ دسمبر 2003ء میں حکومت پاکستان کے اس حوالے سے خبر آئی کہ وہ دو جوہری سائنسدانوں سے پوچھ گچھ کر رہی ہے۔ تاہم اس بات کی تردید کی گئی ان کے خلاف مبینہ طور پر ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی کی وجہ سے تفتیش ہو رہی ہے۔

23 دسمبر 2003ء میں نیو یارک ٹائمز میں خبر شائع ہوئی کہ تازہ شواہد ملے ہیں جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان نے شمالی کوریا اور ایران اور دوسرے ممالک کو ایٹمی ٹیکنالوجی بیچی ہے۔ 23 دسمبر ہی کو حکومت پاکستان کی تصدیق شائع کی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ 24 دسمبر کو حکومت پاکستان کے حوالے سے کہا گیا کہ وہ ان سائنسدانوں کے خلاف قانونی کارروائی کرے گی جو ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی میں ملوث پائے گئے۔ 24 جنوری 2004ء کو صدر جنرل پرویز مشرف نے اعتراف کیا کہ بظاہر کچھ پاکستانی سائنسدانوں نے دوسرے ممالک کو ایٹمی معلومات فراہم کی ہیں۔ 31 جنوری کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو وزیر اعظم کے مشیر کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ 2 فروری کو پاکستانی حکام کے حوالے سے کہا گیا ڈاکٹر قدیر خان نے دوسرے ممالک کو ایٹمی معلومات فراہم کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

24 دسمبر 2003ء کو بی بی سی نے اپنے ایک نشریئے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی صاحبزادی دینا خان کے حوالے سے بتایا پاکستانی ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر قدیر خان کی صاحبزادی نے کہا کہ ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے معاملے میں ان کے والد کو قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ پاکستان میں جہاں اور سائنسدانوں سے اس بارے میں تحقیقات ہو رہی ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ان سے کسی نے ذاتی لالچ میں ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی کے راز فراہم کر دیئے ہوں گے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے بھی تحقیقات کی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر خان کی بیٹی کا کہنا ہے کہ وہ (یعنی ڈاکٹر قدیر خان) اس صورتحال سے خوش نہیں ہیں اور ان کے خیال میں ان کے گھرانے میں یہ احساس انتہائی واضح ہے کہ ان کے والد کو بعض دوسرے لوگوں کی

خاطر قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔

وینا خان کا کہنا تھا کہ انہیں انتظار ہے کہ آئندہ کیا ہوتا ہے۔ اس وقت صورتحال غیر یقینی ہے اور انہیں نہیں پتہ کہ پوچھ گچھ کے دوسرے دور کے بعد کیا ہوگا۔ پاکستانی دفتر خارجہ کے ترجمان مسعود خان نے ہفتہ وار بریفنگ کے دوران کہا کہ اگر کوئی پاکستانی سائنسدان ذاتی مفاد یا لالچ کی خاطر معلومات اور ٹیکنالوجی فراہم کرنے میں ملوث پایا گیا تو اس کے خلاف بھرپور کارروائی کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمشن اور ایران سمیت بعض ممالک کے کچھ سائنسدانوں سے اس ضمن میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ تاہم ڈاکٹر قدیر خان سے روایتی تفتیش نہیں ہو رہی ہے۔ جب ترجمان سے پوچھا گیا کہ جب پاکستان نے جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ (این پی ٹی) اور سی ٹی بی ٹی جیسے معاہدے پر دستخط نہیں کئے تو پھر ٹیکنالوجی کی کسی کو منتقلی کیوں نہیں کرتا تو مسعود خان نے کہا کہ پاکستان کا اپنا قانون ہے جس کے مطابق کسی کو ٹیکنالوجی منتقل نہیں کی جا سکتی۔ 27 جنوری 2004ء کو بی بی سی نے اطلاع دی کہ پاکستان کے جوہری راز مبینہ طور پر فروخت کرنے کے سلسلے میں جن سائنسدانوں سے تفتیش کی جا رہی ہے ان کے ملک چھوڑنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور ان کے نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ پاک فوج کے ترجمان میجر جنرل شوکت سلطان نے بی بی سی اردو ڈاٹ کام کو بتایا کہ ظاہر ہے جن لوگوں سے تفتیش کی جا رہی ہے ان کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ڈاکٹر خان کی نظر بندی کے بارے میں چھپنے والی خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر خان کی رہائش گاہ پر سکیورٹی انتظامات سخت کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سائنسدانوں سے تفتیش شروع ہونے کے بعد ڈاکٹر خان کی معمول کی سکیورٹی میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تاہم برطانوی خبر رساں ادارے رائٹرز نے خفیہ اداروں کے ذرائع کے حوالے سے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جنہوں نے ملک کو جوہری طاقت بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس وجہ سے ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے سامنے آئے اسلام آباد میں اپنی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر محمد فاروق جو خان ریسرچ لیبارٹری میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے گزشتہ کئی ماہ سے خفیہ اداروں کی حراست میں ہیں۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی نے ڈاکٹر قدیر خان کے قریبی ذرائع سے اطلاع دی کہ ڈاکٹر خان کو حراست میں تو نہیں لیا گیا لیکن انہیں اپنی رہائش گاہ پر محصور کر دیا گیا ہے۔ صدر جنرل مشرف نے بی بی سی کو ایک انٹرویو میں کہا کہ جن سائنسدانوں نے ذاتی مفاد کے لئے ملک کے جوہری راز فروخت کئے ہیں ان کو سخت سزا دی جائے گی۔ انہوں نے کہا چند ''بے ضمیر'' سائنسدانوں نے پیسے کے لالچ میں جوہری راز فروخت کئے ہوں گے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے سابق آف آرمی سٹاف جنرل ریٹائرڈ اسلم بیگ کے اس معاملے میں ملوث ہونے کی خبروں کی تردید کی۔ اطلاعات کے مطابق ان سائنسدانوں کے اندرون ملک اور بیرون ملک اثاثوں کی جانچ پڑتال کی جا رہی تھی اور ان کے ایسے بنک اکاؤنٹس کا سراغ ملا جس میں لاکھوں ڈالر جمع ہیں۔ حکومتی ذرائع اس قسم کی خبریں بھی دے رہے تھے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے ٹھوس ثبوت مل گئے ہیں اور حکومت ان کے اثاثوں اور اکاؤنٹس منجمد یا ضبط کرنے کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ ان دنوں وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد نے کہا کہ ایک یا دو لوگوں نے ذاتی مفاد کے لئے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا اور قومی اثاثوں کی معلومات کی منتقلی میں پیسہ بھی ملوث ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس نے مال بنایا اسے اب بھگتنا ہوگا اور ایسے لوگوں کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ 7 فروری 2004ء کو پاک فوج کے سابق سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ نے جوہری پھیلاؤ میں

پاکستان کے کردار سے متعلق جاری تفتیش کو پاکستان کے خلاف امریکہ اور برطانیہ کی سازش قرار دیا۔ یہ بات انہوں نے بی بی سی اردو سروس کے پروگرام ٹاکنگ پوائنٹ میں سامعین کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو یہ سبق ملا ہے کہ جن ملکوں کو وہ دوست سمجھتا ہے ان سے اب چھان پھٹک کر تعلقات قائم کرے انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہوا اس میں امریکہ اور برطانیہ برابر کے شریک ہیں۔ جنرل بیگ نے کہا کہ جب ان ملکوں کو معلوم تھا کہ تو پھر انہوں نے پہلے کیوں نہیں بتایا اور اس معاملے کو کیوں اتنا پھیلنے دیا ان کا کہنا تھا کہ اس کا اصل مقصد سائنسدانوں اور پاکستان کو ذلیل کرنا ہے۔ انہوں نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر اس سازش کو ناکام بنائے۔

ایٹمی سائنسدانوں کی گرفتاری کے خلاف سارا ملک سراپا احتجاج ہو گیا ان کے لواحقین نے ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا کہ ان کے پیاروں کی کوئی خبر نہیں ہے۔ عدالت نے حکومت سے وضاحت مانگی۔ حکومت پاکستان نے 8 فروری 2004ء عدالت کو بتایا کہ وہ جوہری توانائی کو بیرون ملک منتقلی سے متعلق تمام امور پر عدالت کو اعتماد میں لینے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ عدالت مقدمے کی سماعت بند کمرے میں کرے۔ لاہور ہائیکورٹ راولپنڈی بنچ نے جو جوہری پروگرام پر کہوٹہ میں کام کرنے والے چھ افراد کے لواحقین کی جانب سے دائر کردہ مقدمے کی سماعت کر رہا تھا حکومت کی پیشکش پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور یہ کہا کہ پہلے حکومت درخواستوں کا تحریری جواب لے کر آئے اس معلومات کو دیکھنا چاہے گی کہ یا نہیں گزشتہ سماعت کے دوران عدالت نے حکومت کو آخری موقع دیا تھا کہ وہ عدالتی کارروائی پر ہر صورت جواب پیش کرے اور اٹارنی جنرل خود بھی عدالت میں پیش ہوں۔ جسٹس مولوی انوار الحق اور جسٹس منصور احمد پر مشتمل بنچ نے مقدمے کی سماعت شروع کی تو حکومت کی طرف سے پھر کوئی جواب عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

اپنی کتاب "آن دی لائن آف فائر" میں صدر جنرل مشرف نے ڈاکٹر قدیر خان سے متعلق جو کچھ لکھا اس نے ساری قوم کو سوگوار کر دیا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک ایسا سائنسدان جسے اس کے ساتھی آج تک اپنا رہنما اور ایٹم بم کا خالق تصور کر رہے ہیں اس پر اس نوعیت کے الزامات کا مقصد کیا ہے۔ ڈاکٹر قدیر خان کو ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے خراج تحسین پیش کیا اور ایٹمی دھماکے میں ان کے کردار کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ پاکستان کی میزائل سازی کی صنعت آج جس اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہے اس کا سہرا کس کے سر جاتا ہے؟ آخر ہم کب تک تاریخ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالتے رہیں گے۔ جنرل صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ 285 تا 292 میں ڈاکٹر خان سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے قوم کے دل غم سے چھلنی ہیں۔ ظاہر ہے ڈاکٹر خان ان الزامات کے جوابات دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں شاید جنرل صاحب کو اس بات کا علم نہ ہو کہ "کے آر ایل" کے سائنسدانوں کی ڈاکٹر خان نے ہر معاملے میں رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے 20 دسمبر 1982ء کو تحریری طور پر جنرل ضیاء کو مطلع کیا تھا کہ بم تیار ہے اور آپ کا حکم ملنے پر ہم ایک ہفتے میں دھماکہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر خان نے خود محدود کانفرنسوں میں بتایا کہ کہوٹہ میں نہ صرف یورینیم کی افزودگی 90 فیصد سے زیادہ کی گئی بلکہ اس کو حیات میں بھی تبدیل کیا گیا اور مشین کر کے بم کے اندر کو (COVER) بھی بنایا گیا۔ تمام دھماکہ خیز پرزے یہاں بنائے گئے بم لوڈ کرنے والے ڈیٹونیٹر بھی یہیں تیار ہوئے۔ کئی Cold Test کیے گئے جو 1983ء میں ہوئے پاکستانی عوام پوچھتے ہیں کہ ڈاکٹر خان نے جو کروڑوں ڈالر کمائے وہ کہاں گئے؟ اطلاعات کے مطابق سیکورٹی ایجنسیوں اور امریکی خفیہ اداروں نے ڈاکٹر

صاحب کے گھر کی ہر ممکن طریقے سے تلاشی لی ہے لیکن انہیں رقم یا اکاؤنٹ سے متعلق کوئی تفصیلات نہیں ملیں جہاں تک ڈاکٹر خان کے اقرار جرم کا تعلق ہے تو رویئداد خان نے ڈیلی نیوز مطبوعہ 13 مارچ 2004ء کے آرٹیکل میں اس کا پول کھول کر رکھ دیا ہے جس میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر خان کو خفیہ عدالت میں مقدمہ چلانے اور غداری کے جرم میں بھٹو صاحب جیسے انجام سے خبردار کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر بھی سمجھداری سے ایک فقرہ اس ''اقرار جرم'' کے بیان میں ڈال دیا کہ ''میں نے یہ سب کام نیک نیتی سے کیا۔ ''نیک نیتی'' سے کئے کاموں کے لئے رشوت نہیں لی جاتی۔ اس مرحلے پر یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ چودھری شجاعت حسین کی آخری لمحات تک یہی کوشش رہی کہ ڈاکٹر صاحب پر الزامات نہ لگائے جائیں لیکن ہر معاملہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

آج محسن ملت اسلامیہ ڈاکٹر قدیر خان کی نظر بندی کو 1190 دن ہو گئے لیکن ان کی رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ پاکستانی قوم کی اپنی حکومت سے عاجزانہ درخواست ہے کہ محسن پاکستان کو رہا کر کے اس عزت و اعزاز سے نوازا جائے جو ان کا حق ہے۔

کالا باغ ڈیم منصوبے کا خاتمہ

پاکستان میں عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں کا تصور نالیاں' گلیاں اور سڑکیں بنانے تک محدود ہے اور اگر کبھی کسی کو ذرا ''ہوشیاری'' ہو تو وہ پارک' سوئی گیس' بجلی اور ٹیلی فون وغیرہ کی سہولت مہیا کر کے اپنے تئیں عوامی نمائندگی کا حق ادا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں بھی ترقیاتی منصوبوں کا نام آتے ہی گلیاں' نالیاں اور سڑکیں وغیرہ ہی آتی ہیں لیکن وہ ملک کے معاشرتی' معاشی' تعلیمی اور مذہبی ڈھانچے کی مضبوطی کیلئے نہیں سوچتے ہیں کیونکہ ملک کی اشرافیہ خواہ وہ سیاسی اور غیر سیاسی حکمران ہوں یا انتہائی سٹیبلش سٹیبلشمنٹ' جاگیردار' چودھری' وڈیرے' خان' سردار' نواب سب نے ہی ترقی کے نام پر عوام کو کنویں کا مینڈک بنا رکھا ہے اور اگر بد قسمتی سے کبھی عوامی فلاح و بہبود اور ملک کی خوشحالی کا کوئی بڑا منصوبہ شروع بھی کر دیا جاتا ہے تو اس کی راہ میں روڑے اٹکانے والے بے شمار لوگ ہوتے ہیں جو ذاتی اور بعض دفعہ غیر ملکی مفادات کے حصول کیلئے ترقیاتی منصوبوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ رائے عامہ ہموار نہیں کی جاتی بات چیت اور مذاکرات کا عمل شروع نہیں کیا جاتا اور ان ترقیاتی منصوبوں کو کاغذ کی دیواروں میں زندہ چنوا دیا جاتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کا منصوبہ بھی ایسے ہی بد قسمت منصوبوں میں سے ایک ہے جسے حال ہی میں نو منتخب مخلوط حکومت نے متنازعہ اور ناقابل عمل قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا اگرچہ وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے ساتھ میں یہ بھی کہا ہے کہ اس منصوبے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کیا گیا ہے' لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ قومی اقتصادی و زرعی ترقی کے اس عظیم الشان منصوبے کو تقریباً 3 دہائیوں بعد جس بری طرح سے ناقابل عمل قرار دے کر ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا گیا ہے اس پر سوائے ماتم کرنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

واپڈا ہاؤس لاہور میں 26 مئی کو پریس کانفرنس کرتے ہوئے وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے کہا تھا کہ کالا باغ ڈیم کا منصوبہ متنازعہ ہے اور فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈیم کی تعمیر کے خلاف صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ نے قرار دادیں پیش کی ہیں یہ ملک کی اکائیاں ہیں اور ہم جب بجلی کے بحران پر دیگر منصوبوں پر عمل درآمد کر کے قابو پا سکتے ہیں تو نئی بحث شروع کرنے کی کیا ضرورت ہے ان کے بقول کالا باغ ڈیم پر گذشتہ پندرہ سال میں ماسوائے بحث کرنے کے کچھ نہیں ہوا۔ ہم وہ منصوبے شروع کریں جس سے وفاق پاکستان کے درمیان محبت کا آغاز ہو نفرت کا نہیں راجہ پرویز اشرف کے بقول کالا باغ ڈیم کے لئے مختص رقم کو توانائی پیدا کرنے کے دیگر منصوبوں پر استعمال کیا جائے گا۔ جہاں تک کالا باغ ڈیم کا تعلق ہے تو پیپلز پارٹی وفاق پاکستان پر یقین رکھتی ہے اور وفاق پاکستان میں کسی قسم کی دراڑ اور منافی بات ہمارے لئے تکلیف دہ ہے۔ وفاقی وزیر نے دعویٰ کیا ہے کہ آئندہ سال کے اختتام پر ملک سے لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہو جائے گا اور پاکستان سے ہمیشہ کے لیے لوڈشیڈنگ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ پچھلے نو برسوں میں ملک میں بجلی پیدا نہیں ہوئی اور بجلی کا بحران ایک چیلنج کے طور پر موجودہ حکومت کے لئے سامنے آیا ہے۔ حکومت نے اس بحران کو حل کرنے کے لئے جنگی بنیادوں پر اقدامات کئے ہیں۔ کالا باغ ڈیم جیسے اہم منصوبے کے خاتمے کے موقع

پرانہوں نے چنداعلانات بھی کیئے کہ یکم جون سے مارکیٹیں رات نو بجے بند کردی جائیں گی۔سائن بورڈ اور بل بورڈرز کے لئے واپڈا بجلی فراہم نہیں کرے گا۔تمام سرکاری دفاتر میں صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک ایئر کنڈیشنڈ بند رکھے جائیں گے اور سٹریٹ لائٹس بھی نصف استعمال ہوں گی۔ صنعتی یونٹ ہفتہ وار تعطیل ایک دن کرنے کے بجائے متبادل دنوں پر کریں ان کے بقول گھڑی کا ایک گھنٹہ آگے کرنے سے بجلی کی بچت ہوگی۔ایک ایسے موقع پر جب مخلوط حکومت کی ایک اہم اتحادی مسلم لیگ ن نے وزارتوں سے استعفیٰ دے رکھے ہیں پیپلز پارٹی کی جانب سے یک طرفہ اتنا بڑا فیصلہ انتہائی غیر جمہوری اور غیر سنجیدہ اقدام تصور کیا جارہا ہے۔پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت جو ہر مسئلے خاص کر سیاسی ایشوز کو مذاکرات اور بات چیت کے ذریعے حل کرنے پر زور دیتی آئی ہے اس کی جانب سے کالا باغ ڈیم جیسے انتہائی اہم اور حساس منصوبے کو یکدم بغیر کسی مشاورت کے ختم کرنے پر مختلف حلقوں کی جانب سے انگلیاں اٹھ رہی ہیں کہ آخر نو منتخب مخلوط حکومت کو اپنے قیام کے 2 ماہ میں اس انتہائی اہم فیصلے کی کیا ضرورت پیش آئی جس میں پارلیمنٹ کی بالادستی کا نعرہ بلند کرنے والی جماعت نے ارکان اسمبلی تک کو آگاہ نہیں کیا۔قائد حزب اختلاف کا یہ کہنا درست ہے کہ نو منتخب حکومتیں اوائل کے مہینوں میں عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبے بناتی ہیں انہیں ریلیف مہیا کرتی ہیں لیکن اس مخلوط حکومت نے محض عدم اتفاق پر کالا باغ ڈیم جیسے انتہائی اہم منصوبوں کو ختم کر کے قوم کا قیمتی سرمایہ ضائع کیا۔ادھر سابق گورنر پنجاب غلام مصطفیٰ کھر نے اسے پنجاب کے عوام کے مینڈیٹ کی توہین قرار دیا ہے ان کا کہنا تھا جس طرح حکومت نے سندھ اور صوبہ سرحد کی اسمبلیوں کی پاس کردہ قراردادوں کی لاج رکھی ہے اسے چاہئے تھا کہ ملک کی سب سے بڑی اسمبلی کے ارکان کی پاس کردہ قرارداد کو بھی مدنظر رکھتی۔

آصف علی زرداری اور ان کی ٹیم آج کل جس طرح چوکھی لڑائی لڑ رہی ہے خاص کر معزول ججوں کی بحالی اور 62 نکاتی آئینی پیکج پر جو سیاسی برین سٹورمنگ کا عمل شروع ہوا ہے اس انتہائی اہم موقع پر کالا باغ ڈیم کے خاتمے کا اعلان عوامی ردعمل سے بچنا بھی ہے کیونکہ عوام کی نظریں معزول چیف جسٹس چودھری محمد افتخار اور دیگر ججوں کی بحالی پر مرکوز ہیں یا پھر انڈین کرکٹ لیگ کے میچوں پر اس دوران میں اگر میگا پراجیکٹ کو غائب بھی کر دیا جائے تو کسی کو اس سے کیا فرق پڑے گا ویسے بھی اس منصوبے کو اتنا سیاسی اور متنازعہ بنا دیا گیا ہے کہ یہ عوام کے لیے سبز باغ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔

پاکستان کے انتہائی اہم کالا باغ ڈیم بنانے کے لئے سائیٹ پر اربوں روپے مالیت کی مشینری زنگ آلود حالت میں اب بھی موجود ہے اور بنائے گئے مکانات اور دفاتر کھنڈرات کا منظر پیش کر رہے ہیں۔گذشتہ بائیس برسوں سے کام بند ہے اور واپڈا کے بارہ ملازمین جن میں ایک سٹور کیپر' آٹھ چوکیدار' ایک ڈرائیور' ایک الیکٹریشن اور ایک وائرلیس آپریٹر شامل ہیں۔اب بھی کالا باغ ڈیم کے مقام پر تعینات ہیں۔زیادہ تر ملازمین اکثر چھٹیوں پر ہوتے ہیں لیکن انہیں تنخواہیں واپڈا سے باضابطہ طور پر ملتی ہیں۔واضح رہے کہ کالا باغ دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے اور اس علاقے میں زیادہ تر زمینیں نواب آف کالا باغ کی ہیں جو ملک بھی کہلاتے ہیں پنجاب کے ضلع میانوالی کے صدر دفتر سے ستر کلو میٹر کے فاصلے پر جبکہ کالا باغ شہر سے تقریباً پینتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اس ڈیم کی سائیٹ واقع ہے۔کالا باغ ڈیم کی سائیٹ پیر پہائی نامی گاؤں کے پاس ہے لیکن نام نوابوں کے شہر کالا باغ سے منسلک ہے۔ڈیم کی سائیٹ سے جیسے ہی دریا موڑ لیتا ہے وہاں جھیل نما دریا کا پیٹ بن جاتا ہے اور یہی

جہیل ڈیم بنانے کے لیے موزوں سمجھی گئی تھی۔ اس مقام پر اگر دریا کے بہنے کی سمت یعنی مغرب کی طرف چہرہ کر کے کھڑے ہوں تو دائیں جانب صوبہ سرحد کے کوہاٹ ضلع کی حدود ہیں جبکہ دائیں کنارے پر صوبہ پنجاب کے ضلع میانوالی اور پیچھے کی جانب ضلع اٹک کی حدود ہیں۔ کچے اور ریتلے پہاڑوں میں پیر پہائی گاؤں کے قریب جہاں دریائے سندھ موڑ کاٹتا ہے وہاں راولپنڈی سے آنے والے گندے پانی کا نالا بھی گرتا ہے اور وہ میلا پانی خاصی دور تک دریائے سندھ کے بائیں کنارے ساتھ ساتھ چلتا صاف دکھائی دیتا ہے۔ کوہ ہمالیہ سے نکلنے والے دریائے سندھ کا شمار دنیا کے طویل ترین دریاؤں میں ہوتا ہے اس دریا کو کوئی اباسین تو کوئی انڈس کچھ دریائے سندھ تو بعض لوگ سندھو دریا کہتے ہیں اس دریا میں سینکڑوں چشمے، برساتی نالے اور چھوٹے دریاؤں کے علاوہ گندے پانی کے نالے بھی گرتے ہیں۔ کالا باغ ڈیم کی سائیٹ پر 1984ء میں کچھ کام شروع ہوا تھا اور انجینئرز نے دریا کے اوپر ایک ”کیبل وے“ نصب کی جواب بھی موجود ہے اس جگہ دو کمرے بنے ہیں جو انتہائی خستہ حالت میں ہیں لیکن شدید سیاسی مخالفت کی وجہ سے 1986ء میں کام روک دیا گیا جو آج تک دوبارہ شروع نہیں ہو سکا۔ ڈیم کی سائیٹ کے آس پاس آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور ایک سنگل ٹریک خستہ حال سڑک بنی ہوئی ہے ڈیم سے تھوڑے فاصلے پر سیمنٹ کے چار پانچ بڑے کارخانے بھی لگے ہیں۔

جون 2006ء میں اس وقت کے چیئرمین واپڈا طارق حمید نے کہا تھا کہ حکومت نے واپڈا کو کالا باغ اور دیامیر بھاشا ڈیم کے لئے بجٹ میں دس ارب روپے دینے کا اشارہ دیا ہے۔ یہ رقم ملتے ہی آئندہ مالی سال یعنی 2006-2007ء میں دونوں منصوبوں کے لئے ایک ساتھ اراضی

کروائی تھی کہ کالا باغ ڈیم پر تحفظات کو دور کیا جائے گا جبکہ سال 2005ء میں کم از کم تین ایسے مواقع آئے تھے جب صدر جنرل پرویز مشرف ڈیم کی تعمیر شروع کرنے کا اعلان کرتے کرتے رہ گئے۔ پہلی بار اگست کے آخر اور ستمبر کے ابتدا کے ایام میں صدر نے کالا باغ ڈیم کا اعلان کرنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن اس وقت انہیں حکمران جماعت کے رہنماؤں نے مشورہ دیا کہ بلدیاتی انتخابات ہونے دیں۔ بلدیاتی انتخابات سے قبل ڈیم کے اعلان سے حکومتی جماعت تمام تر کوششوں کے باوجود بھی وسیع پیمانے پر کامیابی حاصل نہیں کر پاتی لہٰذا صدر مملکت مان گئے۔ دوسری بار زلزلے اور تیسری بار وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام الرحیم اور ان کے اتحادی جماعت متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین کے ڈیم مخالف بیانات سے کالا باغ ڈیم کا اعلان ہوتے ہوتے رہ گیا۔ واضح ہو کہ اس ڈیم کے بارے میں پاکستان کے چار میں سے تین صوبے مخالفت کر رہے ہیں اور صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں سے متفقہ طور پر کم از کم دو دو بار مختلف اوقات میں قراردادیں بھی منظور کی جا چکی ہیں۔ ایسی صورتحال کے باوجود جب کوئی بھی کالا باغ ڈیم بنانے کے لئے اتفاق رائے قائم کرنے کی بات کرتا ہے تو ان تینوں صوبوں کی بیشتر سیاسی جماعتیں یہ کہتی ہیں اس ڈیم کے بارے میں پہلے سے تین صوبوں میں اتفاق رائے ہے کہ یہ ڈیم ان کے مفادات کے منافی ہے اس لئے اب کس بات کی اتفاق رائے جبکہ ڈیم کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ ڈیم ''فالٹ لائن' میں واقع ہے جبکہ ڈیم کے حامیوں کا موقف اس کے برعکس ہے۔

کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والے صوبہ سرحد کے سیاسی رہنما کہتے ہیں کہ ان کے صوبے کا بڑا شہر نوشہرہ ڈوبے گا اور مردان ویلی سیم اور تھور کا شکار ہو جائے گی لیکن کچھ ماہرین اس تاثر کو رد کرتے ہیں۔ صوبہ سندھ اور بلوچستان والے چونکہ دریائے سندھ کے آخری حصے پر واقع ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ جس طرح ماضی میں کئے گئے معاہدوں اور کرائی گئی یقین دہانیوں کے باوجود پانی کے بعض ایسے منصوبے بنائے گئے ہیں جس سے انہیں نقصان اور صوبہ پنجاب کو فائدہ پہنچا ہے۔ لہٰذا اس طرح کالا باغ ڈیم کا منصوبہ بھی ان کے مفادات کے منافی ہے اور انہیں بہ وقت ضرورت پانی نہیں مل پائے گا۔

جنرل پرویز مشرف اکثر کہتے ہیں کہ وہ آئینی گارنٹی دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ سندھ نے کہا تھا کہ کس آئین کی گارنٹی جس کو بار بار تبدیل کیا جاتا رہا ہے۔

صدر جنرل پرویز مشرف کئی بار کہہ چکے ہیں کہ وہ سندھ کے باسی اور سندھ کو کبھی نقصان ہونے نہیں دیں گے اور کالا باغ ڈیم سندھ کے فائدے میں ہے۔ اس کے باوجود ڈیم مخالف فریق یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ سندھ کے سیاستدان، دانشور، ماہرین نیز ہر شعبے کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کالا باغ ڈیم ان کے مفادات کے خلاف ہے تو صدر کیسے کہتے ہیں کہ ڈیم سندھ کے حق میں ہے۔

کالا باغ ڈیم کی فزیبلٹی پر 1983ء میں کام شروع ہوا اور اس دن سے یہ ڈیم متنازعہ بنا ہوا ہے جب میاں نواز شریف وزیر اعظم بنے اور 1991ء میں پانی کی تقسیم کا معاہدہ ہوا تو ان دنوں آئینی ادارے قومی اقتصادی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اجلاس میں شریک اس وقت کے صوبہ سندھ کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے مطابق وزیر اعظم کے زیر صدارت اس اجلاس میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ مرحوم غلام حیدر وائیں نے کہا تھا کہ اگر کالا باغ ڈیم کے نام پر اعتراض ہے تو اس کا نام ''جام ڈیم'' رکھ لیتے ہیں جس پر سندھ کے وزیر اعلیٰ نے کہا تھا کہ وائیں کے بنا جام بیکار ہے اور اس کا نام جام

وائین ہونا چاہئے۔اس مذاق میں کہی گئی بات کی بنا پر اجلاس کے بعد جب بجٹ میں کالا باغ ڈیم کے لئے رقم مختص کی گئی تو جام صادق علی نے وزیر اعظم نواز شریف کو اس پر احتجاجی خط لکھا تھا کہ ایسا نہ کریں۔

دوسری بار جب نواز شریف وزیر اعظم بنے تو انہوں نے 1998ء میں ایٹمی دھماکے کے ساتھ ساتھ کالا باغ ڈیم بنانے کا بھی اعلان کیا جس پر سخت احتجاج کے بعد انہیں وہ اعلان واپس لینا پڑا۔کالا باغ ڈیم کے متعلق ایک بار سندھ کے ایک سیاستدان رسول بخش پلیجو نے کہا تھا کہ اگر کالا باغ ڈیم کا نام 'مدینہ ڈیم' بھی رکھیں تو انہیں قبول نہیں ہوگا۔ یہاں پر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ صدر پرویز مشرف نے جب سے اقتدار سنبھالا ہے وہ ایک متنازعہ معاملہ پر کوئی موقف اختیار کرتے ہیں۔جس پر ان کی خوب مخالفت ہوتی ہے اور آخر میں وہ اس پر اپنا موقف چھوڑے بغیر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔قوم اور سرگرم سیاسی حلقے مصروف رہتے ہیں اور ان کی حکومت چلتی رہتی ہے۔اقتدار سنبھالنے کے بعد کتوں کے ساتھ تصویر اتارنے کا معاملہ ہو یا پھر اتاترک کو اپنا آئیڈیل کہنے کی بات' توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون کے خاتمے یا ترمیم ہو یا وردی اتارنے کا معاملہ ان کا رویہ ایک جیسا رہا۔ان حالات میں جنرل مشرف نے کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان کیا جس پر صوبوں کے درمیان سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔لوگ پاکستان کی تاریخ کی بدترین قدرتی آفت چھوڑ کر اس پر متوجہ ہو گئے جہاں ہر طرف زلزلہ زلزلہ تھا' بعد میں ڈیم ڈیم ہو رہا تھا۔متنازعہ معاملات جن پر ملک میں سخت اختلاف رائے پایا جاتا ہے انہیں گاہے بگاہے چھیڑ کر صدر جنرل مشرف اپنے پانچ چھ مہینے آرام سے گزار لیتے اور 2005ء میں کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان بھی سیاسی ڈھکوسلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس سال کے آخر میں لاہور کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز (سی پی این ای) کے ظہرانے کے بعد ایڈیٹروں اور صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ جلد کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان کریں گے۔وہ سندھ اور سرحد دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور ان کے تحفظات دور کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر یہ مشق ناکام ہوئی تو وہ ڈیم بنانے کا خود سے اعلان کر دیں گے کیونکہ ڈیم نہ بنانا خود کشی ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ڈیم بنانا پاکستان کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے اور ڈیم نہ بنانے والا ملک سے غداری کرے گا۔انہیں سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے ڈیم کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود کو مشکل میں ڈال کر پاکستان کے فائدے کے لئے یہ ڈیم بنا رہے ہیں۔مشرف نے کہا تھا کہ افغانستان اور بھارت یہ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان سمندر میں پانی ضائع کر رہا ہے اور اگر پاکستان نے ڈیم نہ بنائے تو وہ پانی کو روک کر اس پر ڈیم بنالیں گے اور پاکستان اس معاملہ پر عالمی عدالت میں بھی بھارت کو نہیں روک سکے گا۔ ریاستی سربراہ نے جس بُرے طریقہ سے کالا باغ ڈیم کی باسی کڑھی میں وقتی اُبال پیدا کر کے عوام کو ایک بار پھر سبز باغ دکھایا وہ عمل انتہائی قابل مذمت اور غیر اخلاقی تھا۔ادھر 2005ء میں ہی سندھی اخبارات نے کالا باغ ڈیم کی میڈیا مہم کا حصہ بننے سے انکار کر دیا اور اس حکومتی مہم کے پہلے روز ہی دس لاکھ روپے کے اشتہارات مسترد کر دیے۔سندھی اخبارات کے مالکان نے فیصلہ کیا تھا کہ آبی ذخائر کے حوالے سے جاری ہونے والا ایسا کوئی اشتہار شائع نہیں کیا جائے گا جس میں کالا باغ ڈیم کا ذکر ہو۔اسکے برعکس صوبہ سرحد میں اکثر اخبارات نے وفاقی حکومت کی جانب سے نئے ڈیموں سے متعلق اشتہارات شائع کئے ہیں۔ایک صفحے کے چوتھائی سائز کے اشتہار کا عنوان تھا ''نئے ڈیموں کی تعمیر' خوشحالی کی تدبیر'' جس میں کالا باغ اور بھاشا ڈیم دونوں ڈیموں کی تعمیر سے غذائی اجناس اور ایندھن پر خرچ

ہونے والا اربوں روپے کا زرمبادلہ بچایا جاسکے گا۔ اسکے علاوہ اٹھانوے ارب روپے کی بجلی پیدا کی جاسکے گی جبکہ کالاباغ سے 6.1 جبکہ بھاشا سے 7.3 ملین ایکڑ فٹ پانی مہیا ہوسکے گا۔ کالاباغ سے 36 سو جبکہ بھاشا سے 45 سو میگاواٹ بجلی پیدا ہوسکے گی۔ سندھ کو کالاباغ سے 2.2 جبکہ بھاشا سے 2.7 ملین ایکڑ فٹ اضافی پانی مہیا ہوسکے گا۔ مبصرین کے خیال میں اس اشتہار میں کالاباغ سے زیادہ بھاشا ڈیم کے فوائد ظاہر کیے گئے تھے۔ لوگوں کے خیال میں جب حکومت خود تسلیم کرتی ہے کہ بھاشا ڈیم سے فوائد زیادہ ہیں تو پھر اس نے اتنے برس اس پر کام میں تاخیر کیوں کی اگر اسے ترجیح دی جاتی تو اس منصوبے پر کام کا آغاز 2009ء کی بجائے پہلے کیا جاسکتا تھا۔

سندھی سیاستدانوں نے 2005ء میں جب کالاباغ ڈیم کو فوجی حکمران نے خوب کیش کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ آئین میں ترمیم کرکے اگر یہ شق شامل کریں کہ ''کالاباغ ڈیم سے جس دن کوئی نہر نکلی اس دن سندھ از خود آزاد ملک بن جائے گا اور پاکستان کا حصہ نہیں ہوگا'' تو وہ کالاباغ ڈیم بنانے کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔ اپنی نوعیت کی اس انوکھی آئینی ترمیم کی شرط سابق نگران وزیراعظم کے بھائی اور رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر عبدالغفار خان جتوئی نے پیش کی اور ان کے کچھ ساتھیوں نے اس کی تائید بھی کی تھی۔ ادھر کالاباغ ڈیم کے مسئلے پر ماضی قریب میں بلوچستان بھی دو دھڑوں میں تقسیم تھا۔

کالاباغ ڈیم کے مسئلے کو جہاں حکمرانوں نے ملک کے اندر متنازعہ بنایا وہاں بعض سیاسی رہنماؤں نے اس مسئلے کو غیرملکی حکومتوں کے سامنے بھی کھول کر رکھ دیا۔ دسمبر 2005ء کے آخر میں کراچی میں قائم امریکی سفارتخانے کے قونصلیٹ افسر فریڈ اسٹران سے اپوزیشن اور قوم پرست رہنماؤں پی پی کے سید قائم علی شاہ' عوامی تحریک کے سربراہ رسول بخش پلیجو' سندھ ترقی پسند پارٹی کے قائد قادر مگسی' سندھ نیشنل کونسل کے حسین بخش تھیبو اور سول سوسائٹی سے جامی چانڈیو نے ملاقات کی اور قونصلیٹ افسر کو کالاباغ ڈیم سے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ ادھر ڈاکٹر قادر مگسی کا کہنا تھا کہ ہم نے امریکی حکام کو کالاباغ ڈیم کے مسئلے پر پاکستان اور سندھ کی صورتحال سے آگاہ کیا۔ ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ حکومت پاکستان اور ورلڈ بینک پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں اور اس کی فنڈنگ رکوائیں۔ قادر مگسی کے مطابق امریکی حکام نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور انہوں نے انہیں بتایا کہ حکومت نے ہمیں قائل کیا تھا کہ اگر ڈیم نہیں بنا تو پاکستان کی معیشت کو نقصان پہنچے گا' زراعت متاثر ہوگی' بجلی پیدا نہیں ہوگی مگر آپ نے جو پہلو بتائے ہیں وہ ہم سے اوجھل تھے۔ دریں اثناء جنوری 2006ء میں بلوچستان میں فوجی آپریشن اور کالاباغ ڈیم کی مجوزہ تعمیر کے خلاف امریکہ اور کینیڈا میں پاکستانی سفارتخانوں اور قونصل خانوں کے سامنے سندھی اور بلوچ تنظیموں نے مشترکہ احتجاجی مظاہرہ کا اعلان کیا تھا۔ منگلا اور تربیلا ڈیم کے بعد عرصے سے ملک میں ایک بڑے آبی ذخیرے کی ضرورت تھی کیونکہ اول الذکر دونوں آبی ذخائر میں پانی کی گنجائش بھی قدرے کم ہوگئی ہے۔ نیز پاکستان کے پاس پانی کی صورت میں جو جوہری طاقت ہے وہ جس فراوانی سے ہر سال ضائع ہورہا ہے اس کے ذخیرے کے لئے ایک نئے منصوبے کی تعمیر ضروری تھا نیز بجلی کی کمیابی' فصلوں کو پانی کی عدم دستیابی اور سیلابوں کو روکنے کے لئے بھی کالاباغ ڈیم کی تعمیر ضروری تھا لیکن افسوس کہ حکومت نے اس عظیم الشان آبی ذخیرے کو جس عجلت سے ختم کرنے کا اعلان کیا ہے وہ قابل محاسبہ اقدام ہے۔

عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت دن بدن بڑھ رہی ہے جبکہ گزشتہ دنوں 8 تھرمل یونٹ بھی تیل کی عدم دستیابی کے باعث بند کردیے گئے

اگرچہ یہ 200 سے 500 میگاواٹ کے پیداواری یونٹ تھے تاہم مجموعی طور پر 1500 میگاواٹ کے قریب بجلی بنانے کا باعث بنتے تھے ملک میں اس وقت بجلی کی کھپت لگ بھگ 1300 میگاواٹ یومیہ ہے جس میں 300 میگاواٹ بجلی کی کمی ہے اور چونکہ موسم گرما کا آغاز ہو چکا ہے اور اس میں شدت آنے سے آج کل 5 سے 10 گھنٹے تک ہونے والی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ مزید بڑھ جائے گا۔ اگرچہ بجلی کا موجودہ بحران یوسف رضا گیلانی کی حکومت کا پیدا کردہ نہیں ہے لیکن کالاباغ ڈیم کے منصوبے کو بجائے شروع کرنے کے اسے ختم کرنے اور نئے تھرمل یونٹ نہ لگانے سے مستقبل میں بجلی کی لوڈشیڈنگ جاری رہنے کا قوی امکان ہے جس کی فی یونٹ قیمت بھی بڑھ چکی ہوگی۔

واپڈا کے وژن 2025ء کے تحت 2016ء تک دیا میر بھاشا ڈیم' کالاباغ ڈیم' کرم تنگی ڈیم' منڈا ڈیم اور اکوری ڈیم جیسے منصوبے شروع کرنے کے بعد کالاباغ ڈیم کے منصوبے کو ختم کئے جانے کے بعد حکومت وقت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ باقی کے چاروں منصوبوں کو بھی ختم کر دے۔ اگر ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے تو قوم ان شخصیات کے احتساب کا مطالبہ ضرور کرے گی کہ کس طرح سالوں پر پھیلے کثیر سرمائے کے منصوبے جس سے پاکستان کی زراعت اور معیشت وابستہ ہے کو یکدم ختم کر دیا گیا۔ عوام کو اس بات کی توقع بالکل نہیں تھی کہ نئی پارلیمنٹ کو اعتماد میں لائے بغیر منصوبے کو ناقابل عمل قرار دیا جائے گا اب جبکہ فضا میں اس بات کی بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے کہ بجٹ 09-2008ء میں ترقیاتی منصوبوں کی مد میں رقم کم مختص کی جا رہی ہے وہاں کالاباغ ڈیم کا منصوبہ ختم کرنا جلتی پر تیل کا کام دے رہی ہے کہ اس ڈیم کی عدم تعمیر سے ملک غذائی اور توانائی کے بحران کا شکار ہو جائے گا۔

بے نظیر کا خون کب رنگ لائے گا؟

27 دسمبر 2007ء پاکستانی تاریخ کا وہ یوم سیاہ ہے جس کے اثرات پاکستانی سیاست پر عرصے تک مرتب ہوتے رہیں گے۔ لیاقت باغ راولپنڈی میں قبل ازیں 1951ء میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھی گولی مار کر شہید کیا گیا تھا اور آج تک ان کے قتل کے اسباب و محرکات پر پردہ تنا ہے جو حکایات و واقعات سامنے آ رہے ہیں وہ ذاتی یادداشتوں کا شاخسانہ ہیں سرکاری طور پر اس ضمن میں کبھی کچھ نہیں کہا گیا۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد بھی یہی کہا جا رہا تھا کہ معمول کی کارروائیاں ضرور ہوں گی ممکن ہے کچھ زیادہ تیزی سے ہوں لیکن معاملات کو اتنا بگاڑ دیا جائے اور واقعات کو اس طرح گڈمڈ کیا جائے گا کہ مستقبل کا مورخ بعد از خرابی بسیار بھی اس راکھ کے ڈھیر سے کوئی چنگاری نہ کرید سکے۔

بے نظیر کی شہادت کے حوالے سے اب تک دنیا کے مختلف اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی رپورٹس کے مطالعے سے جس سازش کا تانا بانا سامنے آ رہا ہے اس کی تفصیلات بڑی لرزہ خیز ہیں۔ پاکستانی سالمیت کے دشمنوں کے عزائم پر نظر رکھنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ 27 دسمبر سے کچھ ہی روز پہلے بھارتی فوجیں رن کچھ اور بیار بٹ سیکٹر میں مشترکہ مشقیں کر رہی تھیں۔ چونکہ پاکستان میں آج کل روشن خیالی ترقی پسندی پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے اس لئے پاکستانی میڈیا نے بھی اسے ''روٹین کی خبر'' سے زیادہ اہمیت نہیں دی یوں بھی آج کل ہم بھارت دوستی کے چکر میں ایسی ''فضول باتوں'' پر توجہ نہیں دے رہے، وگرنہ سیاچن کو بطور تفریح گاہ متعارف کروانے کے بھارتی حکومت کے اقدام پر ہی کوئی لے دے کر لیتے۔ اس کے بعد چین اور برطانیہ کی طرف سے بھارت کو سلامتی کونسل کا ممبر بنانے پر آمادگی کا بھی ہماری صحت پر کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا۔

رحیم یار خان سے صادق آباد تک کا علاقہ جو بھارتی راجستھان کے سامنے آتا ہے میں یہ مشقیں جاری تھیں۔ سازشیوں کا خیال تھا کہ بے نظیر کی شہادت کے ردعمل سے وہ اپنے ناپاک منصوبے پر عمل کر لیں گے۔ یہ منصوبہ کچھ اس طرح تھا کہ جب معاملات اس نہج پر پہنچ جائیں جہاں سازشی اسے لے کر جا رہے تھے تو بھارتی فوجیں رحیم یار خان پہنچ کر کمیونیکیشن کاٹ دیں اور سندھ کا زمین سے راستہ کٹ جائے۔ اس گھناؤنی سازش پر عمل کیلئے بے نظیر بھٹو کی شہادت کے ساتھ ہی ملک میں خصوصاً سندھ میں انارکی شروع کروا دی گئی۔ حیرت کی بات ہے کہ صدمے سے بے حال عوام نے اچانک ریلوے لائنوں کو کاٹنا، گاڑیوں کو جلانا شروع کر دیا۔ جو لوگ انٹیلی جنس کی سائنس سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب کسی ملک کے ریلوے سسٹم کی توڑ پھوڑ شروع ہو تو یہ صرف احتجاج یا غصہ نہیں ہوتا۔ ہنگامہ آرائی، لوٹ مار، قتل و غارت گری میں دراصل وہ تربیت یافتہ دہشت گرد بھی سرگرم عمل ہو گئے جنہیں خصوصی ٹارگٹ دے کر اس گھناؤنی سازش کا حصہ بنایا گیا تھا۔ ان تربیت یافتہ دہشت گردوں نے ریلوے نظام کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ انتہائی مصدقہ اطلاعات کے مطابق مقامی آبادی نے بھی اس بات کا سختی سے نوٹس لیا کیونکہ دہشت گردان کیلئے اجنبی تھے۔ خوش قسمتی سے مقامی انتظامیہ نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے اور معاملات کو جرأت اور بہادری سے اس سطح تک نہیں پہنچنے دیا جہاں سازشیوں کو گرین سگنل مل

سکتا تھا۔

دوسری اہم وجہ اس سازش کی ناکامی کی میاں نواز شریف کا وہ دانشمندانہ فیصلہ ہے جو انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں کیا جب وہ اپنی جان پر کھیل کر جنرل ہسپتال راولپنڈی پہنچ گئے اور اس کے فوراً بعد انہوں نے پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ بے نظیر بھٹو ان کی بہن تھیں جس کے خون کا بدلہ ان پر فرض ہے۔ یہ بڑا اہم میسج تھا جو سندھ میں پہنچا جس کے بعد میاں صاحب تو فوراً نوڈیرو جا رہے تھے لیکن انہیں دو دن تک ان کی حفاظت کے پیش نظر آصف زرداری کی درخواست پر روکا گیا۔ میاں نواز شریف کے اس عمل نے مشتعل نوجوانوں کو یقین دلایا کہ ان کے دشمن پنجابی نہیں کوئی اور ہیں۔ دوسرا اہم بیان آصف زرداری کی وہ پہلی پریس کانفرنس ہے جس میں انہوں نے سختی سے پاکستان مخالف قوتوں کو ڈانٹا اور بتایا کہ بی بی کی حفاظت کے لئے مرنے والے ان کے پنجابی دوست اور بے نظیر کے جانثار تھے۔ اس صورتحال نے سازشیوں کو خاصا مایوس کیا اور یہ بھیانک سازش ناکام ہوئی۔ ورنہ خدانخواستہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے ساتھ دشمن قوتوں نے اور بھی بہت کچھ قربان کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اب حکومت ان تخریب کاروں کو ڈھونڈ رہی ہے جنہوں نے ریلوے تنصیبات تباہ کیں اور جن کا کسی کو علم نہیں۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد سیاسی قیادت کی دانشمندی نے ایک بڑے کرائسس کو ٹال دیا ہے ایک دوسرے کے خلاف گھٹیا الزامات اور بیان بازی کے بجائے سیاستدانوں خصوصاً پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن) اور اے پی ڈی ایم کی لیڈر شپ نے کمال دانشمندی سے اس سازش کو سمجھتے ہوئے ایک ہی بات کہی کہ یہ ملک دشمنوں کی کارروائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ طالبان اور بیت اللہ محسود نے کھل کر اس کی مذمت کی اور یقین دلایا کہ وہ کبھی ایسا مکروہ فعل نہیں کر سکتے بے نظیر بھٹو کبھی ان کی ہٹ لسٹ پر نہیں رہیں شاید وہ بھی پاکستانی عوام کو اصلی سازش کی طرف متوجہ کر رہے تھے جس کا ادراک اب سب کو ہونے لگا ہے۔

بے نظیر بھٹو نے اپنی شہادت کے بعد شائع ہونے والی کتاب ''ریکنسیلی ایشین: اسلام، ڈیموکریسی اینڈ دی ویسٹ'' میں لکھا ہے کہ طالبان کے بیت اللہ محسود، بن لادن کے فرزند حمزہ بن لادن کی سربراہی میں شدت پسندوں کے گروپ، اسلام آباد کی لال مسجد کے عسکریت پسند اور کراچی میں قائم ایک گروپ ان پر حملہ کر سکتے تھے۔ کتاب کے بعض حصے اتوار کو برطانیہ کے اخبار دی سنڈے ٹائمز نے شائع کیے ہیں جس میں محترمہ بے نظیر نے کہا ہے کہ اٹھارہ اکتوبر کو ہونے والے حملے سے پہلے مشرف حکومت اور ایک مسلم دوست ملک نے انہیں آگاہ کیا تھا کہ پاکستان میں ان کی جان کو خطرہ ہے اور چار خودکش بمبار دستے ان پر حملہ کرنے کو تیار ہیں۔ جن میں سے ایک خودکش بمبار دستے کی سربراہی اسامہ بن لادن کے بیٹے حمزہ بن لادن کریں گے۔ کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''جلاوطنی کے بعد جب میں پاکستان واپس آئی تھی تو مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں زندہ رہوں گی یا ماردی جاؤں گی۔ مجھے پتہ تھا جن عناصر نے میرے والد کا قتل کیا اور 1977ء میں ملک میں جمہوریت کا خاتمہ کیا، اب وہ اسی مقصد سے میری جان کے پیچھے ہیں۔'' ایک مسلم دوست ملک نے مجھ پر خودکش حملہ کرنے والوں کے نام اور موبائل نمبر بھیجے تھے۔ مجھے مشرف حکومت اور ایک مسلم دوست ملک نے بتایا تھا کہ چار خودکش بمبار دستے مجھ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ یہ حملے طالبان کے بیت اللہ محسود، حمزہ بن لادن، لال مسجد کے انتہا پسند اور کراچی میں واقع ایک عسکریت پسند گروپ کی قیادت میں کیے جائیں گے۔''

اٹھارہ اکتوبر کے حملے کے حوالے سے بے نظیر لکھتی ہیں ''مشرف حکومت کو مجھ پر ہونے والے حملوں کی خبر تھی۔ جو لوگ مجھے مار سکتے ہیں

ان کے نام اور نمبر بھی مشرف حکومت کے پاس تھے۔ اس کے علاوہ انہیں ان افراد کے نام بھی معلوم تھے جو خود ان کی پارٹی اور ان کے احباب میں تھے اور جو مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ میری تمام درخواستوں کے بعد بھی مشرف حکومت نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ میرے ملک آنے سے پہلے ان وارننگز سے متعلق کیا اقدامات کئے گئے ہیں۔''

اٹھارہ اکتوبر کے حملے کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بی بی نے لکھا ہے کہ انہیں شک ہے کہ جس آدمی کی گود میں بچہ تھا وہی حملہ کرنے والا پہلا خودکش حملہ آور تھا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا لاہور میں ایک میٹنگ میں مجھ پر حملے کی سازش رچی گئی تھی۔ رپورٹ کے مطابق ایک مخالف سیاسی جماعت کی طرف سے تین افراد کو اس حملے کو انجام دینے کے لئے پانچ لاکھ ڈالر دیئے گئے تھے۔ میرے ذرائع کے مطابق ان کے نام سجاد اور اعجاز ہیں اور تیسرے کا نام میں بھول رہی ہوں۔ محترمہ کی کتاب ابھی منظر عام پر نہیں آئی لیکن کتاب کے جو اقتباسات سنڈے ٹائمز میں شائع کئے گئے ہیں ان سے 18 اکتوبر کو ان پر ہونے والے حملے، 27 دسمبر کو ان کی ہلاکت اور مشرف حکومت کی طرف سے ان کی سکیورٹی میں کوتاہی سے متعلق تمام سوالات عالمی میڈیا میں ایک بار پھر اٹھنے لگے ہیں۔

انہوں نے لکھا کہ میں نے اپنے بچوں سے کہا ''ڈونٹ وری'' مجھے کچھ نہیں ہوا۔ خدا میری حفاظت کرے گا۔ یاد رکھو زندگی اللہ دیتا ہے' اللہ ہی واپس لیتا ہے۔ جب تک میرا وقت نہیں آیا میں محفوظ رہوں گی۔ پاکستان کے عوام کو میرے لئے ہمیشہ اولین ترجیح حاصل رہی ہے۔ میرے بچے اس حقیقت کو سمجھتے تھے انہوں نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ میری حوصلہ افزائی کی میں نے جب بچوں کو خدا حافظ کیا' مجھے یقین نہ تھا کہ ان کے چہرے دوبارہ دیکھ سکوں گی یا نہیں بے نظیر بھٹو نے کہا میں نہیں جانتی میں زندہ رہوں گی یا مر جاؤں گی مگر یہ ضرور جانتی ہوں کہ پاکستانی معاشرہ کے وہی عناصر جنھوں نے 1977ء میں میرے والد ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کیا اور پاکستان میں جمہوریت کو ختم کیا' تیس سال بعد میرے خلاف گٹھ جوڑ کر چکے ہیں۔ میرے والد کے عدالتی قتل کے ذمہ دار مشرف حکومت میں اقتدار میں ہیں اور انٹیلی جنس کے نظام میں شامل ہیں۔ میرے لئے اس سے زیادہ ڈرامائی بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ میرے والد کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے والے شخص کے بیٹے کو مشرف نے اٹارنی جنرل بنا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب میں نے گزشتہ سال 18 اکتوبر کو کراچی قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر قدم رکھا میں جذبات سے مغلوب ہو گئی' آٹھ سال کی کٹھن اور تنہا جلاوطنی کے بعد میں اپنے آنسوؤں پر قابو پا نہیں سکی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے کاندھوں سے بڑا بوجھ اتر گیا ہے' مجھے یہ محسوس ہوا جیسے میں آزاد ہو گئی ہوں' آخر کار میں اپنے وطن پہنچ گئی تھی' مجھے معلوم تھا مجھے کیا کرنا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے مطابق پاکستان میں انتہا پسندی 1970ء کی دہائی میں ضیا کی فوجی ڈکٹیٹر شپ سے شروع ہوئی۔ مشرف ڈکٹیٹر شپ میں انتہا پسند گروپ حشرات الارض کی طرح چھا گئے۔ میں اکثر یہ سوچ کر پریشان ہوتی ہوں کہ کیا ہم بطور ملک ٹوٹنے کے خطرہ سے بچ سکتے ہیں۔ 1996ء میں میری حکومت کی برطرفی کے بعد سے انتہا پسندوں نے پاکستان میں حکمرانی کے اسٹرکچر میں جڑیں قائم کر لی ہیں۔ پاکستان ایسے بھوسہ کی طرح ہے جو اچانک تیزی سے آگ پکڑ سکتا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستان میں انتہا پسند دوسرے اس وجہ سے نہیں ہے کہ پاکستانی لوگ زیادہ مذہبی ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انتہا پسندوں نے غریب والدین کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جو اپنے بچوں کے لئے بہتر زندگی کا خواب دیکھتے ہیں، غریب والدین اپنے بچوں کو نہ تعلیم دے سکتے ہیں نہ

خوراک، نہ کپڑے یہ بچے شدت پسندوں کے ہتھے چڑھ گئے۔انہوں نے کہا ہم اس ڈیٹا سے اچھی طرح واقف ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترکی سے پاکستان تک مسلم کمیونیٹیز میں مغرب سے نفرت اور مخالفت بڑھ رہی ہے اس کا ذمہ دار کبھی عراق کی جنگ کو قرار دیا جاتا ہے کبھی فلسطین کو مگر مسلمانوں کی اس صورتحال کا صرف مغرب ذمہ دار نہیں ہے' مسلم ورلڈ کو اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے۔ بے نظیر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میرے بچے یہ یاد رکھیں کہ میری زندگی میں خطرناک اور خوش گوار لمحات آتے رہے ہیں۔اگر میری زندگی نے وفا نہ کی تو وہ حالات سے نہ گھبرائیں بلکہ حالات کا مقابلہ جرأت مندانہ طریقے سے کریں۔ بے نظیر بھٹو نے مزید لکھا ہے کہ پاکستان میں آمرانہ قوتیں انہیں سیاست سے دور رکھنا چاہتی ہیں اور مجھے کچھ ہو گیا تو میرے بچے آمریت اور دیگر انتہا پسند قوتوں سے گھبرانے کی بجائے ان قوتوں کا مقابلہ کریں کیونکہ ان کی رگوں میں میرا ہی خون ہے۔ میرے باپ کو ایک ڈکیٹیٹر نے اپنی ہوس اقتدار کا نشانہ بنایا تھا اور موجودہ دور کا ایک ڈکیٹیٹر انتہا پسندوں سے مل کر مجھے سیاست سے دور رکھنا چاہتا ہے۔

کتاب میں انہوں نے اپنے بچوں کو تلقین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایسے زندگی گزاریں کہ ان کے کردار پر کوئی حرف نہ آئے کیونکہ بھٹو خاندان کی تاریخ خون سے لکھی گئی ہے جبکہ ڈکیٹیٹروں کی تاریخ سیاہ ہے' کتاب میں عراق جنگ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ یو این او کی اجازت کے بغیر عراق میں فوج کشی کر کے سب سے بڑی غلطی کی گئی تھی اور صرف صدام حسین کو ہٹانے کے لئے لاکھوں افراد کا قتل عام کیا گیا۔امریکہ عراق جنگ سے وہ مقاصد حاصل نہیں کر سکا جو وہ توقع کرتا تھا بلکہ اس جنگ سے دہشت گردی مزید بڑھی ہے۔

بے نظیر کی شہادت کا بہترین انتقام غیر جانبدار اور شفاف الیکشن کے لئے سیاسی حکومت کا قیام تھا۔ایسی حکومت جو اپنے عوام کو ان محرومیوں سے نجات دلانے کا عزم جو ایک سازش کے تحت ان کا مقدر بنائی جا رہی ہیں۔تحمل اور برداشت کے ساتھ صورتحال کا مقابلہ کیا جائے اور ملکی سلامتی پر کسی بھی سطح پر کمپرومائزنہ کیا جائے۔پاکستانی عوام نے 18 فروری 2008ء کے الیکشن میں یہ انتقام لیا،لیکن بدقسمتی سے محترمہ کے خون کے صدقے برسراقتدار آنے والی حکومت نے ابھی تک کوئی وعدہ پورا نہیں کیا۔

صدر کا مواخذہ

طویل اعصاب شکن مرحلہ بالآخر ختم ہوا اور نواز شریف زرداری مذاکرات کی کامیابی کی نوید ملی حکمران اتحاد کی طرف سے مشترکہ اعلامیہ سامنے آیا جس میں کہا گیا کہ صدر کا مواخذہ ہوگا جس کے فوراً بعد 2 نومبر والی عدلیہ بحال ہو جائے گی۔ میاں نواز شریف جب لندن سے گزشتہ دنوں واپس آئے تو انہوں نے ایئرپورٹ پر پہلا بیان یہی دیا تھا کہ اس مرتبہ وہ فیصلہ کن مذاکرات کریں گے اور ان کی بات نہ مانی گئی تو حکومتی اتحاد ختم ہو جائے گا۔ مذاکرات کے آغاز کے ساتھ ہی صدارتی محل میں ہونے والی سازشیں اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگیں مذاکرات کے آغاز سے پہلے ہی یہ واویلا شروع ہو گیا کہ مذاکرات ناکام رہیں گے۔ فاروق ایچ نائیک سے منسوب یہ بیان جاری ہوا کہ انہوں نے ججوں کو صدر کے سامنے حلف اٹھانے کی تلقین کی ہے۔ سندھ کے 8 ججوں کی بحالی کی خبریں جاری ہوئیں حیرت انگیز طور پر یہ خبریں غلط ثابت ہوئیں فاروق نائیک نے کہا کہ انہوں نے کبھی صدر کے سامنے حلف لینے کی بات نہیں کی اور نہ ہی سندھ کے آٹھ ججوں نے صدر کے سامنے حلف دیا۔ تین روز تک جاری رہنے والے اس اعصاب شکن سیاسی ڈائیلاگ کا اختتام رات گئے آصف زرداری کی طرف سے بڑے پر جوش لہجے میں پڑھے گئے مشترکہ بیان سے ہوا جس کا متن یہ ہے۔

حکمران اتحاد کے گزشتہ 3 دنوں تک جاری رہنے والے مشترکہ اجلاسوں میں اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ جمہوری قوتیں حقیقی جمہوریت کی جانب پیشرفت کے لئے مل کر کام کریں گی۔ اتحاد نے یہ بات محسوس کی کہ 18 فروری 2008ء کو پاکستان کے عوام نے جمہوری قوتوں کے حق میں واضح مینڈیٹ دیا اور جنرل مشرف کو نکالنے کے لیے ان کی کنگز پارٹی کو شکست دے کر تبدیلی کے حق میں ووٹ دیئے گئے۔ ان کے واضح وعدے کے باوجود کہ اگر ان کی جماعت کو انتخابات میں شکست ہوئی تو وہ استعفیٰ دے دینگے۔ وہ بدستور صدر کے منصب صدارت پر برقرار ہیں۔ انہوں نے اپنے اٹارنی کے ذریعے سپریم کورٹ کے سامنے واضح الفاظ میں وعدہ کیا تھا کہ وہ منتخب اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لیں گے۔ جس میں وہ ناکام رہے ہیں۔ وہ آئین کے آرٹیکل 56 کے تحت نئی پارلیمنٹ سے بھی خطاب کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

جنرل مشرف نے اپنے 8 سالہ دور کے دوران جن پالیسیوں پر عمل کیا ہے وہ پاکستان کو انتہائی نازک بحران کے کنارے پر لے آئی ہیں۔ ان کی پالیسیوں کی ناکامی نے ملک کو تاریخ کے بجلی کے بدترین بحران میں دھکیل دیا ہے۔ ان کی پالیسیوں نے وفاق کو کمزور کیا ہے اور قوم کے قومی اداروں پر اعتماد کو متزلزل کیا ہے۔ وہ کنگز پارٹی کی ملی بھگت سے جمہوریت کی جانب پیشرفت کو نقصان پہنچانے کے لئے مصروف عمل رہے ہیں جسے پاکستان کی عوام نے مسترد کر دیا تھا۔ متذکرہ بالا وجوہات اور نئی منتخب اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لینے میں ان کی ناکامی کے پیش نظر اتحاد کی قیادت اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ جنرل مشرف کے خلاف آرٹیکل 47 کے تحت مواخذہ کی کارروائی ناگزیر ہو چکی ہے۔

متذکرہ بالا مقصد کے حصول کے لئے نو منتخب چاروں صوبائی اسمبلیاں جو صدر کے انتخاب کے لئے الیکٹورل کالج ہیں میں قرارداد یں

پیش کی جائیں گی جو اس مطالبے پر مبنی ہوں گی کہ جنرل مشرف سپریم کورٹ سے کیے گئے وعدے کے مطابق فوراً اعتماد کا ووٹ لیں۔ اتحاد نے مزید فیصلہ کیا ہے کہ فوری طور پر مواخذہ کی کارروائی شروع کرے گا۔ حکمران اتحاد کی قیادت جنرل مشرف کے خلاف ایک چارج شیٹ پیش کرے گی۔

اجلاس نے میثاق جمہوریت پر عملدرآمد کرنے کے عزم کا بھی اظہار کیا اور ملک کو آئینی حکمرانی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے مل کر کام کرنے کی ضرورت کا بھی احساس کیا ہے۔ اس کے علاوہ آئین کی بالادستی' عدلیہ کی آزادی' قانون کی حکمرانی اور منڈلاتے ہوئے اقتصادی بحران سے نکلنے کے لئے مل کر کام کرنے کا اظہار کیا۔ اقتصادی بحران اتحاد کو 31 مارچ 2008ء کو ورثے میں ملا۔ اس کے علاوہ قیمتوں میں اضافے کو روکنے' بیروزگاری' غربت اور لوڈشیڈنگ کو کنٹرول کرنے کے لئے ٹھوس کوششوں کی ضرورت پر زور دیا۔

اتحاد نے فاٹا اور صوبہ سرحد میں کشیدگی کی صورتحال سے نمٹنے پر بھی اتفاق کیا' اس ضمن میں پارلیمنٹ میں اتفاق رائے سے مرتب کی گئی پالیسیوں کو بروئے کار لایا جائے گا۔

حکمران اتحاد کی قیادت نے ملک میں حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لیے ٹھوس عزم کا اظہار کیا جس میں میثاق جمہوریت کے مطابق 17 ویں ترمیم کی منسوخی سرفہرست ہے تاکہ ملک میں 1973ء کے آئین پر مبنی حقیقی وفاقی پارلیمانی نظام کی بحالی ممکن ہو سکے۔

اعلان مری کے مطابق ججوں کی بحالی کے اتحاد کے فیصلے کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے پاکستان پیپلز پارٹی نے پاکستان مسلم لیگ (ن) کو کابینہ میں دوبارہ شامل ہونے کی استدعا کی ہے۔

اعلامیہ سے پہلے صدر چین تشریف لے جا رہے تھے لیکن اب نہیں جا رہے۔ انہوں نے اپنے دیرینہ دوست جمع کر لئے ہیں اس وقت صدارتی محل میں ہونے والی سازشیں نقطہ عروج کو چھو رہی ہیں۔ شریف الدین پیرزادہ نے صدارتی محل میں ڈیرے ڈال لئے ہیں ملک قیوم ان کی معاونت کے لئے موجود ہیں اور چودھری شجاعت کا فرمانا ہے کہ صدر 58۔ ٹو بی کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صدر کے پاس اسمبلی کی تحلیل یا ایمرجنسی کا نفاذ کے آپشن موجود ہیں لیکن پاکستان میں تمام فیصلے صدر اور وزیراعظم اپنی مرضی سے نہیں کیا کرتے امید کی جانی چاہئے کہ عوامی طاقت کے سامنے صدارتی محل کی سازشیں دم توڑ جائیں گی۔

ادھر اتحادی حکومت کی گزشتہ 5 ماہ کی کارکردگی نے عوام کو شدید مایوس کیا ہے۔ عوام صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے 9 اور مسلم لیگ ق کے 5 سالہ دور کے بعد ملک میں جمہوری ماحول' عدلیہ کی آزادی' قانون کی حاکمیت اور اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل چاہتے تھے' لیکن 18 فروری کے بعد آنے والی حکومت کو ایک جانب جہاں بحران میں گرفتار ملک ملا وہاں اتحاد کے درمیان بعض معاملات پر شدید اختلافات بھی دیکھنے کو ملے جس میں معزول ججوں کی بحالی اور صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ کرنا نمایاں ہے۔ وکلاء کی تحریک بھی برابر حکومت پر دباؤ ڈالتی رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام مہنگائی کے ہوشربا اضافے توانائی کے بحران' امن وامان کی خراب صورتحال اور سیاستدانوں کی ناقص کارکردگی سے انتہائی مایوس ہوئے۔ دوسری جانب حکمران اتحاد نے اس عرصہ میں لاکھ اختلافات کے باوجود اسمبلی توڑنے کی سازش ناکام رکھی۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی قیادت نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر صدر کے مواخذے' صدارت سے علیحدگی اور معزول ججوں کی بحالی کے حوالے سے مذاکرات' بات چیت جاری رکھی۔ اعلانات بھی ہوئے اور معاہدے بھی' یقین دہانی بھی کی گئی اور وعدہ خلافی بھی ہوتی رہیں' نئے اتحادی پیدا کرنے

کی کوشش بھی کی گئی اور حکومت سے علیحدگی کی دھمکی بھی دیتی رہی' ایوان صدر معاملات کو قریب سے دیکھنے لگا تو واشنگٹن انتظامیہ بھی معاملات "سلجھانے" کی کوشش کرتی رہی۔ غرض 18 فروری سے 8 اگست 2008ء کے درمیان حکمران اتحاد کی جماعتوں میں کئی طرح کے اتار چڑھاؤ دیکھنے کو ملے۔ ذیل میں ہم 4 جماعتی اتحاد کے اس عرصے میں ہونے والی ملاقاتوں' مذاکرات، بات چیت اور گفتگو کا تاریخی طور پر جائزہ لیں گے۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات کے فوری بعد کسی بھی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہ ہوسکی جس پر اکثریتی نشستیں حاصل کرنے والی جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے مخلوط حکومت بنانے کا ارادہ کیا۔ جبکہ ماضی میں آمریت کے خلاف ہونے والی جدوجہد کے بعد ان کا ویسے بھی اکٹھے رہنا ضروری ہوگیا تھا اس سلسلے میں 21 فروری 2008ء کو اسلام آباد میں میاں محمد نواز شریف اور آصف علی زرداری، اسفندیار ولی خان کی زیر قیادت تینوں جماعتوں کا اجلاس ہوا' جس میں تینوں پارٹیوں نے مل کر حکومت بنانے پر اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ بے نظیر کے قتل کی تحقیقات اقوام متحدہ سے کرانے پر اتفاق ہوا' عدلیہ کی بحالی کے لئے جوائنٹ ڈیکلریشن پر دستخط کیے گئے جس کا طریقہ کار پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا گیا۔ اس موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے مینڈیٹ کا احترام کرتے ہیں ان کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے' مشرف عوام کا فیصلہ جتنا جلدی سمجھ جائیں اچھا ہوگا۔ آصف علی زرداری نے کہا کہ قومی اتفاق رائے سے حکومت بنانا چاہتے ہیں پارلیمنٹ کے اندر اور باہر جمہوری قوتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ بلوچستان میں عام معافی کا اعلان کیا جائے گا۔ وزیر اعظم کا فیصلہ پیپلز پارٹی کرے گی جبکہ اسفندیار ولی خان کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ چلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

23 فروری تک حکومت سازی کا مرحلہ کافی آگے تک بڑھ چکا تھا اس کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم بننے کے لیے امین فہیم نے لابنگ کرنا شروع کردی تھی۔ اس دن پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری اور پیپلز پارٹی پارلیمنٹری کے صدر مخدوم امین فہیم کے درمیان اسلام آباد میں ملاقات ہوئی جس کے بعد مخدوم امین فہیم نواز شریف سے ملنے کے لیے اسی دن مری چلے گئے جہاں پر دونوں رہنماؤں کے درمیان عدلیہ کی بحالی اور کابینہ کی تشکیل کے موضوع پر مذاکرات ہوئے۔ اسی دن زرداری سے مختلف سیاسی اور نومنتخب آزاد ارکان نے ملاقاتیں کیں اور حکومت میں شامل ہونے کے حوالے سے بات چیت کی۔ منظور وٹو نے پنجاب اور انور سیف اللہ نے سرحد کی وزارت اعلیٰ کے لیے ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔

27 فروری کو پیپلز پارٹی' مسلم لیگ (ن) اور عوامی نیشنل پارٹی کی پارلیمانی پارٹیوں کا اہم مشترکہ اجلاس اسلام آباد میں ہوا جہاں آصف علی زرداری کی جانب سے نومنتخب ارکان کے اعزاز میں ظہرانہ دیا گیا ظہرانہ میں پی پی پی' ن لیگ اور اے این پی نے 171 ارکان کی عددی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قومی اسمبلی کا اجلاس فوری طور پر بلانے کا مطالبہ کیا ججوں کی پارلیمنٹ کے ذریعے بحالی پر تینوں جماعتوں میں اتفاق پایا گیا اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی۔ اس موقع پر مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف نے کہا تھا کہ ہم دو تہائی اکثریت کے قریب پہنچ گئے ہیں لہٰذا صدر پرویز مستعفی ہوجائیں فوج کا سیاست سے کردار ختم کریں گے اب تینوں جماعتوں کا مشترکہ پارلیمانی اجلاس ہوا کرے گا۔ آصف علی زرداری کا کہنا تھا کہ عوامی مینڈیٹ کی حامل جماعتوں کا اکٹھا ہونا بے نظیر بھٹو کے خوابوں کی تعبیر ہے ہم پارلیمنٹ کی بالادستی اور اسٹیبلشمنٹ کے لئے متحد ہیں۔ اسفندیار ولی نے دوٹوک انداز میں کہا کہ ممکن ہے جسے ہم مصلحت سمجھیں وہ قوم کے نزدیک بے غیرتی ہو عوامی اکثریت دکھانے کا یہ عمل

مرکز سے صوبہ پنجاب میں اس وقت منتقل ہوا جب مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں محمد شہباز شریف نے 8 مارچ کو لاہور میں عشائیہ دیا۔ جس میں پنجاب کی سطح پر حکومت سازی کے لیے پیپلز پارٹی نے مسلم لیگ (ن) کی حمایت کی۔ 274 نو منتخب ارکان صوبائی اسمبلی کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شہباز شریف نے کہا کہ عدلیہ کی آزادی پر ہم سب کا اتفاق ہے جبکہ شاہ محمود قریشی نے کہا کہ اختلافات کے باوجود مل کر چلنے کا فیصلہ کیا ہے۔

عام انتخابات کے بعد اتحادی جماعتوں کا دوسرا بڑا اہم اجتماع مارچ میں بھوربن میں ہوا جس میں معزول ججوں کی بحالی اور حکومت سازی کے حوالے سے انتہائی اہم فیصلے کیے گئے اور بعد میں یہی مذاکرات دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے درمیان اختلافات کا باعث بنا۔ 9 مارچ کو اعلان مری پر دستخط کیے گئے یہ وہ تاریخ ہے جس پر ایک سال قبل 2007ء میں چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو عہدے سے ہٹا کر صدارتی ریفرنس دائر کیا گیا تھا۔ اعلان مری میں درج تھا کہ نئی حکومت کے بننے کے ایک ماہ (یعنی 30 دن) کے اندر ججوں کو بحال کیا جائے گا۔ مسلم لیگ (ن) مرکز میں وزارتیں لے گی۔ وزارت عظمیٰ کا حق پیپلز پارٹی کو دیا گیا' قومی اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر پیپلز پارٹی جبکہ پنجاب میں مسلم لیگ (ن) کے ہوں گے۔ آصف علی زرداری نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مشرف عوامی فیصلہ تسلیم کریں' ہم عوامی توقعات پر پورا اتریں گے' پہلا ریلیف بنیادی ضروریات کے حوالے سے دیں گے' سانحہ کراچی جیسے واقعات کی جوڈیشل انکوائری ہوگی' تمام معزول ججوں کو اکاموڈیٹ کریں گے۔ نواز شریف نے اس موقع پر کہا کہ ججوں کی بحالی پارلیمنٹ میں قرارداد کے ذریعے ہوگی' ہمیں ایسا پاکستان دے کر احسان جتلایا جا رہا ہے جہاں مہنگائی اور بے روزگاری عروج پر ہے۔ مشرف جلد انتقال اقتدار منتقل کر دیں' اسی میں ان کی بہتری ہے۔ خارجہ پالیسی مل کر بنائیں گے' بے نظیر کے قتل جیسے معاملات پر باہم مشاورت سے فیصلے کریں گے' وزارت عظمیٰ کے مضبوط امیدوار اور پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کے صدر مخدوم امین فہیم اس انتہائی اہم مذاکرات میں شریک نہیں ہوئے تھے جبکہ ان کا کہنا تھا کہ میں مصروف نہیں تھا مجھے مری مذاکرات کے لیے بلوایا ہی نہیں گیا۔

14 مارچ کو اسلام آباد کے سیاسی منظر نامے میں کچھ اہم ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ مخدوم امین فہیم نمبر گیم بنانے کے لئے مختلف قائدین سے ملاقاتیں کرتے ہیں جبکہ آصف علی زرداری ان سے تیسرے روز ملنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ دوسری جانب اسفند یار ولی خان بھی ملنے سے معذرت کر دیتے ہیں جبکہ مخدوم امین اور فضل الرحمٰن کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر مخدوم صاحب کی جانب سے یہ بیان سامنے آتا ہے کہ انہوں نے فضل الرحمٰن سے وزارت عظمیٰ کے لیے مدد نہیں مانگی' سیاست کی بساط بچھی ہے اس پر کون کیسے چلتا ہے' چند روز میں واضح ہو جائے گا' جسے وزیر اعظم بننے کا شوق ہے وہ میدان میں آ جائے' توقع ہے کہ زرداری میرے علاوہ کسی اور کو وزارت عظمیٰ کی نشست کے لیے نامزد نہیں کریں گے۔

قومی اسمبلی میں حلف اٹھانے کے اگلے روز یعنی 18 مارچ کو اسلام آباد میں نئے حکمران اتحاد کا پہلا اجلاس ہوا جس میں وزارتوں کی تقسیم کا فارمولا طے پایا گیا' جبکہ جے یو آئی (ف) نے بائیکاٹ کر کے اپنے مطالبات منوائے۔ وزارت کی تقسیم کے فارمولے کے حوالے سے اتحادی جماعتوں کو 6 نشستوں پر ایک وزارت ملنا طے پایا جبکہ وفاقی کابینہ کو 3 مراحل پر تشکیل دینے کا فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا کہ پہلے 20 وزراء کا حلف اور محکموں کا اعلان نئے وزیر اعظم کریں گے۔

اسی طرح سینٹ میں نمائندگی کی بنیاد پر جے یو آئی (ف) کو اضافی وزارت دینے کا فیصلہ ہوا۔ مذاکرات کے بعد صحافیوں سے بات کرتے ہوئے شیری رحمٰن نے کہا کہ واک آؤٹ کی خبریں درست نہیں' قبائلی اراکین اسمبلی سے کابینہ کی تشکیل کے اگلے مرحلے میں بات چیت

ہوئی۔ سینٹ میں قائد ایوان رضا ربانی نے اظہار خیال کے دوران کہا کہ حکومتی اتحاد کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے چیلنجوں کا مل کر مقابلہ کریں گے۔ مسلم لیگ (ن) کے چوہدری نثار نے کہا کہ عدلیہ کی آزادی کی خاطر صدر مشرف سے حلف لیں گے' 26 مارچ کو آصف علی زرداری امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کو لاہور فون کرتے ہیں جس میں قاضی حسین احمد نے فرد واحد کی بجائے فیصلے پارلیمنٹ کے ذریعے کرنے کے اعلانات کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے کہا کہ نئی حکومت نے ملکی خودمختاری کو ترجیح دی تو تعاون کریں گے۔ آصف علی زرداری اور نواز شریف نے امریکی وفد کو پیغام دے کر قومی جذبات کی ترجمانی کی۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے قائدین پارلیمنٹ کی بالادستی' ججوں کی بحالی اور صدر پرویز مشرف کے مستقبل کے حوالے سے 30 مارچ کو رائے ونڈ لاہور میں ملے جہاں نواز شریف اور آصف علی زرداری میں نظام کی تبدیلی اور پارلیمنٹ کی بالادستی کے حوالے سے اتفاق پایا گیا۔ اس ملاقات میں یہ طے پایا گیا کہ میاں شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب ہوں گے اور 10 دن میں خزانے کی بیلنس شیٹ جاری کی جائے گی۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف علی زرداری نے کہا تھا کہ عدلیہ کا بحران اتنا بڑا نہیں جتنا بنایا جا رہا ہے وقت آنے پر ڈاکٹر قدیر کا مسئلہ بھی حل کیا جائے گا۔ نواز شریف کا موقف تھا کہ آئین توڑنے والے عوامی مینڈیٹ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جبکہ بنیادی ایشوز پر ہمارے پیپلز پارٹی سے زیادہ اختلافات نہیں ہیں۔ البتہ متحدہ قومی موومنٹ (MQM) پر تحفظات دور نہیں ہوئے ہیں۔

آصف علی زرداری جو عام انتخابات کے بعد سب کو ساتھ لے کر چلنے کی پالیسی پر گامزن تھے اور جنہوں نے اپنی سب سے بڑی مخالف جماعت مسلم لیگ (ن) تک سے غیر فطری اتحاد کر لیا تھا نے 2 اپریل کو کراچی میں ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر جا کر سب کو حیران کر دیا۔ اس موقع پر نائن زیرو میں زرداری پر زبردست گل پاشی کی گئی اور دونوں جماعتوں کے قائدین کے لئے جئے "بھٹو" جئے بے بینظیر اور جئے الطاف کے نعرے لگائے گئے' زرداری اور الطاف نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا اور مل کر پاکستان کو بچانے کا عہد کیا۔ اطراف کے رہنماؤں نے ملکی صورتحال کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی۔ الطاف حسین نے اس موقع پر کہا کہ اب ہماری محبت کی روشنی کے مزید چراغ جلیں گے' آصف علی زرداری کا نائن زیرو آمد پر دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتا ہوں آئندہ ہمیں لڑانے اور ملک کے خلاف ہر سازش کرنے والوں کو ناکام بنا دیں گے۔ آصف زرداری نے الطاف حسین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ دوستی کا یہ پودا آئندہ تناور درخت بنے گا۔

اپریل میں اسلام آباد میں حکمران اتحاد کے قائدین کے درمیان مذاکرات کے دو دور ہوئے' پہلا دور 15 اپریل کو ہوا جس میں نواز شریف اور آصف زرداری کے مابین ججوں کی بحالی کے حوالے سے بات چیت ہوئی مگر یہ بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی۔ دوسرا دور 21 اور 22 اپریل کو ہوا۔ 21 اپریل کو ہونے والی ملاقات پنجاب ہاؤس میں ساڑھے 3 گھنٹے تک جاری رہی۔ جس میں نواز شریف کی معاونت شہباز شریف' راجہ ظفر الحق' چودھری نثار علی خان' ظفر اقبال جھگڑا اور احسن اقبال نے کی۔ جبکہ آصف زرداری کے پاس اس موقع پر فاروق ایچ نائیک شیری رحمٰن و دیگر افراد تھے۔ دونوں جماعتوں کی قیادت میں اس موقع پر الگ ملاقات بھی ہوئی۔ تاہم دونوں میں ججوں کی بحالی کے لیے قرارداد پر اتفاق رائے نہ ہو سکا اور ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر اور بحالی تاریخ پر ڈیڈ لاک پیدا ہو گیا۔ جبکہ آئینی پیکج اور قرارداد کے مسودے پر بھی اتفاق نہیں ہو سکا۔ مسلم لیگ (ن) کے صدیق الفاروق نے کہا کہ مذاکرات ناکام نہیں نامکمل تھے، اور کل پھر یہ جاری رہیں گے ادھر پیپلز پارٹی کے فرحت اللہ بابر نے کہا کہ ججوں کی بحالی کے مسئلے پر دونوں جماعتوں میں اتفاق ہے۔ اگلے روز یعنی 22 اپریل کو پنجاب ہاؤس میں ایک مرتبہ پھر مذاکرات کے لیے تیاریاں کی گئیں اطراف

کے قائدین کے درمیان بات چیت کا عمل 2 گھنٹے تک جاری رہا۔ جس میں نواز شریف اور آصف علی زرداری نے علیحدہ ملاقات بھی کی۔ تاہم دونوں رہنماؤں میں اس بات پر اتفاق پایا گیا کہ ججوں کی بحالی اعلان مری کے مطابق ہوگی۔ اس سلسلے میں قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کے لیے کمیٹی قائم کی گئی جس نے خفیہ مقام پر اجلاس بھی منعقد کیا۔ مذاکرات کے اختتام پر قائد مسلم لیگ (ن) نے کہا کہ ڈائیلاگ میں رکاوٹ ہوسکتی ہے ڈیڈ لاک نہیں۔ قرارداد جلد اسمبلی میں لائی جائے گی اور کمیٹی ٹائم فریم دے گی۔ اتحاد توڑنے کی کوشش کرنے والے عناصر ناکام ہوں گے۔ ادھر زرداری کا کہنا تھا کہ میں الٹی گنتی کے خلاف ہوں، کمیٹی تمام پہلوؤں کا جائزہ لے گی اور چیف جسٹس کی مدت ملازمت پر بھی فیصلہ کرے گی۔

اپریل میں ہی معزول کردہ ججوں کی بحالی کے حوالے سے پہلی بار غیر ملکی سرزمین، دبئی میں 28 اپریل کو آصف علی زرداری اور شہباز شریف کے مابین بات چیت ہوئی۔ قوم یہ تمام حالات بڑی خاموشی اور مایوسی سے دیکھ رہی تھی کہ کس طرح پاکستان کے خالصتاً اندرونی مسئلے کو بیرون ملک لے جا کر نا صرف دنیا بھر میں پاکستان کو نشانہ بنایا جا رہا ہے بلکہ قومی خزانے کو بھی بیدردی سے ضائع کیا جا رہا ہے۔ تاہم ججوں کی بحالی کے مسئلے پر دبئی مذاکرات کے پہلے روز ہی یہ عمل ڈیڈلاک کا شکار ہوگیا۔ مسلم لیگ (ن) نے پیپلز پارٹی کی جانب سے دی گئی ڈیڈلائن میں توسیع کی تاریخ سے اتفاق نہیں کیا جبکہ (ن) لیگ کی طرف سے قرارداد یا ایگزیکٹو آرڈر (انتظامی حکم) کے ذریعے ججوں کی بحالی پر اصرار برقرار رہا۔ ان مذاکرات میں دونوں جماعتوں کے بیچ ججوں کی مدت ملازمت پر بھی اختلافات سامنے آئے مذاکرات کے بعد اطراف کے قائدین نے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو اس سارے عمل سے دور رکھا جس پر میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد نے احتجاج کیا جبکہ بعض ماہرین نے اس موقع پر کہا کہ حالات اگر یونہی جاری رہے تو اتحاد کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

اپریل کے آخر میں نواز شریف کے دبئی جانے پر نواز آصف مذاکرات کا ایک اور مرحلہ 30 اپریل کو شروع ہوا۔ یہ مذاکرات 7 گھنٹے تک جاری رہے، جس میں ججوں کا مسئلہ سرفہرست تھا تمام ایشو پر فریقین کے درمیان ملاقات ہوئی۔ چوہدری نثار علی خان نے اس موقع پر کہا کہ کچھ قانونی معاملات حل طلب ہیں اور ہم مذاکرات کے حوالے سے کافی پر امید بھی ہیں ججوں کی بحالی میں دو چار روز کی تاخیر کوئی بڑا مسئلہ نہیں تاہم بحال ضرور ہوں گے۔ دبئی مذاکرات کا حتمی راؤنڈ یکم مئی کو ہوا جس میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کے چوٹی کے قائدین نے حصہ لیا۔ مذاکرات کے بعد نواز شریف کی جانب سے یہ بات سامنے آئی کہ جج قرارداد سے بحال ہوں گے وہ مذاکرات سے مطمئن ہیں اور عوام خوشخبری سنیں گے۔ تاہم انہوں نے مذاکرات کے دوران واک آؤٹ کا تاثر سختی سے مسترد کر دیا۔ اس موقع پر آصف علی زرداری نے کہا کہ کل یعنی 2 مئی کو لاہور میں میاں نواز شریف کی پریس کانفرنس کے بعد وہ اپنا موقف پیش کریں گے۔ نواز شریف ہمارے لیڈر ہیں اور لیڈر ہمیشہ پہلے بات کرتے ہیں تاہم ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ہماری پوزیشن وہی ہے جو پہلے تھی۔ اس موقع پر میاں شہباز شریف، فاروق ایچ نائیک، شیری رحمٰن اور رحمان ملک نے بھی مذاکرات کی کامیابی کی بات کی۔ لاہور کی پریس کانفرنس میں میاں نواز شریف نے ججوں کی بحالی کے لیے 12 مئی کی تاریخ کا اعلان کیا اور کہا کہ اگر ایسا نہ ہوسکا تو ان کی جماعت وزارتیں چھوڑ دے گی۔ 12 مئی سے قبل اچانک میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری لندن جاتے ہیں اور 9 مئی کو مذاکرات کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے تاکہ وکلاء اور سول سوسائٹی کی جانب سے ججوں کی بحالی کے حوالے سے دباؤ کو کم کیا جا سکے عوام ویسے بھی مہنگائی سے سخت پریشان تھے اور 100 دن کے پیکج کے ذریعے انہیں کوئی ریلیف نہیں مل رہا تھا۔ ادھر لندن مذاکرات بے نتیجہ ثابت ہوئے۔ نواز شریف اتحادی جماعت سے

سخت نالاں تھے انہوں نے مذاکرات کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ زرداری نے وقت مانگا ہے 12 مئی تک انتظار کریں گے۔ ساری سیاست مشرف نے کھیلی ق لیگ بھی ذمہ دار ہے ان سے مل کر ملک سنوارا نہیں جا سکتا ہم نے پی سی او ججوں کو ماننے کی کڑوی گولی ججوں کی بحالی کے لیے نگلی میں آج بھی مزید بات چیت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے درمیان پایا جانے والا اختلاف رائے دور نہیں ہو سکتا ہم قرارداد اور ایگزیکٹو آرڈر کا انتظار 12 مئی تک کریں گے پھر وفاق کی مخلوط حکومت سے الگ ہونے کا فیصلہ کریں گے میاں نواز شریف نے مزید کہا کہ میں نے زرداری پر واضح کر دیا کہ مذاکرات کی ناکامی سے ایوان صدر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ آصف علی زرداری نے البتہ مذاکرات سے قبل صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حکمران اتحاد قائم رہے گا قوم جلد خوشخبری سنے گی۔

اسی دوران لندن ہی میں 10 مئی کو میاں شہباز شریف' آصف علی زرداری' خواجہ آصف' رحمان ملک اور حسین حقانی میں ملاقات ہوئی جس میں ججوں کی بحالی پر بات ہوئی تاہم ڈیڈ لاک ختم نہیں ہو سکا۔ آصف علی زرداری نے اس موقع پر کہا کہ کچھ لوگوں نے بھوربن (مری) معاہدہ ججوں کی بحالی تک محدود کر دیا ہے۔ 28 مئی کو آصف علی زرداری اور نواز شریف اسلام آباد میں ملتے ہیں لیکن ان کی یہ ملاقات بھی گزشتہ ملاقاتوں کی طرح بے نتیجہ رہی اور اختلافات برقرار رہے۔ تاہم دونوں رہنما صدر کے اختیارات وزیر اعظم کو منتقل کرنے پر متفق تھے اور چیف جسٹس کی مدت 5 سال کرنے پر مشروط رضامندی بھی دیکھنے کو ملی اس موقع پر نواز شریف نے صدر پرویز مشرف کے فوری مواخذے کا مطالبہ بھی کیا۔ 3 جون کو زرداری ہاؤس اسلام آباد میں آصف علی زرداری اور مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں شہباز شریف کے درمیان بات چیت ہوتی ہے لیکن اطراف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور ججوں کی بحالی پر اختلافات برقرار رہے۔ البتہ آئینی پیکج کا جائزہ لینے کے لیے مشترکہ کمیٹی بنانے پر اتفاق پایا گیا۔

جون میں مذاکرات کے اوپر تلے دو دور ہوئے جو 18 اور 20 تاریخ کو رائے ونڈ میں میاں محمد نواز شریف اور آصف علی زرداری کی سربراہی میں ہوئے تاہم ججوں اور صدر کے مواخذے کے حوالے سے فریقین کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکے۔ مسلم لیگ (ن) کے اپنی اتحادی پارٹی کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے حوالے سے اپنے تحفظات سے آگاہ کیا جبکہ آصف علی زرداری نے مسلم لیگ (ن) کو دوبارہ وزارتیں قبول کرنے کو کہا۔

المختصر، انتخابات کے بعد سے عوامی توقعات کے برعکس نہ ججوں کو بحال کیا گیا اور نہ ہی صدر مشرف کے مواخذے کے حوالے سے کوئی قابل عمل طریقہ کار اپنایا گیا۔ اتحادی جماعتوں میں سے کوئی اسے حل کرنے میں سنجیدہ ہے اور کوئی اسے روایتی سیاست کی نظر کر کے اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ این آر او اور بدعنوانی کے مقدمات سے بری ہونے میں کس نے فائدہ اٹھایا اور کس کو نقصان ہوا یہ قوم بہتر جانتی ہے، لیکن ان سب سے ہٹ کر وکلاء برادری' سول سوسائٹی اور عوام آج بھی آزاد عدلیہ' قانون کی بالادستی' صدر کے مواخذے اور آزاد خارجہ پالیسی کے خواہاں ہیں تاکہ وہ پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بنتا دیکھ سکیں۔

صدر کو اہم مسائل کا سامنا ہے

آج پاکستان میں طویل آمریت کے بعد صدر کا الیکشن ایک جمہوری حکومت کے تحت ہونے جا رہا ہے گو کہ امیدواروں کی لسٹ میں مشاہد حسین اور جسٹس (ر) سعید الزمان صدیقی بھی شامل ہیں لیکن آصف علی زرداری کی کامیابی بظاہر یقینی دکھائی دے رہی ہے۔ کیونکہ نمبر گیم میں بہر حال وہ آگے ہیں لیکن زیادہ بہتر ہوتا اگر ملک کا صدر بھی وزیر اعظم کی طرح غیر متنازعہ ہوتا اور انہیں پارلیمنٹ کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر آصف زرداری پیپلز پارٹی کے امیدوار ہیں کیونکہ مسلم لیگ (ن) حکومتی اتحاد سے ججوں کی بحالی کے مسئلے پر علیحدگی کر چکی ہے میاں نواز شریف نے اس علیحدگی کا سبب آصف علی زرداری کی مسلسل وعدہ خلافی قرار دیا جبکہ آصف علی زرداری کا کہنا تھا کہ یہ کوئی قرآن و حدیث نہیں اس مرحلے پر دونوں طرف سے اور اتحاد کی دوسری جماعتوں کی طرف سے بہت کوشش کی گئی کہ مسلم لیگ (ن) اپنا فیصلہ واپس لے لے لیکن میاں نواز شریف اس پر رضا مند نہیں ہوئے۔ انہوں نے آصف علی زرداری کے ذاتی فون کے جواب میں انہیں کہا کہ وہ اب بہت دور آ چکے ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں جبکہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا کہنا ہے کہ ججوں کی بحالی کے بعد وہ پھر مسلم لیگ (ن) کو حکومتی اتحاد میں شمولیت کی دعوت دیں گے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اس دعوت کو میاں نواز شریف قبول کرتے ہیں یا نہیں البتہ یہ خبر سامنے آ چکی ہے کہ ان کے خلاف نیب کے کیس دوبارہ کھولے جا رہے ہیں اور جلد ہی انہیں عدالت میں طلب کیا جائے گا جبکہ حکومت کا کہنا ہے کہ میاں برادران کے خلاف نیب کی اس کارروائی میں ان کا ہاتھ نہیں نہ ہی حکومت نے کوئی ایسی ہدایت جاری کی ہے۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ حکومت نیب کا ادارہ ختم کرنے کا اعلان کر چکی ہے لیکن اس پر عمل درآمد میاں صاحبان کے خلاف کیس شروع ہونے کے بعد ہوگا یا اس سے پہلے اس کا فیصلہ بھی حکومت نے کرنا ہے۔

سید مشاہد حسین جو خود بھی صدارتی امیدوار ہیں آصف علی زرداری کو متعدد مرتبہ قومی سطح پر مناظرے کا چیلنج دے چکے ہیں جو انہوں نے ابھی تک قبول نہیں کیا جبکہ مشاہد حسین کا کہنا ہے ایسے مناظرے جمہوری روایت ہیں اور آصف علی زرداری کو مباحثے کی دعوت قبول کرنی چاہئے۔

اب اگر ہم ملکی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پاکستان کے قیام کے بعد ریاست کے سربراہ کے لیے گورنر جنرل جبکہ حکومت کے سربراہ کے لئے وزیر اعظم کا عہدہ قائم کیا گیا تھا۔ ملک میں 1935ء کا انڈین ایکٹ نافذ تھا۔ گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناحؒ، خواجہ ناظم الدین، غلام محمد اور سکندر مرزا کے بعد 23 مارچ 1956ء کو ملک کا پہلا آئین نافذ ہونے پر پاکستان میں پارلیمانی نظام حکومت کا آغاز ہوا۔ ملک کے آخری گورنر جنرل سکندر مرزا (6 اکتوبر 1955ء تا 23 مارچ 1956ء) نے دستور پر دستخط ہی اس شرط پر کئے کہ انہیں ملک کا پہلا صدر بنایا جائے گا۔ سکندر مرزا اس طرح سے ملک کے پہلے صدر بنے جو بغیر انتخابات کے نامزد ہوئے ان کا دور صدارت 23 مارچ 1956ء سے 27 اکتوبر 1958ء پر محیط ہے۔ اس دوران انہیں 4 وزرائے اعظم کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا جن میں چوہدری محمد علی، حسین شہید سہروردی، ابراہیم اسماعیل چندریگر اور محمد ایوب خان شامل

ہیں۔ سکندر مرزا کا تعلق ری پبلکن پارٹی سے تھا جو پاکستان کی اوائل کی سیاست میں بادشاہ گر کا کردار ادا کرتی رہی۔

پاکستان میں پہلا مارشل لاء 7 اکتوبر 1958ء کو لگا 27 اکتوبر کو ایوب خان نے سکندر مرزا کو لندن بیدخل کر کے اقتدار پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ ایوب خان نے 27 اکتوبر 1958ء سے 25 مارچ 1969ء تک ملک پر حکمرانی کی۔ انہوں نے 1962ء میں صدارتی آئین اور بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا۔ 2 جنوری 1965ء کو ملک میں پہلا صدارتی انتخاب ہوا۔ ایوب خان کو کنونشن مسلم لیگ جبکہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو حزب اختلاف کی جماعتوں کی حمایت حاصل تھی۔ صدر کا انتخابی حلقہ 80 ہزار بنیادی جمہوریتوں کے ارکان تھے جنہیں دھونس، دھاندلی اور لالچ کے ذریعے ایوب خان کے حق میں ووٹ ڈالنے پر مجبور کیا گیا بالآخر ایوب خان 50 ہزار ووٹ حاصل کرنے میں ''کامیاب'' رہے انہیں کل ووٹوں میں سے 62 فیصد پڑے جبکہ محترمہ فاطمہ جناحؒ 28,691 ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

صدارتی انتخاب کے بعد پاکستان بھارت جنگ چھڑ گئی دوسری جانب عوامی دباؤ نے ایوب خان کے اقتدار کو کمزور کرنا شروع کر دیا جس پر 25 مارچ 1969ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے اقتدار قومی اسمبلی کے سپیکر کے سپرد کرنے کی بجائے جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیا جو 20 دسمبر 1971ء تک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر حکمرانی کرتے رہے۔ ان کے دور میں ہی پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے۔

سقوط ڈھاکہ اور جنرل یحییٰ خان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے پہلے سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ اس عرصے میں نورالامین وزیراعظم کے عہدے پر فائض رہے۔ 14 اگست 1973ء کو ملک میں تیسرا آئین نافذ ہونے پر ذوالفقار علی بھٹو نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا جبکہ چوہدری فضل الٰہی کو پارلیمنٹ نے بطور صدر منتخب کیا۔ چودھری فضل الٰہی کا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی سے تھا وہ 70ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے بعد میں انہیں سپیکر بنا دیا گیا جہاں سے وہ بطور صدارتی امیدوار سامنے آئے۔

جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو شب خون مارا تاہم انہوں نے 16 ستمبر 1978ء تک فضل الٰہی کو بطور صدر کام کرنے دیا اس کے بعد جنرل ضیاء نے صدر، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے بیک وقت اپنے پاس رکھ لئے۔ ضیاء الحق نے دسمبر 1984ء کو صدارتی ریفرنڈم منعقد کیا اور قوم سے اسلام کے نام پر ووٹ لے کر اگلے 5 سال کے لئے صدر کا عہدہ سنبھال لیا تاہم 17 اگست 1988ء کو بہاولپور کے قریب وہ فضائی حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

ضیاء کی وفات کے بعد چیئرمین سینٹ غلام اسحاق خان نے قائم مقام صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ نومبر 1988ء میں عام انتخابات ہوئے اور اس کے بعد صدارتی انتخاب کا مرحلہ طے پایا جس میں غلام اسحاق خان نے 446 ووٹوں میں سے 348 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی۔ ان کے مدمقابل امیدوار نوابزادہ نصراللہ خان نے 91، احمد جعفر نے 6، جبکہ ملک نوروز نے 1 ووٹ حاصل کیا۔

بے نظیر کی حکومت کے بعد نواز شریف برسر اقتدار آئے 1993ء میں صدر اور وزیراعظم کے اختلافات میں شدت آ گئی جس کے باعث دونوں کو یکے بعد دیگرے مستعفی ہونا پڑا۔ غلام اسحاق کا دور صدارت 17 اگست 1988 سے 18 جولائی 1993ء پر محیط ہے۔ غلام اسحاق خان کے بعد چیئرمین سینٹ وسیم سجاد نے 18 جولائی 1993ء سے 14 نومبر 1993ء تک بطور قائم مقام صدر کی حیثیت سے کام کیا۔

صدارتی انتخابات نومبر 1993ء کے دنگل میں پیپلز پارٹی کی طرف سے فاروق احمد خان لغاری جبکہ مسلم لیگ کی جانب سے وسیم سجاد سامنے آئے۔ انتخابی نتائج کے مطابق فاروق لغاری کو 274 ووٹ جبکہ وسیم سجاد کو 168 ووٹ ملے۔ الیکشن میں نوابزادہ نصر اللہ خان، نواب اکبر بگٹی اور افتخار حسین گیلانی نے ایک ایک ووٹ حاصل کیا۔ پارلیمنٹ میں لغاری نے 170 اور وسیم سجاد نے 108 ووٹ حاصل کیے۔ پنجاب میں لغاری کو 24 اور وسیم سجاد کو 17 ووٹ ملے۔ سرحد اسمبلی میں سنسنی خیز مقابلے کے بعد وسیم سجاد کو 20 ووٹوں کی برتری حاصل ہوئی۔ لغاری 19 ووٹ حاصل کر سکے۔ سندھ اسمبلی میں لغاری کو 39 جبکہ وسیم سجاد کو صرف 1 ووٹ ملا، 7 ارکان غیر حاضر رہے۔ بلوچستان میں مقابلہ برابر رہا۔ دونوں امیدواروں کو 21-21 ووٹ ملے۔ صدارتی انتخابات میں اسلامی فرنٹ اور فنکشنل لیگ کے ارکان نے حصہ نہیں لیا۔ پارلیمنٹ میں قاضی حسین احمد، پروفیسر خورشید احمد، پیر پگارو، ہوتی، جاموٹ، چترالی، فتح اللہ اور خدا بخش ووٹ نہ ڈالنے والوں میں شامل تھے۔ حلف برداری کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے نومنتخب صدر نے کہا کہ میں مداخلت کار صدر نہیں بنوں گا، ایوان صدر سازشوں کا مرکز نہیں ہوگا بلکہ یہاں سے جمہوریت کو تقویت ملے گی۔

فاروق لغاری 14 نومبر 1993ء سے 2 دسمبر 1997ء تک صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کے دور صدارت میں بے نظیر بھٹو، ملک معراج خالد اور نواز شریف بطور وزیر اعظم آئے۔ صدر اور وزیر اعظم میں ایک بار پھر اختلافات پیدا ہونے کے باعث لغاری کو استعفیٰ دینا پڑا۔ 2 دسمبر 1997ء کو صدارت سے استعفیٰ دیتے ہوئے فاروق لغاری نے ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی تقرری کا نوٹیفکیشن واپس لینے کی سمری بھیجی تھی لیکن میں نے ایسا کرنے کی بجائے استعفیٰ دینے کو ترجیح دی۔ چیف جسٹس کی عدم موجودگی میں بغاوت کو جنم دیا گیا۔ میں کوشش کرتا رہا کہ بحران حل ہو جائے اس کے لیے دوسرے ذرائع بھی استعمال کیے۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ پر حملہ کے لیے میں نے آدمی نہیں بھیجے بلکہ یہ حکومت کے غنڈے ہیں جنہوں نے عدلیہ پر حملہ کیا وہاں ڈانس کیا اور نعرے لگائے۔ بینظیر کی طرح نواز شریف کی بھی یہ کمزوری تھی کہ وہ زیادہ اختیارات چاہتے تھے۔ اخبارات اور لوگ کہتے رہے کہ میں آئینی کردار ادا کروں لیکن میں نے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کیں۔ وزیر اعظم نے 2 مرتبہ صدر بننے کی بات کی لیکن میں نے تجویز مسترد کر دی۔ فاروق لغاری نے مزید کہا کہ حکومت نے جس طرح ججوں کو تقسیم کیا اس طرح کل کو ایک کمانڈر اٹھ کر کہہ دے گا کہ وہ آرمی چیف کو نہیں مانتا۔ لغاری کے بعد چیئر مین سینٹ وسیم سجاد ایک بار پھر قائم مقام صدر بن گئے ان کی دوسری مدت 2 دسمبر 1997ء سے یکم جنوری 1998ء پر محیط ہے۔

یکم جنوری 1998ء سے 20 جون 2001ء تک صدر کے عہدے پر سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج محمد رفیق تارڑ براجمان رہے۔ انہیں پاکستان مسلم لیگ نواز کی حمایت حاصل تھی صدارتی الیکشن میں رفیق تارڑ کو 374، پیپلز پارٹی کے آفتاب شعبان میرانی کو 58 جبکہ جمعیت علمائے اسلام کے مولانا شیرانی کو 22 ووٹ ملے۔ حلیم صدیقی اور قطب الدین مسلم لیگ نواز کے متبادل امیدوار تھے انہیں بالترتیب 2 اور 1 ووٹ ملا۔ رفیق تارڑ نے قومی اسمبلی اور سینٹ سے 243 ووٹ حاصل کیے جبکہ میرانی کو یہاں سے 39 ووٹ ملے۔ شیرانی کو 2 کیپٹن حلیم صدیقی کو 2 جبکہ سندھ سے خواجہ قطب الدین کو ایک ووٹ ملا۔ تارڑ کو پنجاب اور سرحد کے برابر ووٹ ملے۔ پنجاب میں 235 ارکان نے رفیق تارڑ 3 نے میرانی، دو نے

شیرانی کو ووٹ دیا جبکہ اعظم طارق اور اویس لغاری نے ووٹ نہیں ڈالا۔ سندھ میں تارڑ کو 69 اور بلوچستان میں 26 ارکان کے ووٹ ملے۔

رفیق تارڑ کے صدر منتخب ہونے پر مغربی سفارتکار خوش نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بارلیش صدر کے انتخاب سے پاکستان پر بنیاد پرستی کے الزامات رد کرنے کی کوششوں کو تقویت نہیں ملے گی۔ تارڑ نے ضیاء الحق کے ریفرنڈم کی تصدیق کر کے جمہوریت کے خلاف کام کیا۔ انہیں رائے ونڈ کا مجاہد اور بنیاد پرست بھی کہا جاتا رہا۔ ادھر رفیق تارڑ نے حلف اٹھانے کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے اس تاثر کو کچھ اس طرح زائل کرنے کی کوشش کی کہ میں تنگ نظر نہیں نہایت لبرل ہوں اور کسی عورت کو برقعہ نہیں پہناؤں گا۔

12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی منتخب حکومت ختم کر کے اقتدار سنبھالا تاہم صدر رفیق تارڑ کو 20 جون 2001 تک کام کرنے دیا گیا۔ اس عرصے میں جنرل پرویز مشرف نے چیف ایگزیکٹو کے اختیارات استعمال کیے۔ تارڑ کے جانے کے بعد ان کے پاس صدر کا عہدہ بھی آ گیا تاہم اس کو قانونی حیثیت دلوانے کے لئے جنرل پرویز مشرف نے 30 اپریل 2002ء کو ملک بھر میں ریفرنڈم کا انعقاد کیا۔ ریفرنڈم میں 97.95 فیصد ووٹ جنرل مشرف کے ''حق'' میں آئے۔ حکومتی ذرائع کے مطابق پنجاب میں 98 فیصد، سندھ میں 99، سرحد میں 95، بلوچستان میں 98 جبکہ فاٹا میں 94 فیصد عوام نے ان کے حق میں ووٹ کاسٹ کیا۔ وائس آف امریکہ کے مطابق پنجاب میں ووٹوں کا ٹرن آؤٹ 10 فیصد تھا جبکہ بی بی سی کے مطابق ملک بھر میں ووٹروں کی بہت کم تعداد پولنگ سٹیشن پر گئی۔ واضح رہے کہ اس ریفرنڈم میں ووٹر کی کم از کم عمر 18 سال رکھی گئی تھی اور اسے شناختی کارڈ نہ ہونے کے باوجود بھی ووٹ ڈالنے کی سہولت حاصل تھی۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی انتخابی مہم میں قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ملک کو ترقی کی جانب لے جائیں گے اور اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

6 اکتوبر 2007ء کو صدارتی انتخابات کا یک طرفہ دنگل ایک بار پھر سجا اس وقت کی حکمران مسلم لیگ (ق) کے پارٹی اجلاس میں جنرل پرویز مشرف کو وردی سمیت 10 بار منتخب کرنے کے لئے قراردادیں پاس ہوتی رہیں۔ اس صدارتی انتخابات میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے مدمقابل جسٹس (ر) وجیہہ الدین اور پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے چیئرمین امین فہیم نمایاں امیدوار تھے۔ تاہم پیپلز پارٹی نے آخری وقت میں انتخابات کا بائیکاٹ کر لیا اور اس کی بڑی وجہ صدارتی انتخابات سے ایک روز قبل متنازعہ قومی مفاہمت آرڈیننس (N.R.O) کا اجراء تھا۔ الیکشن کا حزب اختلاف کی جماعتوں نے بائیکاٹ کیا اور ایوان میں نعرے لگائے۔ کیونکہ جنرل پرویز مشرف کی اہلیت کے حوالے سے عدالت عظمیٰ میں پٹیشن داخل کی گئی تھی اور اپوزیشن کو فاضل عدالت کے فیصلے کا انتظار تھا۔ تاہم انتخابات مقررہ دن پر ہوئے جس میں جنرل پرویز مشرف 386 ووٹ لے کر ایک مرتبہ پھر پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ سپریم کورٹ کے حکم کے تحت ان کی کامیابی کا نوٹیفکیشن الیکشن کے متعلق دائر درخواستوں کے فیصلے کے بعد جاری کیا گیا۔ آئینی فارمولے کے تحت مشرف کو قومی اسمبلی اور سینیٹ سے 252 پنجاب سے 44 سندھ سے 39 بلوچستان سے 33 اور سرحد سے 18 ووٹ ملے ہیں۔ چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ر) قاضی محمد فاروق کے مطابق قومی اسمبلی کے کل 342 میں سے 199 ارکان جبکہ سینیٹ کے 100 میں سے 58 ارکان نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ اس طرح پارلیمنٹ میں مجموعی طور پر 257 ووٹ ڈالے گئے۔ ان میں سے مشرف کو 252 ووٹ ملے۔ دو ووٹ وکلاء کے امیدوار جسٹس (ر) وجیہہ الدین کو ملے جبکہ تین ووٹ مسترد کر دیے گئے۔

صدارتی انتخابات کے بارے میں آئینی فارمولے کے مطابق پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سینیٹ اور قومی اسمبلی اور بلوچستان اسمبلی کے فی رکن کا فی ووٹ گنا جاتا ہے۔ جبکہ دیگر اسمبلیوں میں کاسٹ ہونے والے ووٹوں کو 65 سے ضرب دے کر متعلقہ صوبائی اسمبلی کی کل نشستوں سے تقسیم کیا گیا۔ بلوچستان اسمبلی کے کل 65 ارکان ہیں۔ بلوچستان ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کے اعلان کے مطابق وہاں کل 33 ووٹ کاسٹ ہوئے جو مشرف کو ملے۔ فارمولے کے مطابق 33 ووٹ ہی گنے گئے لاہور ہائی کوٹ کے چیف جسٹس اور پنجاب اسمبلی میں پریزائیڈنگ افسر کے مطابق 371 کے ایوان میں 257 ووٹ کاسٹ کیے گئے جن میں سے ایک ووٹ مسترد کر دیا گیا۔ تین ووٹ وجیہہ الدین اور 253 صدر مشرف کو ملے۔ آئینی فارمولے کے مطابق پنجاب میں مشرف کے ووٹ اصل میں 44 گنے گئے۔ سرحد کے پریزائیڈنگ افسر پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے اور ان کے اعلان کے مطابق 124 ارکان پر مشتمل ایوان میں 34 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے مشرف کو 31 اور ایک ووٹ وجیہہ الدین کو ملا جبکہ دو ووٹ مسترد ہو گئے۔ مشرف کو ملنے والے 31 ووٹ فارمولے کے مطابق 18 گنے گئے۔ سندھ میں 168 ارکان کے ایوان میں 104 نے ووٹ کا استعمال کیا جن میں سے مشرف کو 102 ووٹ ملے اور آئینی فارمولے کے مطابق انہیں ڈالے جانے والے ووٹوں کی تعداد 39 تھی۔ چاروں صوبائی ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان نے پریزائیڈنگ آفیسر کے فرائض انجام دیئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں ووٹوں کی گنتی کے موقع پر وزیر اعظم شوکت عزیز، وفاقی وزراء اور حکومتی ارکان کی بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے نتیجے کا اعلان ہوتے ہی ''پرویز مشرف زندہ باد'' کے نعرے لگائے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ حکومت کی جانب سے کفیلہ قتل کیس میں ملوث سابق وزیر مملکت شاہد صدیقی کو ووٹ ڈالنے کے لیے پروڈکشن آرڈر پر لایا گیا۔ ملکی و غیر ملکی میڈیا اور یورپی مبصرین کی نگرانی میں بیلٹ بکس کھولے گئے اور ان کے سامنے گنتی مکمل کی گئی۔ سب سے پہلے شیخ رشید نے اسمبلی سے باہر آ کر غیر سرکاری نتیجے سے آگاہ کیا۔

پرویز مشرف کا 6 اکتوبر 2007ء کے صدارتی الیکشن میں منتخب ہونا اس حوالے سے بھی منفرد تھا کہ وہ پاکستان کے پہلے حاضر چیف آف آرمی سٹاف تھے۔ جنہوں نے سویلین صدر کے طور پر اپنا انتخاب پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں سے کروایا۔ انہوں نے کل ووٹوں کا 55 فیصد حاصل کیا۔ جنرل پرویز مشرف کی کامیابی پر ق لیگ کے اہم قائد اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی نے بڑے فخریہ طور پر کہا تھا کہ ہم نے جنرل پرویز مشرف کو باوردی منتخب کروانے کا عہد پورا کر دیا اور قوم اس پر خوش ہے۔ مشرف واحد شخص ہے جو پاکستان کو آگے بڑھا سکتے ہیں ادھر امریکی میڈیا نے جنرل پرویز مشرف کے انتخاب پر کہا اور لکھا کہ صدر پرویز کی کامیابی ''بدصورت فتح'' ہے۔ جبکہ جنرل مشرف کا کہنا تھا کہ عدالتی فیصلہ خلاف آیا تو دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ تاہم اس الیکشن کے ذریعے جنرل (ر) پرویز مشرف کو مزید 5 سال تک صدر رہنے کا اختیار دے دیا گیا۔

15 نومبر 2007ء کو قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کی آئینی مدت پوری ہونے کے بعد 8 جنوری 2008ء کی تاریخ عام انتخابات کے لیے مقرر کی گئی تاہم بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے اوپر تلے آنے سے ملکی فضا میں ہلچل پیدا ہوئی۔ جنرل پرویز مشرف وردی اتارنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے فوج کی کمان جنرل اشفاق پرویز کیانی کے سپرد کر دی۔ 3 نومبر کو ملک میں ایمرجنسی لگائی گئی۔ 27 دسمبر 2007ء کو بے نظیر بھٹو ایک

قاتلانہ حملے میں شہید ہوگئیں۔ انتخابات کی تاریخ بدل کر 18 فروری 2008ء کردی گئی جس میں مسلم لیگ ق کو شکست ہوئی جبکہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) بڑی جماعتوں کی صورت میں سامنے آئیں جنہوں نے بعد میں 4 جماعتی اتحاد بنا کر مخلوط حکومت قائم کی۔ اس عرصے میں حکومت کو ججوں کو بحال کرنے اور مشرف کے مواخذے کے حوالے سے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ جس پر بالآخر 18 اگست 2008ء کو کمانڈو جرنیل پرویز مشرف نے ہتھیار ڈال دیئے اور چیئرمین سینٹ میاں محمد سومرو نے قائم مقام کی حیثیت سے حلف اٹھالیا۔

22 اگست کو الیکشن کمشن نے صدارتی انتخابات کے شیڈول کا اعلان کردیا جس کے مطابق یہ انتخابات آج 6 ستمبر یوم دفاع والے دن ہو رہے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کا اتحاد چونکہ 25 اگست کو ٹوٹ چکا تھا لہٰذا اس الیکشن میں دونوں جماعتوں نے اپنے الگ الگ امیدوار کھڑے کیے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی جانب سے پی پی پی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری' مسلم لیگ (ن) کی جانب سے سابق چیف جسٹس سعید الزمان صدیقی اور مسلم لیگ (ق) کی طرف سے سینیٹر مشاہد حسین سید صدارتی امیدوار ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ مخالفین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بڑے شائستہ انداز میں کارڈ کھیل رہے ہیں دیکھنا اب یہ ہے کہ آج ایوان صدر کے نئے مکین کے لیے ہما کس کے سر بیٹھتا ہے۔

ابو انیس حضرت صوفی برکت علی قدس سرہ

ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں انسانوں کا آنا جانا لگا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اقبالؒ نے ''کن فیکون'' سے اس صفت کو واضح کیا ہے۔ بنیادی طور پر تخلیق کائنات کا مقصد کیا ہے۔ اس پر مختلف آرا ہو سکتی ہیں لیکن نظام کائنات کو چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کا انتخاب خود فرماتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ دراصل وہ اللہ کے مقرب ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

کارگرو کار آفرین کارکشاو کارساز

یہ اللہ کے وہ انعام یافتہ بندے ہوتے ہیں جن کی سوچ اور عمل پر مکمل اختیار مالک ارض وسما کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ دراصل کسی مشن پر دنیا میں آتے ہیں اور اپنا کام مکمل کر کے چلے جاتے ہیں لیکن ان کے جانے کے بعد بھی ان کی تعلیمات کے سبب ان کے صحبت یافتہ لاکھوں بندگان خدا ہی نہیں بلکہ راہ ہدایت کے متلاشی بھی ہدایت پاتے رہے ہیں۔ اس طرح ان کا فیض ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے۔ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے بظاہر عام انسانوں کی زندگی جیتے ہیں لیکن ان کا ہر عمل خلاق کائنات کے احکامات کے تابع اور اس کی مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہوتا ہے۔

برصغیر پاک وہند کو بطور خاص یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ یہاں رشد وہدایت کے یہ آفتاب وقتاً فوقتاً طلوع ہوتے اور اپنی ضیا پاشیوں سے زندگی کے اندھیروں میں اجالا کرتے رہے۔ ایسی مقدس ہستیوں میں ایک اہم نام شیخ طریقت عظیم المرتبت حضرت ابو انیس محمد برکت علی لدھیانوی قدس سرہ العالیہ کا ہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خالق کی عبادت اور خلق خدا کی خدمت اور رہنمائی میں گزرا۔ مروجہ پیری فقیری نظام سے ہٹ کر آپ نے خانقاہی نظام کو نئی جہت عطا فرمائی۔ پیروں اور مشائخ کی طرح آپ نے کبھی اپنا ٹھکانہ محلات کو نہیں بنایا ساری زندگی جھونپڑی میں ڈیرہ لگایا اور فقر غیور کی حقیقی تصویر بن کر زمانے بھر کے بادشاہوں کو اپنے در کا گدا بنا لیا۔ آپؒ نے اپنے کردار وعمل سے لاکھوں بے راہروں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کرنے کا عملی نمونہ پیش کر کے انسان کی بڑائی کا معیار دنیاوی جاہ وحشمت کے بجائے تقویٰ بتایا اور کر کے دکھایا۔ صوفی برکت علیؒ کا شمار ان فقید المثال اللہ کے برگزیدہ اولیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے کبھی زبانی کلامی تبلیغ نہیں کی بلکہ کردار و عمل کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ جو کوئی ایک مرتبہ ان کے آستانے تک گیا ان کا ہی ہو کر رہ گیا۔ آپؒ نے فیصل آباد کے نزدیک مرکز علم وعرفان دارالاحسان میں نصف صدی تک رشد وہدایت کی شمع جلائے رکھی۔ سمندری روڈ پر کیمپ دارالاحسان میں آپ کا مزار اقدس آج بھی مرجع خلائق ہے کیونکہ آپؒ فرماتے تھے کہ میری زندگی میں بھی کوئی اس فقیر کے نام پر غلط کام نہیں کرے گا اور موت کے بعد بھی ایسا ممکن نہیں ہوگا اور یہ سچ آج سر

چڑھ کر بول رہا ہے۔ آج بھی آپ کا چشمہ فیض جاری ہے اور کسی کو آپؒ کے نام نامی پر اپنی دکان سجانے کا حوصلہ نہیں ہوا جن لوگوں نے ایسا کرنا چاہا ان کی دکان اگلے روز بند ہوگئی۔

آپؒ کا نام نامی محمد برکت علی، کنیت ابوانیس اور لقب باواجی سرکار ہے۔ آپؒ بروز جمعرات 27ربیع الثانی 1329ء بمطابق 27اپریل 1911ء برھمی ضلع لودھیانہ میں دھاریوال جٹ خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی نگاہی بخش اور والدہ محترمہ جنت بی بی تھیں۔ آپؒ مادرزاد ولی تھے۔ آپؒ کی والدہ نیک خاتون تھیں جو حضور اقدس ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا کرتیں۔ والد ماجد بھی نہایت صالح اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ فوج میں ملازم تھے۔ آبائی پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ اہل اللہ سے محبت اور خدمت ان کا وطیرہ تھا۔ اکثر ایک مجذوب کی خدمت میں حاضری دیتے جس نے شادی سے بھی قبل آپؒ کی آمد کی خوشخبری ان الفاظ میں دے دی تھی: ''نگاہیا' تیری قسمت میں تو کچھ نہیں البتہ تیرے ہاں ایک لڑکا ہوگا' بڑا زبردست'' یہ پیشین گوئی آپؒ کی ولادت باسعادت سے پوری ہوئی۔ آپؒ کے دادا کے دادا باباجی دندوشاہؒ درویش الورا بھی صاحب حال بزرگ تھے۔ دریائے ستلج کے کنارے (وندے) رہا کرتے' اسی مناسبت سے دندوشاہ کہلائے۔ ان کا مزار مندر ملیک نامی گاؤں میں ہے۔ والد ماجد برھمی میں اور والدہ ماجدہ آدھی کوٹ ضلع خوشاب میں محوِ استراحت ہیں۔ طبیعت بچپن ہی سے نیکی کی طرف راغب تھی۔ سنجیدہ اور خلوت پسند تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر مروجہ تعلیم کے حصول کے لئے ہلواڑہ جانے لگے۔ گاؤں کی پہلی مسجد کی تعمیر کی سعادت بھی آپؒ کے حصے میں آئی۔ آپ کا زیادہ وقت وہیں تلاوت قرآن کریم اور ذکروفکر میں گزرتا۔ سولہ سال کی عمر میں آپؒ کی شادی کر دی گئی۔ زوجہ محترمہ کا نام برکت بی بی تھا جو نہایت سادہ طبیعت' نماز روزہ کی پابند اور خدمت گزار تھیں۔ ان کو سرکارؒ نے ''مخدومہ دارالاحسان'' کے لقب سے نوازا۔ آپؒ کے والد ماجد کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا بھی میری طرح فوج میں شامل ہو اور بڑا افسر بنے۔ جب اسی خواہش کے حصول کی خاطر 9 اپریل 1930ء کو باباکریر والا نے سفارش کی اور صوبیدار پاکر سنگھ راجوآنہ فوج میں بھرتی کروانے کے لئے لے کر گئے تو عجیب بات ہوئی کہ کسی بھی میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ کے بغیر کیپٹن ڈاکٹر ایم این اے کھنہ نے دیکھتے ہی سیلیکٹ کر لیا۔ ابتدا میں آپؒ بوائے کمپنی کے لئے موزوں سمجھے گئے۔ بعد میں انڈین آرمی سپیشل ایجوکیشن کورس پاس کر کے وائی کیڈٹ منتخب ہوئے اور کور ہیڈکوارٹر میں نہایت اہم اور حساس ذمہ داری پر متعین کیے گئے۔ کور کمانڈر جنرل وچ آپؒ کی باوقار شخصیت کے بڑے مداح تھے اور آپ کو اپنا دوست گردانتے۔ عام جوانوں میں بھی آپؒ کے ظاہری حسن اور نیک نفسی کے چرچے عام تھے۔ ملازمت کا زیادہ عرصہ رُڑکی چھاؤنی میں گزارا۔ وہاں کا کور کمانڈر نظم وضبط کی پابندی اور پیشہ ورانہ فرائض کی بجا آوری کی بدولت آپ سے بہت خوش تھا۔ آپؒ کی سیرت وکردار کی مثالیں دیا کرتا اور نہ صرف عزت واحترام سے پیش آتا بلکہ آپ کی تقلید میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ دن کے وقت کھانے سے باز رہتا۔ آپؒ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت ذکرالٰہی میں مستغرق رہتے۔ خود فرمایا کہ ''وہ انگریزی راج میں ایک کور کمانڈر کے اہلمد تھے۔ انتہائی مصروفیت اور بے پناہ ذمہ داری کے باوجود بلاناغہ ہر روز نیم روز سے پہلے گیارہ ہزار مرتبہ اسماء الحسنیٰ اور نیم روز کے بعد بارہ ہزار مرتبہ اسماء النبیؐ باقاعدگی سے پڑھا کرتے۔'' رُڑکی کینٹ میں قیام کے دوران روزانہ پیدل پیران کلیر شریف حاضری دیتے۔ افسران بالا اس امر سے آگاہ تھے مگر وہ کبھی مزاحم نہ ہوئے۔

آپؒ روزِ اول سے اللہ کے سپاہی تھے۔ مظاہرِ قدرت کی طرح وقت کی پابندی کرتے۔ فرماتے ''تیرے لئے یہ ضروری ہے کہ تو گھڑی کی طرح چلے۔ تیری چابی کبھی بند نہ ہو اور تو کبھی نہ رُکے اور نہ ہی تجھے کوئی روک سکے اور تیرے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تو یہ نہ کرے اور یہ نہ کرے۔''

آپؒ نے شاہ ولایت حکیم امیر الحسن سہارنپوریؒ کے ہاتھ پر 19 ربیع الثانی 1363ھ بروز جمعرات پیران کلیر شریف میں بیعت فرمائی۔

قیامِ پاکستان سے دو سال قبل ہی اس عظیم منصب کی تربیت شروع ہوگئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو لوگوں کی رشد و ہدایت اور دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ تقسیمِ ہند کے بعد آپؒ 27 اگست 1947ء کو پاکستان تشریف لائے اور متعدد جگہوں سے ہجرت کرتے ہوئے ضلع فیصل آباد میں سالار روالا ریلوے سٹیشن کے قریب ڈیرہ لگالیا۔ یہ رقبہ آپؒ کو اپنے والد مرحوم کی زرعی اراضی کے عوض ملا تھا۔ یہ جگہ آپؒ کی تشریف آوری سے قبل ایک ویران جنگل تھا۔ یہاں آپؒ نے مسلسل 40 سال لگاتار جدوجہد کی۔ شب و روز ذکر و فکر، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ اور خدمتِ خلق میں مصروف رہے حتیٰ کہ یہ جگہ ذکرِ الٰہی کی صداؤں سے گونجنے لگی اور طالبانِ حق جوق در جوق یہاں پہنچنے لگے۔ اس جگہ آپؒ نے خوبصورت وسیع مسجد، مدرسہ، قرآن کریم محل، مینار اصحاب بدر، لائبریری اور دار الحکمت تعمیر کرائے اور ادارہ دار الاحسان کے نام سے موسوم فرما کر وقف اسلام کردیا۔

آپؒ اپنے آپ کو ''المہاجر الی اللہ والمتوکل علی اللہ العظیم'' فرمایا کرتے اور آپؒ نے اپنے ان اقوال کو عملاً ثابت بھی کیا کہ ''مہاجر الی اللہ کسی سامان کا پابند نہیں ہوتا'' ''توکلت علی اللہ'' اللہ کی راہ میں سفر کیا کرتا ہے۔

''صاحبِ توکل کے لئے نہ وطن ہے نہ جائیداد نہ کسب نہ روزگار نہ مال نہ سوال۔ صبح کرے تو شام کا اور شام کرے تو صبح کا نہ ذخیرہ ہو نہ فکر اور نہ ہی زندگی کی امید۔ خواہشات کی قربانی سب سے بڑی قربانی ہے اور مہاجر الی اللہ ہی خواہشات کو قربان کرسکتا ہے، دنیادار نہیں۔''

آپؒ نے اپنی جملہ خواہشات کو سمیٹ کر عشقِ الٰہی کی آگ میں جھونک دیا اور ہر تمنا کو جلا کر بھسم کردیا۔ اللہ کی راہ تو ساری کانٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں شب بیداریاں بھی ہیں سحر خیزیاں بھی، رسوائیاں بھی ہیں جگ ہنسائیاں بھی۔ بے سایہ درخت ہیں، خلقت کی ڈیوٹیاں ہیں۔ بے شک اللہ کو پانے کا راستہ بڑا سخت اور کٹھن ہے۔

جب آپؒ کو 1984ء میں اپنی اس محنتِ شاقہ سے بنائی ہوئی بستی سے ہجرت کر کے کیمپ دار الاحسان آنا پڑا تو مکان تو چونکہ مکین سے ہی آباد رہا کرتے ہیں، سو وہاں کی ساری رونقیں بھی دلووال کے اجاڑ کھتانوں میں پہنچ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہاں قرآن کریم محل، دفاتر دار الاحسان، مسجد لنگر خانہ اور مطب وغیرہ بن گئے اور اللہ کے اس فقیر کی سکونت کی برکت سے یہ جنگل بھی منگل بن گیا۔ فضاؤں میں ''یا حی یا قیوم'' کی مدھ بھری صدائیں گونجنے لگیں اور یہ خطہ رشکِ آسمان بن گیا۔

اس مقام کو آپؒ نے ''المستفیض دار الاحسان'' اور ''کیمپ دار الاحسان'' کے نام سے موسوم فرما کر اپنی دنیا و آخرت کے لئے پسند فرمایا۔

آپؒ نے فرمایا: ''ہمارا طرزِ حیات میرے آقا ﷺ کی سُنتِ مطہرہ کے مطابق ہو۔ یہی راہ شاہراہ اس کے علاوہ ہر راہ گمراہ۔ قائد ایک

ہوتا ہے اور اسی کے گرد زندگی گھوما کرتی ہے۔ میرے آقا ﷺ ہماری زندگی کے قائد ہیں' قائد العرفان۔ ''میرے آقا ﷺ مجسم مکارم اخلاق ہیں ان کے کسی بھی اخلاق کو استقلال سے اپنا۔'' ''میرے آقا ﷺ کا نمونہ معتبر' مستند اور فلاح دارین کا امین' یہ نمونہ ہر وقت تیرے پیش نظر رہے۔''

آپؒ نے معذور' مفلوک الحال بیوگان و مساکین اور نادر طلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے۔ غریب لڑکیوں کی شادیوں کے انتظامات' قیدیوں اور کوڑھیوں کے لئے خاص اہتمام۔ سردیوں میں بستر' آٹا' کپڑا وغیرہ بیوگان کو گھروں میں پہنچانے کے علاوہ بیمار مخلوق کی بے لوث خدمت کا جو نمونہ دارالحکمت المعروف بہ دارالشفاء کی صورت میں پیش کیا اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ دارالاحسان میں دارالحکمت کا شعبہ قائم کر کے دیسی دواؤں سے روزمرہ علاج کے علاوہ آنکھوں کے علاج کے لئے سال میں دو مرتبہ فری آئی کیمپ کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ مریض کو اپنا محسن اور اللہ کا مہمان سمجھ کر اس کی خدمت کو سعادت جانا' کسی مریض سے ایک پائی تک وصول نہ کی۔ یہ سلسلہ 1976ء سے شروع ہوا اور اکتوبر 1996ء تک 41 ششماہی فری آئی کیمپ لگوائے جن میں آنے والے 3,69,180 مریضوں کو بینائی ملی۔ بلا آپریشن 2,26,296 مریضوں کا علاج ہوا اور 171 مادرزاد نابینا بھی اس اللہ کے فقیر کی نظر و دعا سے بینا ہوئے۔

اختیارات کسی مقام سے نہیں' صاحب اختیار سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اگرچہ آپؒ نومبر 1984ء میں سالار والا دارالاحسان سے ہجرت کر آئے مگر پھر بھی بطور مہتمم اپنے عملہ کے کارکنوں کے ذریعے کیمپ دارالاحسان میں دارالحکمت کی عمارت نہ ہونے کی بنا پر مارچ 1985ء سے اکتوبر 1996ء تک سالار والا دارالاحسان ہی میں فری آئی کیمپ لگواتے رہے۔ نومبر 1996ء میں دارالحکمت کی عمارت کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھ کر فرمایا کہ ''اب آئی کیمپ یہاں لگا کرے گا۔'' آپؒ کی توجہ کی بدولت تبلیغی جماعتوں اور زائرین نے دیکھا کہ سالوں کا کام دنوں میں مکمل ہوا اور شب برأت 26 دسمبر 1996ء کو 'صلوٰۃ الخیر' ادا کرنے کے بعد آپؒ نے اس دارالحکمت کا افتتاح کر کے دعائے خیر کی اور مارچ 1997ء سے آپؒ کے حسب الحکم یہ سلسلہ یہاں جاری ہو گیا۔ اس دارالحکمت میں جدید ترین مشینیں موجود ہیں جو پاکستان کے چند ایک ہسپتالوں ہی میں میسر ہیں۔ ماہر معالج اور تجربہ کار سرجن آنکھوں کا علاج اور آپریشن کرتے ہیں۔ مفت طعام و قیام کی سہولت میسر ہے۔ صرف موسم کے مطابق بستر اور تیمار دار لانا پڑتا ہے۔ مریضوں سے غیر امتیازی سلوک اس دارالحکمت کا طرہ امتیاز ہے۔ اس دارالحکمت میں مارچ 1997ء سے اکتوبر 2006ء تک 20 کیمپوں میں 4,22,065 مریضوں کو آپریشن کے ذریعے بینائی کی نعمت ملی۔ 690 مادرزاد نابینا افراد نے بھی آپؒ کی دعا سے روشنی پائی۔ مائیکروسکوپ کے ذریعے اب تک 1,21,303 آپریشن کئے جا چکے ہیں جن میں 49,868 لینز ڈالنے کے آپریشن شامل ہیں اور یہ سب آپؒ کا دائمی فیضان ہے جو روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بے شک جو لوگ دنیا میں زندگی ایک فرض سمجھ کر اللہ کی راہ میں گزارتے اور مخلوق خدا کی خدمت کے لئے جیتے ہیں ان کے لئے موت امر الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ ایک حجاب جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پہ فرماتے ہیں ورنہ ان کا فیض جاری رہتا ہے۔

آپؒ کا مسلک صلح کل تھا۔ آپؒ اپنی پوری زندگی اتحاد امت کے لئے کوشاں رہے۔ آپؒ کی تحریروں میں محبت ہی محبت ہے' دارالاحسان کا محور عشق محمد ﷺ اور اتحاد بین المسلمین ہے۔ ''یہی ہر مذہب کی جان اور یہی وقت کی پکار ہے۔''

ملی پیغام کو فنا نہیں ہوتی زندہ اور قائم رہتا ہے اتحاد بین المسلمین ملی پیغام ہے ہو کر رہے گا اے مسلمان اے میری جان اتحاد وقت کی اہم

ترین پکار ہے۔

آپؒ نے فرمایا" ہمارے تین کام ہیں 1-ذکرالٰہی 2- تبلیغ الاسلام 3- مخلوق کی بے لوث خدمت۔ ان تین کاموں کے سوا کسی چوتھے کام میں کبھی مشغول نہیں ہونا۔ کسی کے تذکرے، تبصرے، تقید، تنقیص یا الزام کا ہرگز بُرا نہ منائیں، نہ ہی بددل ہوں بلکہ پوری یکسوئی سے اپنے تین بنیادی مقاصد کی طرف متوجہ رہیں۔ اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو اس نے مجھ سے قائم اپنی نسبت کی ناموس کی توہین کی بلکہ دارالاحسان کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس کے وقار کو ٹھیس پہنچائی اور مجھے شرمندہ کیا۔

آپؒ کی میز پر کتاب العمل بالسنۃ المعروف بہ ترتیب شریف تقریباً ہر وقت کھلی رہتی۔ کبھی اس کے اعمال کی پیروی، کبھی قرآن کریم کی تلاوت۔ کبھی نماز میں محو، کبھی تسبیحات وصلوٰۃ میں، غرض ہر وقت کوئی نہ کوئی ذکر جاری رہتا۔ تمام تالیفات کامل طہارت کی حالت میں لکھیں۔ خصوصاً ترتیب شریف کی ہر حدیث نقل کرنے سے قبل وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے۔ جب تک کسی امر پہ خود عمل پیرا نہ ہو جاتے احاطہ تحریر میں نہ لاتے۔ قرآن کریم کی تلاوت کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ 15 ہزار 459 آیات قرآن کریم پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ 11 ذیقعد الحجیب 1412ھ سے قرآن کریم کی تلاوت مع ترجمہ بھی سننا شروع کی۔ سورہ یوسف اور خ~~سے شروع ہو~~نے والی سورتوں پہ خصوصی توجہ دیتے۔ 16 رمضان المبارک 1417ء تک 484 قرآن کریم سماعت فرمائے۔ روزانہ 8 لاکھ 52 ہزار 94 کلمات طیبات کا ورد فرماتے۔ ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ مقالات حکمت موتیوں کی طرح صفحہ قرطاس پر بکھیرتے رہتے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلیٰ درجے کا رزق فرماتے۔ کسی روز کوئی مقالہ نہ لکھا جاتا تو بار بار دعا فرمایا کرتے کہ "سارا دن گزر گیا ابھی تک کوئی روزی نصیب نہیں ہوئی، اپنی جناب سے طیب رزق عنایت فرما۔"

اس کے علاوہ 23 کلمات طیبات روزانہ تحریر فرماتے۔ ہر صفحہ کے آخر میں مکمل نام اور تاریخ لکھتے جو 410 جلدوں میں محفوظ ہیں اور 1420ھ سے بطور تبرک تقویم دارالاحسان میں "عکس تحریر" کے عنوان سے شامل کیے جا رہے ہیں۔ کیش بک اپنے ہاتھ سے لکھ کر دستخط فرماتے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سفر و حضر، ہر حالت میں اللہ کا ذکر و شکر فرماتے۔ آنے جانے والوں سے ملاقات و دعا بھی جاری رہتی۔ خطیرۃ القدس کے وقت خصوصی نوافل و دعا آپؒ کا معمول تھا۔ فجر و عصر اجتماعی ذکر الٰہی کے لئے مخصوص تھے۔ حالت ضعیفی سے پہلے رمضان المبارک کے علاوہ رجب المرجب کا پورا مہینہ بھی روزہ رکھا کرتے۔ حسنات و خیرات و صدقات کو جمع نہ فرماتے۔ ملتے ہی مستحق مخلوق میں تقسیم کر دیتے۔ خود فرمایا "میری دنیا اور آخرت کی کمائی بیوہ، لاچار، بیمار اور میرے آقا ﷺ کی امت کے مُردوں کی مغفرت کے لئے وقف و مخصوص ہے" "شب و روز کی کمائی مخلوق ہی نے کھائی۔ نہ حسنات کا ذخیرہ نہ کمائی کا۔ ہر دو سے فارغ اور فقیر ہر حال میں فقیر رہتا ہے۔"

آپؒ نے فرمایا "حضرات گرامی، میرا اس دنیا میں رہنا ایک مسافر کی طرح ہے اور مسافر کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ضرورت کا بالکل ہی مختصر سا سامان اور میں اپنے تئیں ان مُردوں میں شمار کرتا ہوں جو قبروں میں ہیں اور مُردوں کی کوئی طلب و تمنا نہیں ہوتی مگر یہ اور صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندگی بخشے اور وہ دنیا میں جا کر شب و روز اس کے ذکر و فکر و شکر میں محو رہیں۔" بلاشبہ آپؒ شب و روز ذکر الٰہی میں محو و منہمک رہے اور اسی ذکر و شکر کی حالت محویت میں امر الٰہی آن پہنچا اور آپؒ 16 رمضان المبارک 1417ء بمطابق 26 جنوری 1997ء بروز اتوار بوقت ظہر مالک

حقیقی سے جا ملے۔

آپؒ کے وصال کی خبر آناً فاناً پوری دنیا میں پھیل گئی۔ نماز جنازہ کا وقت اگلے روز ظہر کے بعد رکھا گیا۔ بیرون ممالک سے پہنچنے والے عقیدت مندوں کے علاوہ آپؒ کے چاہنے والوں اور ملک میں بسنے والے لوگوں کا ایک انبوہِ کثیر تھا جو اللہ کے اس فقیر کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ آپؒ علم و حکمت کا سمندر تھے۔ بیشمار تصانیف و تالیفات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان میں کتاب العمل بالسنۃ المعروف بہ ترتیب شریف مستند احادیث کی ایسی خوبصورت فقہی ترتیب ہے جس کی نظیر ذخیرہ احادیث میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ ضخیم تالیف کتابت و طباعت میں بھی اعلیٰ معیار کا درجہ رکھتی ہے۔

پاکستان میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں شاہان عالم کو یہی کتاب تحفتاً پیش کی گئی تو وہ بھی اس کی علمی اہمیت اور حسن طباعت کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ کتاب اسلامی دنیا کی سبھی یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں موجود ہے جہاں سے دنیا بھر کے علماء، فضلاء اور ریسرچ سکالرز استفادہ کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق آپؒ نے فرمایا: ''یہ کتاب 'کتاب العمل بالسنۃ المعروف بہ ترتیب شریف' حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی امین ہے۔ اس کی تالیف میں ایک پوری زندگی شب و روز مصروف عمل رہی۔ اللہ ہی نے ہمیں اس انتخاب کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے اور پھر اللہ ہی نے اپنے خاص لطف و کرم و احسان سے ہم گنہگاروں کو اس منزل پہ گامزن ہونے کی توفیق عنایت فرمائی۔''

''کتاب العمل بالسنۃ ذکر رسول ﷺ کی مستند محفل اور عین ذکر الٰہی۔ جملہ فیوض و برکات کا منبع!

آپؒ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں جو علم و عرفان اور اجتہاد کا ایک نادر ذخیرہ ہیں۔ تصوف کے ادق مضمون کو آپؒ نے افسانوی اور شاعرانہ زبان کا لحن عطا کر کے قلوب کے اندر اتر جانے والا سہل زمزم بنا دیا۔

آپؒ بلند ذوق اور نفیس طبع شخصیت تھے اور یہ بلند معیار کی دینی مطبوعات آپؒ کے حسن ذوق اور نفاست پسندی ہی کی ترجمان ہیں جن کا کوئی ہدیہ نہیں۔

مقالات حکمت کی تیس الہامی جلدوں میں ایک انوکھی اثر ہے۔ مکمل اور چھوٹے چھوٹے فقرے، برجستہ محاورے، سادگی و پرکاری او رخوبصورت سادہ زبان گویا نثر میں شاعری کی گئی ہے۔ جیسے قدرت کی لامتناہی وسعتوں کا ادراک ناممکن ہے اسی طرح آپؒ کے مقالات میں مستور حکمت تک رسائی مشکل ہے۔

آپؒ نے کوئی گدی نشین نہیں چھوڑے اور نہ ہی کوئی ورثہ۔ یہ وہ خوبی ہے جو انبیائے کرامؑ کی سنت تازہ کرتی ہے۔ کسی نبیؑ نے دنیاوی جائیدادنہیں چھوڑی۔ نبیؑ کی وراثت علم، عمل، صالحیت اور تقویٰ ہے۔ جو اس کا حامل ہو گا وہی وارث علوم نبوت ہو گا۔ آپؒ نے فرمایا ''فقیر کی میراث کا وارث فقیر ہوتا ہے اور فقیر کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا مگر اللہ اور صرف اللہ۔''

''سلوک کی منزل تقویٰ کی راہ ہے۔ اس وادی میں باتیں اگرچہ کتنی حکمت بھری ہوں کوئی رنگ نہیں لا سکتیں۔ جو کام روئے زمین کی باتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں، تقویٰ کی ایک مثال کر سکتی ہے۔ جتنی باتیں کی جاتی ہیں، کرنے والوں کا ان پہ اپنا عمل نہیں ہوتا۔ ایسی باتوں کا کیا فائدہ؟

کسی تقویٰ کا نمونہ پیش کر۔ باتیں سامعین کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔''

آپؒ نے فرمایا ''کسی ولایت میں نہ کشف ضروری ہے نہ کرامت' ذکر و طاعت تیری منزل کے دو نشان ہیں' یہ نشان گرنے نہ پائیں۔ ذکر و طاعت کی منزل مستغنی عین المدارج ہوتی ہے۔ تبلیغ و خدمت کے سوا کسی بھی کمال کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ ذکر الٰہی سے بہتر اور کوئی کمال نہیں۔ اللہ کے ذکر کے لئے کمالات و کرامات سے فارغ ہو۔ جب تک تو کرامات کے پھندوں سے آزاد ہو کر مٹی میں مٹی نہیں ہوتا دین کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ تیرا مقام خاک اور تیرا کام خدمت ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام نہیں اور اس سے افضل اور کوئی کام نہیں۔

....

جناب صدر! پاکستانیوں پر بھی اعتماد کیجئے!

صدر آصف زرداری امریکہ کا دورہ کر کے واپس تشریف لا چکے ہیں ان کی روانگی بڑے پریشان کن حالات میں ہوئی خصوصاً اس روز جب انہوں نے پارلیمنٹ سے خطاب فرمایا اور شام کو میریٹ ہوٹل میں خودکش دھماکے نے پاکستان کے درودیوار ہلا کر رکھ دیئے۔ کچھ سیاستدان اس مرحلے پر صدر کا دورہ امریکہ غلط قرار دے رہے ہیں جبکہ بیشتر لوگوں کا خیال ہے چونکہ انہیں یو این او سے خطاب کرنا تھا دوسری طرف فرینڈز آف پاکستان بھی جمع ہو رہے تھے اور پاکستان دہشت گردی کے عتاب کا مسلسل شکار ہے تو عالمی برادری کے اس اجتماع میں صدر کا پاکستان کے حوالے سے کیس پیش کرنا ضروری تھا وہ دنیا کو بتانا چاہتے تھے کہ ہم تو خود بری طرح دہشت گردی کا شکار ہیں۔ ہم پر کم از کم دہشت گردی کی تہمت نہ لگائیں۔ صدر نے یو این او سے خطاب بھی کیا۔ بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ سے بغل گیر بھی ہوئے اور دونوں رہنماؤں کے درمیان امن عمل کی بحالی پر نہ صرف اتفاق ہو گیا بلکہ یہ خبر بھی جاری ہو گئی کہ 21 اکتوبر سے کنٹرول لائن کے آر پار تجارت شروع ہو جائے گی گو آپ بھی وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عتیق کی طرح لائن آف کنٹرول کو لائن آف کامرس بنانے کا عزم رکھتے ہیں۔ صدر آصف زرداری نے جنرل اسمبلی کے خطاب میں کشمیریوں کے ساتھ ہونے والے بہیمانہ مظالم پر ایک لفظ نہیں کہا، کشمیر سے متعلق کسی قرارداد کا ذکر نہیں کیا۔ صدر آصف زرداری نے ایسا یقیناً اس لئے کیا ہوگا کہ وہ اس مرحلے پر جبکہ بھارتی وزیراعظم بھی امریکہ میں موجود ہیں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو اور یوں بھی ان کی پارٹی کا دیرینہ موقف رہا ہے کہ وہ بھارت ہی نہیں تمام ہمسایہ ممالک سے امن چاہتے ہیں۔ یہ بڑی اچھی اور نیک خواہش ہے لیکن صدر محترم سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ ہم یہ امن کس قیمت پر چاہتے ہیں؟ کیا ہمسایہ ممالک خصوصاً بھارت کو اس بات کی کھلی چھٹی ہے کہ وہ جب بھی چاہے مظلوم کشمیریوں پر عرصہ حیات تنگ کر دے انہیں زندہ درگور کر دے۔ پاکستان کے حصے کا پانی روک کر ہمارے لئے قحط کے خطرات پیدا کر دے اور ہم جواب میں امن امن کی رٹ لگاتے رہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ بھارت اس وقت پاکستان میں تخریب کاری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ قبائلی علاقہ جات کی شورش میں بھارت کا کردار کیا ہمارے صدر محترم کے علم میں نہیں؟ کیا وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ بیت اللہ محسود بھارتی مدد حاصل کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے؟ مقبوضہ کشمیر میں بھارت نے اچانک مقہور و مجبور کشمیریوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ''ناگپور'' کے ہوائی اڈے پر اسرائیلی طیارے کس انتظار میں کھڑے ہیں؟ کاش ہمارے صدر محترم نے یہ سوالات بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے کئے ہوں۔

صدر آصف علی زرداری نے امریکی صدر بش اور دیگر عالمی رہنماؤں سے ملاقاتوں کے بعد نیویارک میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یورپی اور امریکی عوام پاکستان کی حمایت کرتے ہیں، پاکستانی عوام کو سمجھنا ہوگا کہ پاکستان حالت جنگ میں ہے، لہٰذا ہمیں موجودہ صورتحال سے نبٹنے کے لئے نیا وار پلان بنانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ صدر بش نے انہیں یقین دلایا ہے کہ پاکستان کی خودمختاری کا احترام کیا

جائے گا۔ تاہم انہوں نے اس سوال کا واضح جوابدہی سے گریز کیا کہ کیا صدر بش نے انہیں گارنٹی دی ہے کہ آئندہ قبائلی علاقوں میں امریکی حملے نہیں ہوں گے؟ انہوں نے مزید بتایا کہ پاکستان کو کسی امدادی پیکج کی پیشکش نہیں کی گئی' تاہم پاکستانی عوام کو سمجھنا ہوگا کہ ''دہشت گردی'' کے خلاف موجودہ جنگ کو ہمیں اپنی جنگ بنانا ہوگا۔ پاکستان کے عوام کمزور نہیں ہیں اور نہ ہی پاکستان کمزور ہے' ہم متحد ہو کر اس آزمائش میں پورا اتریں گے۔

انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں اس بات پر زور دیتے ہوئے ایک بار پھر اصرار کیا کہ آئی ایس آئی کے کردار کے حوالے سے مجھ سے امریکہ میں کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ جبکہ اس کے برعکس آزاد ذرائع ابلاغ میں یہ بات گردش کرتی رہی ہے کہ بش زرداری ملاقات میں زیادہ تر پاک فوج اور آئی ایس آئی زیر بحث رہی ہیں۔ اسی طرح صدر کے ہمراہ وفاقی وزیر اطلاعات شیری رحمٰن نے بھی اپنی پریس کانفرنس میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ بش اور زرداری ملاقات میں پاک فوج اور آئی ایس آئی زیر بحث رہی ہیں' لیکن صدر آصف علی زرداری نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر اس سلسلے میں بات کرنے سے گریز کرتے رہے۔

امریکہ میں موجود پاکستان کے ایک معروف تجزیہ کار نے بی بی سی سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امریکی سی آئی اے کو پہلے بھی آئی ایس آئی کے کردار پر شک رہا ہے اور اب بھی وہ یہ سمجھتی ہے کہ آئی ایس آئی کے کچھ شعبے اب بھی خفیہ طور پر امریکہ کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ امریکیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ آئی ایس آئی کے ریٹائرڈ افسران ابھی بھی امریکہ کے خلاف طالبان کو متحرک کرنے اور ان کو تربیت دینے میں مصروف ہیں۔ الغرض امریکی فوج اور سی آئی اے کسی بھی طرح آئی ایس آئی پر مکمل طور پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور وہ اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلی چاہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم کے مشیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے کچھ عرصہ قبل امریکی ایما پر آئی ایس آئی کو سویلین کنٹرول میں دینے کی کوشش بھی کی تھی لیکن شاید فوج کی بھرپور مداخلت کی وجہ سے آئی ایس آئی کو سویلین کنٹرول میں دینے کا آرڈیننس چوبیس گھنٹے سے پہلے پہلے واپس لے لیا گیا تھا۔ وجہ خواہ کوئی بھی رہی ہو لیکن یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ امریکیوں کو پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی پر خاطر خواہ اعتبار نہیں رہا ہے جس کا وقتاً فوقتاً وہ اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں پر حملے کرنے کا جواز بھی امریکی حکومت آئی ایس آئی کے بارے میں اپنی اسی بے اعتمادی کو قرار دیتی رہی ہے۔ امریکی حکومت نے اس بارے میں مؤقف اپنایا تھا کہ جب بھی سی آئی اے نے آئی ایس آئی کو کسی اہم ٹارگٹ کا نشانہ بنانے کے لئے خفیہ معلومات فراہم کیں وہ ٹارگٹ ہمیشہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا جس کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ آئی ایس آئی ان کی مدد کرتی ہے۔ آئی ایس آئی اس الزام کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے الٹا یہی الزام سی آئی اے پر عائد کرتی رہی ہے کہ ہم نے جب بھی انہیں کسی ہائی ویلیو ٹارگٹ کے بارے میں اطلاع دی۔ انہوں نے نہ معلوم کیوں اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔ الغرض امریکہ آئی ایس آئی کے بہت سے افسران اور اس کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم کے بارے میں مطمئن نہیں ہے اور وہ اس سلسلے میں کسی بڑی تبدیلی کا خواہاں ہے۔ اس ضمن میں بش زرداری ملاقات میں کیا طے ہوا ہے فی الوقت صدر پاکستان اس بارے میں کچھ بتانے سے گریزاں ہیں۔

صدر مملکت کی بش کے ساتھ ملاقات کا دوسرا نکتہ جسے ذرائع ابلاغ نے اٹھایا وہ یہ ہے کہ کیا صدر بش نے آئندہ پاکستانی سرحدوں کے اندر حملے نہ کرنے کی کوئی یقین دہانی کرائی ہے؟ صدر آصف علی زرداری نے تو اگرچہ اس سوال کا واضح طور پر جواب دینے سے گریز کیا ہے لیکن

امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے اس ضمن میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر واضح طور پر اپنی پالیسی دوٹوک انداز میں بیان کر دی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکی فوج اپنی حفاظت کے لئے پاکستان کے اندر دہشت گردوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کا پورا حق رکھتی ہے اور اس سلسلے میں دہشت گردوں کا پیچھا کرتے ہوئے سرحد عبور کرنا اقوام متحدہ کے منشور کی خلاف ورزی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کو پاکستان کے قبائلی علاقوں سے خطرہ ہے اور پاکستان کی صورتحال افغان جنگ پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز اسی خطے سے ہوا تھا' لہٰذا اختتام بھی یہیں ہونا چاہئے۔ اب پاکستان پر لازم ہے کہ وہ امریکہ کی اس نئی حکمت عملی کا بھرپور ساتھ دے۔ ایک طرف امریکہ پاکستانی علاقوں پر حملے جاری رکھنے کی پالیسی کو نئی حکمت عملی کا نام دے رہا ہے تو دوسری طرف ہمارے صدر مملکت کسی نئے وار پلان کی بات کر رہے ہیں جن میں کسی حد تک مماثلت اور قدر مشترک دیکھی جا سکتی ہے۔ نئے وار پلان کا واضح مطلب ہوگا کہ نئے صدر مملکت نہ صرف پرانے صدر کی پالیسیوں کو دوام بخشیں گے بلکہ اس جنگ میں مزید کسی توسیع منصوبے کو شروع کریں گے جو کہ پاکستان کی سلامتی کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں کو جنگ کے بل پر فتح نہیں کیا جا سکتا' جنگ میں اضافہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ اس میں مزید الجھاؤ اور کشیدگی آئے گی جس سے پاکستان کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اس لئے صدر صاحب کو چاہئے کہ وہ کسی نئے وار پلان کی نہیں بلکہ نئے امن پلان کی منصوبہ بندی کو زیر غور لائیں اور غیروں کے بجائے اپنوں پر بھی اعتماد کر کے دیکھیں۔

آج کل ''فاٹا'' میں عسکریت پسندوں کے خلاف مقامی قبائل خود حکومتی آشیرواد سے کارروائیاں کر رہے ہیں جس کے مثبت نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔ ہر وہ کام جو اپنے لوگوں کو اعتماد میں لے کر کیا جائے ماضی کی تاریخ بتاتی ہے اچھے نتائج ہی فراہم کرتا ہے لیکن یہ عمل حوصلہ اور خود پر اعتماد سے مشروط ہے۔

نیا صدر، نئے چیلنج اور سازشیں

صدارتی انتخابات بھی ہو گئے جناب آصف زرداری پاکستان کے صدر بن گئے پاکستان کی جیلوں میں طویل عرصہ ''حوالاتی'' رہنے والے کو اگر آج پاکستان ہی میں صدارت کا منصب عطا ہوا ہے تو یہ جمہوریت کا حسن ہے اسی لئے شاید کسی دانشور نے کہا تھا کہ بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے بہتر ہے۔ 6 ستمبر پاکستانی بطور یوم دفاع بھی مناتے ہیں اور 6 ستمبر ہی کو صدر کا انتخاب بھی ہوا، لیکن 6 ستمبر ہی کو پشاور میں کوہاٹ روڈ پر خودکش دھماکے میں اب تک کی اطلاعات کے مطابق ستر سے زائد جاں بحق اور سو سے زائد زخمی ہوئے ہیں۔ یہ دھماکہ وارننگ ہے یا معمول کی انتقامی کارروائی۔ معمول کا خودکش حملہ ہے یا پھر پاکستان دشمن طاقتوں کی طرف سے نئے صدر کو پیغام اور چیلنج۔ اس کی خبر اب تک ہمارے سکیورٹی اداروں کو ہو چکی ہو گی اور یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ امریکہ کے وحشیانہ پن میں شدت سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسا شاید پہلی مرتبہ ہوا جب امریکن فوجیں ہیلی کاپٹروں میں سوار پاکستانی علاقے شمالی وزیرستان میں اتریں اور بڑی بے جگری اور بہادری سے بے گناہ پاکستانی بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو مار کر واپس چلی گئیں۔ سارے ملک میں ''ہاہا کار'' مچ گئی۔ جس پر حکومت نے بروقت نوٹس لیا۔ ہمارے محترم وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں بڑا شاندار خطاب فرمایا۔ دیگر حکومتی عمال نے بھی اپنی اپنی حد تک امریکہ کے اس گھناؤنے اقدام کی نفی کی لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات بجائے اس کے کہ امریکیوں کو عقل آتی انہوں نے اگلے روز اور پھر اس سے اگلے روز بھی حملے کر کے شاید پاکستانی عوام کو یہ سمجھا دیا کہ وہ حکومتی بیانات سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم بیان ہمارے وزیر دفاع جناب چودھری احمد مختار کا تھا جنہوں نے حملے کی خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے برملا سوال کرنے والے کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''امریکہ نے کچھ دیکھ کر ہی حملہ کیا ہوگا'' سبحان اللہ! شاید اسی دانش کو علامہ اقبالؒ نے دانش افرنگ'' کہا تھا۔ بہرحال ان حکومتی بیانات سے کچھ ایسا تاثر ابھرا ہے جیسے یہ سب ایک ڈرامے کے مختلف ایکٹ تھے جن میں قابض افواج نے اپنا رول ادا کیا اور عوام کو بے بسی سے سارا تماشا دیکھتے رہنے کی مسلسل سزا کو جاری رکھا اور حکومتی وزراء نے تقاریر بھی فرمالیں۔ پارلیمنٹ سے دو تہائی اکثریت کے ساتھ منتخب ہو کر آصف علی زرداری پاکستان کی تاریخ کے طاقتور ترین سویلین صدر کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ چونکہ مرکز میں تمام اہم اور کلیدی عہدوں پر ان کی پارٹی کے ہی افراد فائز ہیں اس لئے ان کے لئے اب اپنی پارٹی کی ترجیحات کے مطابق ملکی مسائل کے حل کی راہ میں بظاہر کوئی بڑی اور سنجیدہ رکاوٹ نہیں ہے۔ اسٹیبلشمنٹ بھی اب کی بار مکمل طور پر پی پی پی کے ساتھ ہے اور عالمی طاقتیں بھی اس کی پشت پر ہیں۔ ایسے میں عوام یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ پی پی پی حکومت اب مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ان کے مسائل کے حل پر توجہ دے گی اور روٹی کپڑا اور مکان کے اپنے نعرے کے مطابق غریب عوام کو ریلیف دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی اور روٹی کپڑا اور مکان کے اپنے نعرے کے مطابق غریب عوام کو ریلیف دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

پاکستان کو اس وقت سب سے بڑا چیلنج اپنی سیاست' اقتدار اعلیٰ اور داخلی سلامتی کے تحفظ کے حوالے سے ہے' ملک کی سالمیت ہر چیز پر مقدم ہوتی ہے اس لئے حکومت کو بھی سب سے پہلے اس پر توجہ دینی چاہئے تاہم اس کے ساتھ ساتھ ملک کے غریب عوام کی حالت زار' بڑھتی ہوئی مہنگائی اور معاشی عدم استحکام بھی ایسے امور ہیں جو حکومت کی فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔ اس وقت عوام مہنگائی اور افلاس کے جس عذاب سے دوچار ہیں اس سے اگر انہیں فوری ریلیف نہ دیا گیا تو ملک میں کس قسم کے حالات پیدا ہو سکتے ہیں اس کا محض تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

ملک میں سیاسی استحکام اور بے یقینی کی صورتحال ایسے عوامل ہیں جن کی بنا پر نہ صرف حالیہ عرصے میں پاکستان کی عالمی کریڈٹ ریٹنگ میں مایوس کن حد تک کمی آ چکی ہے بلکہ عالمی مالیاتی اداروں کو بھی حکومت کو بلیک میل کرنے کے مواقع میسر آ گئے ہیں اور وہ ملک کے معاشی معاملات میں کھلی مداخلت کرنے لگے ہیں' چنانچہ ایک تازہ خبر کے مطابق عالمی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف کی ٹیم 12 ستمبر کو کراچی پہنچ رہی ہے۔ یہ ٹیم حکام سے ''معیشت کو بحران سے نکالنے'' کے اقدامات اور ادارے کی ممکنہ مدد کے حوالے سے بات چیت کرے گی۔ مشکلات سے دوچار پاکستانی معیشت کو سنبھالا دینے کے لئے آئی ایم ایف سمیت مالیاتی اداروں کی ''مدد'' کی ضرورت ہے اور اسی بات کے قوی امکانات ہیں کہ پاکستان ایک مرتبہ پھر آئی ایم ایف پروگرام سے مدد لے گا جس کے لئے سخت اقتصادی فیصلے کرنا ہوں گے۔ ملک میں تیل' گیس اور بجلی کے نرخوں میں ان اداروں کی طرف سے دباؤ اور بحالی معیشت کے لئے مزید سخت اقدامات یعنی مہنگائی میں مزید اضافے کا خدشہ ہے۔ سابق دور حکومت میں پاکستان آئی ایم ایف پروگرام سے باہر آ گیا تھا مگر ایک مرتبہ پھر اس بات کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ ڈیفالٹ سے بچنے کے لئے اسے آئی ایم ایف کی مدد درکار ہو گی۔ اس وقت ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر نو ارب ڈالر کی سطح پر ہیں۔ گذشتہ آٹھ ماہ میں ذخائر میں سات ارب ڈالر کی کمی ہوئی ہے۔ روپے کی قدر بھی 20 فیصد سے زائد کمی کے ساتھ 77 روپے فی ڈالر سے بلند ہے۔ تجارتی اور کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ بڑھ رہا ہے' افراط زر تین دہائیوں کی بلند ترین سطح پر ہے۔ پاکستان کو درآمدات اور بیرونی ادائیگیوں کے لئے زرمبادلہ کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ ساتھ امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی طرف سے مالی امداد اور اقتصادی تعاون کے حصول کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ماہرین صورتحال کو معیشت کا بحران قرار دے رہے ہیں۔ معاشی معاملات میں خارجی مداخلت کا اندازہ اس خبر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مالیاتی سروسز فراہم کرنے والے بین الاقوامی ادارے جے پی مورگن نے ایک خط کے ذریعے کراچی سٹاک ایکسچینج کا انڈیکس منجمد کرنے پر ''تشویش'' کا اظہار کیا ہے۔ ایسے حالات میں معیشت کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور ساتھ ساتھ عوام کا ریلیف فراہم کرنے کے لئے یہ امر ازحد ضروری ہے کہ حکومت ملک میں سادگی' بچت' خودانحصاری' تعمیری و ترقیاتی سوچ پر مبنی معاشی پالیسیاں تشکیل دے اور سرکاری عیاشیوں' بدعنوانی' قرضہ گیری' بدانتظامی اور غیر ترقیاتی مدات میں وسائل کے ضیاع کی ناپسندیدہ روایت کا سختی سے سدباب کرے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک جیسے اداروں کے سودی جال میں ایک بار پھر پھنس کر قوم کا مستقبل ان کے ہاتھ پر گروی رکھنے کے تلخ تجربات کا اعادہ نہ کیا جائے کہ اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔ یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس مرتبہ اسٹیبلشمنٹ نے سویلین حکومت کے لئے کتنا وقت مقرر کیا ہے لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سازشیں ابھی سے شروع ہو گئی ہیں جس کا اندازہ پنجاب کے گورنر کی طرف سے بولی جانے والی زبان سے لگایا جا سکتا ہے گو کہ 8 ستمبر کے اخبارات نے پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری جہانگیر

بدر کا بیان شائع کیا ہے کہ سلمان تاثیر جو کچھ کہہ رہے ہیں ان کی ذاتی رائے ہے وہ پیپلز پارٹی کی نمائندگی نہیں کر رہے لیکن صرف اس نوعیت کے بیانات جاری کرنے بھی کافی نہیں۔ اس مرحلے پر حکومت اور اپوزیشن دونوں کا فرض ہے کہ وہ سنبھل کر چلیں اپنی ذاتی انا کے خول سے نکل کر ملک کی فکر کریں اور سب سے بڑھ کر پاکستان کے بے کس، بے بس اور زندہ درگور عوام پر رحم کریں۔

صدر آصف علی زرداری نے صدر منتخب ہوتے ہی حکومت سندھ کی طرف سے چھٹی کے اعلان کو منسوخ کر کے اپنی عملیت پسندی کا ثبوت دے دیا جس کا مظاہرہ وہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ملک اس وقت مہنگائی، دہشت گردی اور لاقانونیت کی بھیانک آگ میں جھلس رہا ہے۔ لوگوں کا اداروں سے ایمان اٹھنے لگا ہے۔ عوام کو یقین ہو چلا ہے کہ مصیبت میں کوئی ان کے کام نہیں آئے گا۔ پشاور کوہاٹ روڈ کے دھماکے کے تیسرے دن بھی مقامی لوگ اپنی مدد آپ کے تحت ملبہ ہٹا کر لاشیں باہر نکال رہے تھے اور واویلا بھی کر رہے تھے کہ حکومت ان کی مدد کو نہیں آرہی۔

پاکستان کا ہر قابل ذکر شہر ڈاکوؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ جو کچھ ڈاکوؤں سے بچتا ہے وہ پولیس کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ لوگ خود پر ہونے والے ظلم کی شکایت درج کروانے کے لئے سفارشیں ڈھونڈتے ہیں جس کے بعد تفتیش سے عدالتی فیصلے تک ان کی زندگی جہنم بنادی جاتی ہے۔ خودکشیوں کا ریٹ خطرناک حد بھی عبور کر چکا ہے۔ لوگ بھوک، افلاس، بے روزگاری، معاشرتی بے امکانی کے ہاتھوں مر رہے ہیں۔ ملک دو واضح گروپوں میں بٹ رہا ہے۔ ایک طرف کروڑوں عوام کا وہ گروہ ہے جس سے زندگی کی ہر آسائش بلکہ زندہ رہنے کا حق ہی چھین لیا گیا ہے اور دوسری طرف چند ہزار وہ لوگ ہیں جو خود کو بلا شرکت غیرے اس ملک کے ٹھیکیدار اور مامے سمجھتے ہیں۔ امن و امان کی صورتحال ایسی تکلیف دہ ہے کہ بیان کرتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دنیا کے بدترین معاشروں میں بھی عورتوں کو زندہ دفن نہیں کیا جاتا ہم کر رہے ہیں اور اس کو اپنی "روایت" بتا کر اس پر فخر کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ وسائل سمٹ کر چند ہاتھوں تک محدود ہو گئے ہیں۔ عوام الناس پر خوف طاری ہے۔ لوگ آٹے کا ٹرک دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے زیادہ سے زیادہ آٹا سٹاک کرنے میں کوشاں ہیں کہ کل خدا جانے یہ بھی ملے نہ ملے؟

ایسی بے بسی اور بے کسی ہے کہ بیان کا یارا نہیں۔ ان حالات میں صدر کا عہدہ پھولوں کی نہیں کانٹوں کی سیج ہے۔ یہ بات صدر محترم کو جان لینی چاہئے۔

23 مارچ کا جذبہ کہاں گیا؟

23 مارچ 1940ء کو جب لاہور کے تاریخی منٹو پارک میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی تھی تو کون جانتا تھا کہ صرف سات سال کی مختصر مدت میں یہ خواب حقیقت کا روپ دھارے گا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت خداداد پاکستان رہنے کو مل جائے گی۔ کسے معلوم تھا کہ حضرت علامہ اقبال کے خواب کو ایک کمزور، نحیف اور بیمار لیکن آہنی عزم و اعصاب کا حامل قائداعظم تعبیر دے گا۔ پاکستان بن گیا۔ ایک ناقابل یقین سچائی نے بالآخر اپنا آپ منوالیا۔ آج سوچتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ کون لوگ تھے؟ کیسے لوگ تھے جنہوں نے عزم کیا اور ہمت وایقان سے اسے پورا کر دکھایا۔

پاکستان بنا تو اس کے مخالفین نے یہ جانا گویا انہونی ہوگئی۔ پھر انہیں شیطان نے گمراہ کیا کہ یہ تو چند دنوں کا کھیل ہے۔ بھلا اس طرح دیوانوں کے خواب پورے ہوا کرتے ہیں۔ صدیوں سے ایک وشال بھارت بھلا دو ٹکڑوں میں بٹ سکتا ہے۔ اس طرح بھلا گاؤ ماتا کے دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں؟

عینی شاہدین بتاتے ہیں جب پاکستان بن رہا تھا اور نہرو کو تقسیم ہندوستان کی تاریخی دستاویز پر بادل نخواستہ دستخط کرنے پڑ رہے تھے تو نہرو مسکرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ وائسرائے کا دوست تھا۔ وائسرائے کی زوجہ محترمہ کا دوست تھا۔ اسے بہت سی ایسی باتوں کا علم تھا جن سے دیگر کانگریسی آگاہ نہیں تھے۔ نہرو یہی سمجھتا تھا کہ پاکستان اب گیا اور تب گیا۔

ایک سازش کے تحت پاکستان کے حصے کے تمام اثاثے روک لئے گئے۔ پہلے تو دینے سے یکسر انکار کر دیا گیا جب بڑی لے دے کے بعد دیئے گئے تو اس طرح قسطوں میں اور ایسے نامکمل کہ جیسے نہ دیئے جائیں۔ شنید ہے کہ دواتوں میں سیاہی نہیں تھی۔ قلم نہیں تھے۔ دفاتر کا سٹیشنری سامان نہیں تھا لیکن ملک چلانے والے وہ تھے جو اپنی جانوں کا 'مالوں کا' عزتوں کا نذرانہ دے کر یہاں آئے تھے۔ جانتے تھے اب واپس نہیں جا سکتے کہ یہاں آنے سے پہلے انہوں نے واپسی کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ اس لئے انہوں نے قومی غیرت کا مظاہرہ کیا اور پاکستان کو چلا کر دکھا دیا۔

مہاجروں کا سیلاب' اثاثے مل نہیں رہے' افراتفری کا عالم ہے۔ معاملات ادھورے ہیں لیکن عزم آہنی تھا اور سب کچھ بیت گیا۔ مہاجر بھی بس گئے۔ دفاتر بھی معمول کے مطابق کام کرنے لگے۔ فوج نے جیسا تیسا اسلحہ بھی حاصل کر لیا۔ کاروبار مملکت چل گیا۔

یہ ہندو کے لئے بڑا سانحہ تھا۔ انہوں نے ایسا کب چاہا تھا۔ وہ تو کوئی اور امید لگائے بیٹھے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ بس چھ ماہ ایک سال دو سال پھر پاکستان خود منت سماجت کرے گا واپس آئے گا اور تیسرے درجے کے اچھوتوں کی طرح مسلمان بھارت میں آباد ہو جائیں گے

اور پھر قیامت تک کبھی ہندو کی غلامی سے آزادی کا خواب نہیں دیکھیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد بھارت نے کشمیر اور جونا گڑھ، حیدر آباد دکن اور کشمیر پر جارحانہ قبضہ کر لیا۔

پہلی دونوں ریاستیں پاکستانی سرحد سے بہت دور تھیں پاکستان کی باقاعدہ آرمی کی صورتحال تشویش ناک حد تک کمزور تھی لیکن پاکستان کے غیور قبائل نے اپنے درے کی بنی توڑے دار اور تھری ناٹ تھری کی بندوقوں کے ساتھ مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کا ساتھ دیا اور ایک بڑا حصہ آزاد بھی کروالیا۔ بھارت کی باقاعدہ فوج کے ساتھ ان کا یہ پہلا تصادم تھا۔

1948ء کی جنگ کشمیر نے بھارت کو یہ بات ضرور سمجھا دی تھی کہ اب یہ اتنا آسان مسئلہ نہیں اور پاکستان کی صورت میں ایک مستقل عذاب ان کے سروں پر مسلط ہو گیا ہے۔ یہ کباب کی ایسی ہڈی تھی جس نے ان کے گلے کو ضرورت سے زیادہ زخمی کر دیا۔

بھارت نے پاکستان کو کمزور کرنے کی چانکیائی پالیسی کبھی ترک نہیں کی۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد جہاں پاکستان کے اثاثے روک کر اس پر مہاجرین کا سیلاب چڑھا دیا گیا وہاں پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں کو بھی خشک کرنے کا اہتمام ہوا اور ہمیں انڈس واٹر معاہدے کے جال میں پھنسا لیا گیا۔ یہ معاہدہ ایک فوجی آمر نے کیا تھا جو بعد میں آنے والے تمام فوجی آمروں کی طرح خود کو عقل کل سمجھتا تھا اور اپنے ہر فیصلے کا اپنی ناقص عقل سے عجیب وغریب جواز بھی فراہم کر دیا کرتا تھا۔ ان دنوں اہل درد نے بہت چیخ وپکار کی اور حکومت کو سمجھانا چاہا کہ ایسا نہ کرو۔ یہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے لیکن حکومت اب عوام سے الگ اشرافیہ کا ایک گروپ بن گیا تھا جسے مروجہ زبان میں اسٹیبلشمنٹ بھی کہا جاتا ہے۔ صدر جنرل ایوب خان نے شور مچانے والوں سے کہا کہ وہ بے وقوف ہیں اور بین الاقوامی تقاضوں سے آگاہ نہیں۔ انہوں نے کہا میں پاکستان میں ڈیموں اور نہروں کا سیلاب لے آؤں گا۔ ڈیم بن بھی گئے وہی ڈیم جن میں آج کل پانی اکثر ڈیڈ لیول کو چھونے لگتا ہے۔ ممکن ہے تب ایسا نہ ہوتا ہو۔ آج پاکستان میں بہنے والے دریا گندے جوہڑوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ بھارت نے اس طرف آنے والے دریاؤں پر 50 ڈیم بنا لئے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے کم ظرف بنیا پاکستان کو ایتھوپیا بنانے کا عزم رکھتا ہے۔ پاکستان اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تو اس پر 1965ء کی جنگ مسلط کر دی گئی۔ اس جنگ سے متعلق متضاد دعوے اور حقائق بیان کئے جاتے ہیں۔ طرفین ایک دوسرے کے خلاف کامیابیوں کے دعوے کرتے ہیں لیکن دنیا کی عسکری تاریخ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ 1965ء میں پاکستان کی مسلح افواج نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناممکن کو ممکن کر دکھایا خصوصاً لاہور اور سیالکوٹ کی سرحدوں پر اپنے فولادی سینوں اور عزائم کے ساتھ دشمن کے سامنے ایسی سد سکندری کھڑی کر دی جس سے ٹکرا کر اس کا غرور پاش پاش ہو گیا۔ 1965ء کی جنگ ہماری تاریخ کا ثمر تھا۔ کبھی لاہور سے بھارتی سرحد کی طرف جائیں تو باٹا پور پر ایک یادگار دکھائی دے گی جس پر لکھا ہے۔ لاہور کے شہریو! ان لوگوں کو نہ بھلانا جنہوں نے اپنا آج تمہارے کل پر قربان کر دیا۔ لاہور کے شہریوں نے انہیں نہیں بھلایا لیکن ہماری روشن خیال اعتدال پسند قیادت نے اب اس یادگار کو ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بھی کسی ترقیاتی منصوبے کی نذر ہونے والی ہے۔ چلو اچھا ہوا۔ کم از کم اب بھارتی سرحدوں سے اس طرف آتے اور یہاں سے بھارتی سرحدوں کی طرف جاتے ہمارے ثقافتی طائفوں کو کسی بدمزگی کا سامنا تو نہیں ہو گا۔

1965ء کی جنگ نے بھارت کو سمجھا دیا کہ وہ زور زبردستی سے پاکستانیوں کو نیچا نہیں دکھا سکتا۔ جس کے بعد دشمن نے اپنی سٹرٹیجی تبدیل کی اور پاکستان پر ثقافتی یلغار کر کے 1971ء کے انجام سے دوچار کر دیا۔ کہتے ہیں 1971ء سے پہلے پاک بھارت دوستی کا اسی طرح زور وشور سے ڈنکا بجا کرتا تھا جیسے آج کل بج رہا ہے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ہم صدیوں اکٹھے رہے ہیں۔ ہمارے رسم و رواج ایک جیسے ہیں۔ زبان اور پہناوا ایک جیسا ہے۔ ہمیں دو بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنا ہے اور بھارت کو اسی طرح بڑا بھائی تسلیم کریں جس طرح نیپال، مالدیپ اور بھوٹان نے کیا ہے لیکن یہ کب ممکن تھا۔ انجام ہم نے دیکھ لیا۔ پاکستان کے کلیجے میں خنجر اتر گیا۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا دشمن خوش تھا کہ اس نے اپنے مقصد میں آدھی کامیابی تو حاصل کر لی لیکن اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب اس کے دست راست بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کی ساری فیملی کو اس کے ساتھیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اس جرم کی پاداش میں کہ وہ بنگلہ دیش کی آزادی کا سودا بھارت سے کر رہا ہے اور بھارت کی طفیلی ریاست بن کر زندہ رہنے پر تیار ہے۔

بھارت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ سوچا تھا کیا اور کیا ہو گیا۔ اب اس کی دشمنی ایک پاکستان سے نہیں۔ دو پاکستانوں سے تھی اس نے پاکستان اور بنگلہ دیش دونوں کے خلاف سازشوں کے طوفان کھڑے کر دیئے لیکن دونوں اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ آزاد اور خود مختار ہیں اور بدترین حالات میں بھی اپنی عزت نفس کو جیسے تیسے سرخرو رکھے ہوئے ہیں لیکن حیرت ہوتی ہے پاکستان کے حکمرانوں پر جو زبردستی پاکستانی عوام پر مسلط ہیں اور ہر مسئلے پر مسلسل پسپائی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کو انہوں نے تاریخ کا بھولا سبق بنا دیا ہے۔ بھارت کی ہر زیادتی کو ہنس ہنس کر برداشت کرنے کا سبق دے رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں تباہی و بربادی کا سیلاب امڈا ہے اس کی پشت پناہی کون کر رہا ہے لیکن بزدل اور مصلحت کوش ہیں اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے حقائق پاکستانی عوام سے چھپاتے ہیں اور دشمن سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات بھی نہیں کرتے۔ یہ حکمران ہیں ہمارے؟ اور ایک وہ تھے جنہوں نے 1940ء کے خواب کو 1947ء میں حقیقت بنا دیا۔

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

اوباما یا مکین

مشہور دانشور نوم چومسکی کا کہنا ہے کہ امریکہ میں صرف ایک پارٹی ہے اور وہ ''بزنس پارٹی'' ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ امریکی یہودی دانشور واشنگٹن کی پالیسیوں کے سب سے بڑے ناقد ہیں لیکن ان کی بات کو اگر ہم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرحدوں سے ہٹ کر بھی دیکھیں تو جن جن ملکوں میں جمہوریت اور پارٹی سسٹم موجود ہے وہاں سیاسی جماعتوں کا اول و آخر مطمع نظر اقتدار اور کاروبار دولت ہی کا حصول بن چکا ہے اس رجحان میں کمی یا زیادتی کا البتہ تصور کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے قطعی انکار ممکن نہیں اس تناظر میں اگر ہم امریکی انتخابات اور خاص کر صدارتی انتخابات کا جائزہ لیں تو اس میں دولت اور مفادات وہ دو اہم عناصر ہیں جس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کے عالمی کردار پر شدید تنقید کی راہ ہموار کی تو دوسری جانب ہوس ملک گیری' تیل کے حصول' سفارتی جارحیت' ریاستوں کے الٹ پھیر اور حکمرانوں کے ادل بدل سے جہاں دنیا بھر میں واشنگٹن کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا ہے وہاں اس کے مفادات' تنصیبات کو بھی نقصان پہنچایا گیا ہے۔

امریکہ میں آج 44ویں صدر کے انتخاب کے لئے الیکٹورل کالج کے ارکان کے چناؤ کے سلسلے میں ووٹ ڈالے جا رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایوان نمائندگان کے 438 ارکان' سینٹ کی ایک تہائی نشستوں کے علاوہ بعض ریاستوں کی اسمبلیوں اور گورنرز کا بھی آج چناؤ ہو رہا ہے۔ امریکہ کے صدارتی انتخابات کے لئے سیاسی جماعتیں قریباً دو سال تک مہم چلاتی ہیں' کنویسنگ کرتی ہیں' فنڈز اکٹھے کئے جاتے ہیں اور مخصوص گروہوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ان سے عہد و پیمان بھی ہوتے ہیں۔ دنیا کی مہنگی ترین انتخابی مہم بھی اس موقع پر چلائی جاتی ہے تو دوسری جانب امریکہ کے عالمی کردار کے باعث دنیا بھر کے دارالحکومت اور عوام بھی چناؤ کے اس اہم عمل کو دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ لیکن عوام کو بالخصوص صدارتی انتخابات 2008ء سے خاص توقعات نہیں ہیں کہ امریکی قیادت اپنے استعماری طرز عمل اور جارحیت کی بجائے امن عالم کو ترجیح دے گی۔ جیو اور جینے دو کی پالیسی پر گامزن ہوگی یا پھر ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔

امریکہ میں یوں تو کئی سیاسی جماعتیں ہیں لیکن وقت' حالات اور روایات نے ہمیشہ وہاں دو سیاسی جماعتوں کو وفاقی سطح پر کردار ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔ اس بار بھی ڈیموکریٹک اور ری پبلیکن جماعتیں مد مقابل ہیں جن کے انتخابی نشان بالترتیب گدھا اور ہاتھی ہے آج امریکی' ڈیموکریٹ صدارتی امیدوار باراک حسین اوباما اور ری پبلیکن صدارتی امیدوار جان میکین کے لئے جس انتخابی کالج کا چناؤ کرنے جا رہے ہیں۔ یہ انتخابی کالج دسمبر میں امریکی صدر کا براہ راست چناؤ کریں گے اور ایسا امریکی تاریخ میں بہت ہی کم ہوا ہے کہ ووٹرز نے انتخابی کالج میں جس مخصوص پارٹی کے امیدواروں کو چنا ہو انہوں نے بعد میں کسی اور صدارتی امیدوار کے حق میں ووٹ دے دیا لہٰذا آج 4 نومبر 2008ء کی رائے شماری سے جو امیدوار کامیاب ہوں گے اس سے بخوبی اور حتمی نتیجہ سامنے آجائے گا کہ آئندہ سال 20 جنوری کو کون امریکی صدر کا حلف لے گا۔ امریکی صدارتی

انتخاب کے اس طریقہ کار کو بالواسطہ طور پر بلاواسطہ انتخابات (Indirectly Direct Election) کہتے ہیں۔ امریکہ چونکہ یورپ سے گئے آزاد خیال افراد کا بنایا ہوا ملک ہے لہٰذا وہاں کے طور طریقے' روایات آئین و قانون بھی دوسرے ممالک اور ریاستوں سے مختلف ہے اور صدر کا چناؤ بھی ان میں سے ایک ہے۔

گو کہ آج جارج واکر بش کی قانونی بربریت کا آخری دن ہے کہ اس کی عالمی دہشت گردی کو امریکی آئین و قانون کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ' نیٹو اور دنیا کی بیشتر ریاستوں نے تائید کی اور اس انتہائی غیر قانونی کارروائیوں کو جائز قرار دیا جس میں لاکھوں مسلمان ہلاک اور مضروب ہوئے لیکن اس کے باوجود 20 جنوری تک بش جونیئر وائٹ ہاؤس کے اوول آفس میں کام کرتے رہیں گے۔ اگرچہ امریکہ کی حقیقی اسٹیبلشمنٹ نے نو منتخب صدر کی خارجہ محاذ کے حوالے سے اہم پالیسیاں' ترجیحات تیار کر لی ہیں اور اہم افراد کی اہم جگہوں پر تقرری بھی کر لی ہے۔ (اور شاید یہی نئے امریکی صدر اس میں قدرے تبدیلی کرے) لہٰذا ایسی صورتحال میں کچھ غیر معمولی اقدامات ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ تاہم اوباما یا مکین دونوں کو منتخب ہونے کی صورت میں امریکہ کے معاشی بحران اور توانائی کی ابتر صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے علاوہ صحت' ٹیکس بے روزگاری' غیر قانونی امیگریشن' رئیل اسٹیٹ بحران' اسقاط حمل اور ماحولیاتی آلودگی جیسے مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ جبکہ خارجہ تعلقات کے میدان میں افغانستان' عراق' پاکستان' کشمیر' بھارت' مشرق وسطیٰ' عرب ریاستوں' ایران' چین' روس' یورپی یونین' شمالی کوریا اور جاپان ان کے لئے آزمائش اور امتحان کا باعث بنے گا۔ لہٰذا وہ خواہ اوباما ہوں یا مکین موجودہ صدر بش جونیئر ان کو جلتی دنیا کی مشعل ہی پکڑائیں گے (حالانکہ بش کی دہشت گردی کے سامنے مشعل انتہائی شریف اور معمولی لفظ ہے۔)

انتخابی جائزوں کے مطابق تو اب تک بارک حسین اوباما کو جان مکین پر کچھ پوائنٹس کی برتری حاصل ہے، لیکن امریکی تاریخ میں بعض اوقات ایسے بھی ہوا ہے کہ انتخابات سے قبل کے جائزوں میں جو صدارتی امیدوار جیت رہا ہوتا ہے اسے شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود ان سطور کے لکھے جانے تک صرف دونوں امیدواروں کے پوائنٹس میں تھوڑا فرق تھا بلکہ تب تک القاعدہ کا کوئی اہم رہنما بھی نہیں پکڑا گیا لہٰذا گزشتہ انتخابات کی طرح آج کے انتخابات میں بھی امریکہ کی سوئنگ سٹیٹس یعنی فلوریڈا اوہائیو نارتھ کیرولینا ورجینا انڈیانا' میسوری کلوریڈو' ہنوو شمالی کیرولینا' شمالی ڈکوٹا اور مغربی ورجینا فیصلہ کن کردار ادا کریں گی اور دونوں امیدواروں اور ان کے نائبین نے اپنے آخری ایام ان ریاستوں کے ووٹرز کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں گزاریں۔ 2008ء کے انتخابات میں بھی کچھ سابقہ ریکارڈ ٹوٹ رہے ہیں مثلاً یہ کہ پہلی بار ایک سیاہ فام (بارک اوباما) صدر کا امیدوار ہیں تو پہلی بار ایک خاتون (سارہ پیلن) نائب صدارت کی امیدوار ہیں۔ بارک اور مکین بالترتیب کم ترین اور عمر رسیدہ صدارتی امیدوار ہیں۔ دونوں جماعتوں کے صدارتی اور نائب صدارتی امیدواروں میں سے کوئی حاضر سروس فوجی نہیں جبکہ چاروں کا ماضی داغدار ہے۔ 2008ء کے انتخابات امریکہ کے مہنگے ترین انتخابات ہیں۔

صدارتی امیدواروں کے بیانات کا اگر ہم جائزہ لیں تو اس میں انتہا پسندی اور مسلم مخالف جذبات خاصے نمایاں ہیں۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار بارک اوباما نے کہا ہے کہ اگرچہ بھارت پاکستان کا روایتی حریف ہے لیکن پاکستان کی سلامتی کو اصل خطرہ دہشت گردی سے ہے۔

عسکریت پسندوں کے خاتمے کے لئے مسئلہ کشمیر کا پائیدار حل ناگزیر ہے۔ اوباما جنہیں امریکہ میں اب تک رائے عامہ کے تمام جائزوں کے مطابق اپنے ریپبلکن پارٹی کے حریف جان مکین پر سبقت حاصل ہے نے کہا تھا کہ وہ صدر منتخب ہونے کے بعد طالبان کے اندر سب سے اعتدال پسند دھڑے سے مذاکرات کر سکتے ہیں اور عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد وہ جتنا جلد سے جلد ممکن ہو سکا خلیج گوانتاموکیوبا کا قید خانہ بند کرنے کا اعلان کریں گے۔ وہ بش انتظامیہ کے پالیسی کے خلاف ہیں۔ جس میں صدر بش نے ڈکٹیٹر مشرف کی حمایت کی تھی جنہوں نے اپنے لوگوں کے جمہوری حقوق کو پامال کیا۔ اوباما کا کہنا ہے کہ پاکستان میں موجود جمہوری حکومت کی حمایت کرتے ہیں اور عہدہ صدارت سنبھالنے کی صورت میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے ان سے تعاون جاری رہے گا۔ وہ حمت پاکستان سے اس بات پر بھی تعاون چاہیں گے کہ مشرف حکومت کو دی گئی گیارہ بلین ڈالر کی امداد کا کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی انتظامیہ پاکستان کو غیر فوجی امداد دے گی جس کی پاکستان کو اپنے لوگوں کی غربت اور ناخواندگی ختم کرنے کے لئے سخت ضرورت ہے۔ اوباما اپنی انتخابی مہم میں کہہ چکے ہیں کہ افغانستان اور پاکستان کے مخصوص حالات میں وہ طالبان کے اندر سب سے معتدل گروہ سے مذاکرات کرنے کو تیار ہونگے کیونکہ امریکہ کا اول دشمن القاعدہ ہے۔ منتخب ہونے پر وہ اسامہ بن لادن کو ہر حال میں پکڑیں گے اور ضروری ہوا تو ان پر سزائے موت کا اطلاق کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ عراق اور افغانستان میں امریکی افواج کے کمانڈر جنرل ڈیوڈ پیٹرس کی تجویز سے متفق ہیں کہ طالبان کے اندر اہم لیکن سب سے اعتدال پسند گروہ سے مذاکرات کیے جا سکتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کے لئے اوباما کی صدارتی مہم ایک ''فیئری ٹیل'' یا دیومالائی داستان ہے۔ جس کی ''ہیپی اینڈنگ'' کا انہیں انتظار تو ہے لیکن یقین نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوباما کی جن خوبیوں اور وعدوں نے انہیں عالمی سٹیج پر مقبولیت دلائی ہے، عام امریکیوں کے لئے ان میں زیادہ کشش نہیں۔ ایک عام امریکی شہری کو سستا تیل چاہئے دنیا کی محبتیں نہیں۔ ساتھ ہی اسے اپنے اقتصادی مفاد کا تحفظ چاہئے اور عسکریت پسندی سے حفاظت۔ وہ دنیا میں امریکہ کی ساکھ بحال کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر یہی وعدے جان مکین نے کیے ہوتے تو امریکی انہیں بھی اتنا ہی پسند کرتے؟ امریکی رائے دہندگان کا اس حوالے سے کہنا تھا کہ غالباً نہیں، چونکہ بہت سے لوگ شاید اس لئے اوباما کے حق میں ہیں کہ جان مکین کی شکست کو وہ صدر بش کی شکست سے تعبیر کرتے ہیں اور مقبولیت کے جس پیمانے کے ایک سرا پر اوباما ہیں اس کا دوسرا سرا صدر بش نے سنبھال رکھا ہے۔ اوباما کے سیاسی نظریات عالمی سطح پر ان کی مقبولیت کا شاید ضمنی پہلو ہیں۔ دنیا میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان کی ''پرکشش شخصیت'' اور ان کی حیرت انگیز کہانی سے متاثر ہوئی ہے۔ بقول شخصے میں اوباما کو سیاست کے ٹینس سٹار جان فیڈرر یا گولفر ٹائیگر وڈز کے طور پر دیکھتا ہوں۔ صاف ستھرا کردار، انداز میں شائستگی اور مزاج میں عزم اور جب وہ تقریر کرتے ہیں تو لوگ سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، دیکھنے میں کسی فلم سٹار یا ماڈل سے کم نہیں اور ان کی مسکراہٹ ان کے مداحوں کے دلوں میں اتر گئی ہے۔ ہمیں اصل زندگی میں بھی ہیروز کی تلاش رہتی ہے اور جان مکین اور اوباما میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں۔ واضح رہے کہ امریکہ میں نسل پرستی کوئی راز نہیں۔ مارٹن لوتھر کنگ نے صرف 45 برس پہلے وہ انقلابی تقریر کی تھی جو ''آئی ہیو اے ڈریم'' (میرا ایک خواب ہے) کے عنوان سے تاریخ کا حصہ بن گئی ہے۔ اتنے کم عرصے میں کسی سیاہ فام سیاست دان کا وائٹ ہاؤس کے اتنے قریب پہنچ جانا غیر معمولی بات ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا اس ''فیئری ٹیل'' کی ''ہیپی اینڈنگ'' ہوگی یا نہیں؟ باہر کی

دنیا نے اپنا فیصلہ پہلے ہی سنا دیا ہے لیکن لگتا ہے کہ آج کے انتخاب میں باراک حسین اوباما کی اس حیرت انگیز داستان کی پسندیدگی سے متعلق فیصلہ ہو گا۔

ایک تھنک ٹینک کے مطابق امریکہ کے صدارتی انتخابات سینیٹر باراک اوباما کو سیاہ فام آبادی کی ریکارڈ حمایت حاصل ہے جبکہ جان مکین کو سیاہ فام آبادی کی حمایت کی شرح صرف 22 اعشاریہ آٹھ فیصد ہے۔ امریکی تھنک ٹینک کے سینئر ریسرچ ایسوسی ایٹ کا کہنا ہے کہ سیاہ فام آبادی کا ووٹ فلوریڈا، ورجینیا، شمالی کیرولائنا، اوہائیو، انڈیانا، میزوری جیسی کانٹے کے مقابلے کی ریاستوں میں فیصلہ کن ہے اور مسی سپی، کینٹکی اور جارجیا میں سیاہ فام ووٹروں کا ریکارڈ ٹرن آؤٹ ہوتا ہے۔ یہ دعوے تھنک ٹینک جوائنٹ سینٹر فار پولیٹیکل اینڈ اکنامک سٹڈیز نے اپنے تازہ رائے عامہ کے جائزوں میں بتائی ہے۔ رپورٹ کے مطابق گذشتہ چار برسوں کے دوران ری پبلیکن پارٹی کے لئے سیاہ فارم ووٹروں کا ریکارڈ ٹرن آؤٹ ہوتا ہے۔ یہ دعوے تھنک ٹینک جوائنٹ سینٹر فار پولیٹیکل اینڈ اکنامک سٹڈیز نے اپنے تازہ رائے عامہ کے جائزوں میں بتائی ہے۔ رپورٹ کے مطابق گذشتہ چار برسوں کے دوران ری پبلیکن پارٹی کے لئے سیاہ فام ووٹروں کی حمایت میں ساٹھ فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ جوائنٹ سینٹر فار ڈیوڈ بسٹائیس کا کہنا ہے کہ سیاہ فام آبادی کی اتنی بڑی اکثریت سے ڈیموکریٹک پارٹی کی امیدوار سینیٹر باراک اوباما کو سیاہ فام ووٹروں کی حمایت دو ہزار چار کے انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی کے سینیٹر جان کیری کو سیاہ فام آبادی کی حاصل حمایت سے اکتالیس فیصد زیادہ ہے۔ سروے میں بتایا گیا ہے کہ سیاہ فام آبادی میں سابق صدر بل کلنٹن کے بارے میں بھی سیاہ فام آبادی کی حمایت ان کی پرائمیریز میں ملنے والے انتخابی ریٹنگ سے بہتر نکلی ہے۔ رائے عامہ کے ان جائزوں میں بتایا گیا ہے کہ افریقی امریکی ووٹروں میں جارج بش کی حمایت انتہائی نچلی سطح تک پہنچ گئی ہے۔ جو کہ اب تک کسی بھی امریکی صدر کے لئے سیاہ فام آبادی کی حمایت میں کمی کی سب سے نچلی سطح ہے۔

ادھر ایک بین الاقوامی خبر رساں ادارے کے بائیس ممالک میں کیئے گئے ایک عوامی جائزے کے مطابق امیدوار بارک اوباما کو امریکہ کا صدر دیکھنا چاہتی ہے جبکہ ان کے حریف جان مکین کو سروے میں بائیس ہزار پانچ سو افراد سے ان کی رائے حاصل کی گئی تھی۔ جائزے میں باراک اوباما کو مکین کے مقابلے میں چار گنا زیادہ حمایت حاصل تھی۔ یہ سروے آسٹریلیا، برازیل، کینیڈا، چین، مصر فرانس، جرمنی، بھارت، انڈونیشیا، اٹلی، کینیا، لبنان، میکسیکو، نائجیریا، پانامہ، فلپائن، پولینڈ، روس، سنگاپور، ترکی، عرب امارات اور برطانیہ میں کیا گیا تھا۔ بائیس میں سے سترہ ممالک میں عام تاثر یہ تھا کہ اوباما کی صدارت میں امریکہ کی پوری دنیا سے رشتے بہتر ہو نگے۔ جبکہ 19 ممالک میں لوگوں کی یہ رائے تھی کہ اگر مکین منتخب ہوتے ہیں تو تعلقات ایسے ہی رہیں گے جیسے صدر بش کے دور میں ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دوسرے ڈیموکریٹک اور ری پبلیکن پارٹی کی جانب سے نائب صدر کے لئے امیدواروں کے ناموں کے اعلان سے پہلے کیا گیا تھا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ جائزہ بارک اوباما کو ذرائع ابلاغ میں ملنے والی زبردست کوریج کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ باراک اوباما کی جان مکین پر کم سے کم سبقت 5 فیصد جبکہ زیادہ سے زیادہ بیاسی فیصد رہی۔ بھارت میں باراک ابامہ کی حمایت کرنے والے جان مکین کے حامیوں سے نو فیصد زیادہ تھے جبکہ کینیا میں یہ فرق بیاسی فیصد تھا۔ اوسطاً انچاس فیصد نے اوباما کے حق میں ووٹ دیا تو بارہ فیصد نے مکین کے حق میں جبکہ دس میں سے چار افراد نے اپنی رائے ہی ظاہر نہیں کی۔ تقریباً چھیالیس فیصد افراد کا یہ خیال تھا کہ اوباما

کی صدارت میں امریکہ کے دیگر ممالک کے ساتھ رشتے بہتر ہونگے۔ جبکہ بائیس فیصد کا کہنا تھا کہ رشتے بہتر ہوں گے جبکہ بائیس فیصد کا یہ کہنا تھا کہ اگر مکین صدر بنتے ہیں تو امریکہ کے دیگر ممالک کے ساتھ رشتے بہتر ہونگے۔ یہ تاثرات صرف چین، بھارت اور نائجیریا میں پائے گئے ہیں جبکہ مصر، لبنان، روس اور سنگاپور میں لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ اگر اوباما صدر بنتے ہیں تو ان رشتوں میں کوئی بہتری نہیں آئے گی۔ جو ممالک اوباما کی صدارت میں امریکہ کے پوری دنیا سے بہتر تعلقات کے لئے پر امید ہیں ان میں نیٹو اتحاد کے ممالک جیسے کینیڈا، 69 فیصد، اٹلی 64 فیصد، فرانس 62 فیصد، جرمنی 61 فیصد، برطانیہ 54 فیصد، آسٹریلیا 62 فیصد، کینیا 87 فیصد اور نائیجیریا 71 فیصد شامل ہیں۔

سیاست میں بہت کچھ یا دوسرے معنوں میں سب کچھ جائز ہوتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ جس کی بنیادی انفرادیت اور فرد کی خوشی پر قائم ہو وہاں پر دوسرے کے فائدے کے بارے میں کم ہی سوچا جاتا ہے، اور اس کا اظہار انتخابی مہم کے دوران بھی دیکھنا پڑا جب امیدواروں نے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا۔ مغربی ریاست نیواڈا میں ایک ریلی سے خطاب کرتے ہوئے بارک اوباما نے اکتوبر میں کہا تھا کہ جان مکین کی جانب سے ''ووٹروں کو گھٹیا فون کال کی جارہی ہیں، گمراہ کن اشتہارات جاری کئے گئے ہیں اور بغیر سوچ سمجھے کچھ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔'' ادھر جان مکین نے اپنے مداحوں سے کہا ہے کہ وہ کامیابی کی امید نہ چھوڑیں۔ نیو میکسیکو میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک ''فائٹر'' ہیں یعنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کرتے۔ ادھر امریکی عوام سیاستدانوں کو ایک دوسرے پر حملے کرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے، وہ تو یہ سننا چاہتے ہیں کہ ہم انہیں درپیش مسائل کس طرح حل کریں گے۔ جان مکین بار بار اپنی تقاریر میں اوباما کی ٹیکس پلان کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اوباما شوشلسٹ نظریہ کے حامی ہیں اور لوگوں کی دولت دوسروں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ مکین بدستور خود کو صدر جارج بش سے مختلف ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم آئندہ چار سال اسی انداز میں گزار سکتے جیسے ہم نے پچھلے آٹھ سال گزارے ہیں۔ اس امید میں کہ ملک میں اور ملک کے باہر ہماری قسمت خود بخود بدل جائے گی۔ ایک امریکی نیوز نیٹ ورک نے دعویٰ کیا ہے کہ سینیٹر جان مکین کی انتخابی مہم میں ان کے حامی اپنے ہی امیدوار کے مسلمان حامیوں سے الجھ کر انہیں اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ دوسری طرف باراک اوباما کے خلاف مہم میں نفرت اور غصے پر مبنی پیغامات روبوکالز یا خودکار ٹیلی فون کالز سمیت مختلف ذرائع سے استعمال کئے جارہے ہیں۔ ''امریکن نیوز پروجیکٹ'' نامی ایک نیٹ ورک جان مکین کی شمالی ورجینیا میں ریلی کی ایک ویڈیو یوٹیوب (you tube) پر بھی جاری کی ہے جس میں جان مکین کے حامی مسلمانوں پر شدید زبانی حملے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ سرخ شرٹ جس کے پیچھے ''اوباما فار چینج'' تحریر ہے پہنے ہوئے ایک شخص سینیٹر جان مکین کی حامی ایشیائی یا جنوبی ایشیائی لگنے والی خاتون سے اسلام پر ایک شدید بحث میں الجھا نظر آتا ہے۔ اس شخص نے سرخ ٹی شرٹ میں انگریزی لکھے ہوئے نعرے میں اوباما فار چینج کے آخری حرف پر ''درانتی'' بنی ہوئی جس سے مراد باراک اوباما کو شوشلسٹ یا کمیونسٹ ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ایک خاتون کو یہ کہتے دکھایا گیا ہے کہ ''تم لوگوں کو شرم آنی چاہیے، ہم لوگ مسلمان ہیں اور تم لوگ ہمیں اوباما کو ووٹ دینے پر مجبور کر رہے ہو، جبکہ رپورٹوں کے مطابق وہ ریاستیں جہاں کانٹے کا مقابلہ ہے اور جو ریاستیں سوئنگ یا بیٹلفیلڈ سٹیٹس کہلاتی ہیں یعنی فلوریڈا، میزوری، شمالی کیرولائنا، کولاراڈو اور اوہائیو میں شہری ہر روز اپنے گھروں کے ٹیلی فون پر دس سے بیس کالیں وصول کرتے ہیں۔ جن میں پیغام ہوتا ہے۔ ''میں جان مکین کی طرف سے بول رہا ہوں۔ کیا

آپ جانتے ہیں کہ اوباما کا تعلق مقامی دہشت گرد بل آئرس" سے ہے۔ ایسی آٹو میٹیڈ کالوں کو روبو کالز کہا جاتا ہے کہ جو کمپیوٹر پر مخصوص سافٹ ویئر لگانے سے آئی پی ایس کے ذریعے سے روبو کالیں بھیجتا رہتا ہے جس پر اصل میں خرچہ فی کال چوتھائی پینی یا شلنگ سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری طرف بارک اوباما کے خلاف مکین مہم کی ریلیوں میں گورنر الاسکا سارہ پالین اور ان کے حامیوں کی طرف سے باراک اوباما کو دہشت گردی سے نتھی کرنا روز کی بات ہے جبکہ پالین کے حامی باراک اوباما کو "باراک حسین اوبامہ" اوباما اسامہ اور "اوباما بن لادن" تک کہا جاتا رہا ہے لیکن گذشتہ دنوں امریکہ کے سابق سیکریٹری خارجہ کولن پاؤل کی طرف سے باراک اوباما کی حمایت کی توثیق کو بہت سے تجزیہ نگار باراک اوباما کے خلاف نہ صرف نسلی اور نفرت انگیز حملوں میں کمی آئے گی بلکہ اوباما کی اقلیتی اور کثیر النسلی حمایت میں بھی اضافہ ہوگا۔ تجزیہ نگار کولن پاؤل کی گذشتہ دنوں "میٹ دی پریس" میں ان کے بیان کے اس حصے کو سراہ رہے ہیں۔ جس میں انہوں نے باراک اوباما کے مخالفین سے کہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ باراک اوباما مسلمان ہے۔ اول تو وہ عیسائی ہے اگر اوباما مسلمان ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" کولن پاؤل نے ایک پاکستانی اور مسلمان نوجوان کی مثال دی جو گیارہ ستمبر کو چودہ سال کا تھا اور پھر انیس برس کی عمر میں امریکی فوج میں بھرتی ہونے چلا گیا اور حال ہی میں عراق میں ایک حملے میں ہلاک ہوا تھا اور جو آرلنگٹن کے قومی قبرستان میں دفن ہے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے سرگرم کارکن اور ڈیموکریٹس پارٹی کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے والے پاکستانی علی مرزا کا کہنا ہے کہ وہ مسلمان جو پہلے ڈیموکریٹس نہیں تھے جان مکین کے حامیوں کی طرف سے ان کی کردار کشی کی وجہ سے باراک اوباما کو ووٹ دے سکتے ہیں۔

ری پبلیکن پارٹی کے جلسوں میں آنے والے کئی لوگوں نے کبھی نعرے بازی سے تو کبھی فقرے کس کر یہ تاثر قائم کرنے کوشش کی کہ اوباما مسلمان ہیں اور دہشت گرد بھی۔ کچھ دیر کے لئے تو شاید ان نعروں کو چند ناسمجھ لوگوں کا غصہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا لیکن کئی مقامات پر ری پبلیکن پارٹی کے پلیٹ فارم سے پارٹی قائدین نے بھی اس طرح کی باتوں کو ہوا دینے کی کوشش کی تھی۔

پینسلونیا ریاست میں ری پبلیکن پارٹی کے ایک اعلیٰ اہلکار بل پلیٹ نے اپنی تقریر میں کہا کہ "ذرا سوچیے" پانچ نومبر کی صبح آپ جب سو کر اٹھیں گے اور خبروں میں سنیں گے کہ بارک اوباما آپ کے صدر بن گئے ہیں تو آپ کو کیسا لگے گا؟ لیکن اگر کسی کے نام کے ساتھ حسین جڑا ہوتا ہے تو اس میں ڈرنے یا ڈرانے والی ایسی کیا بات ہے؟ سینٹر فار امریکن پراگریس نامی تھنک ٹینک سے وابستہ شان گبز کے خیال میں بار بار حسین کا ذکر کرنے کے پیچھے دو مقاصد کارفرما ہیں۔ "یہ نام شاید کچھ لوگوں کو صدام حسین کی یاد دلاتا ہے، دوسرا یہ دکھاتا ہے کہ بارک اوباما یہاں کے لوگوں سے الگ ہیں، ان کی سوچ الگ ہے، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور یہ حملے اوباما کی جانب سے کئی مرتبہ یہ واضح کیے جانے کے باوجود جاری ہیں کہ وہ مسلمان نہیں عیسائی ہیں۔ کئی ری پبلیکن پارٹیوں میں کھل کر اس خوف کا اظہار کیا جارہا ہے۔ کوئی انہیں عرب سمجھتا ہے تو کسی کو ڈر ہے کہ وہ ملک کے دشمنوں کا ساتھ دیں گے۔ اگرچہ جان مکین نے اس تاثر کو غلط قرار دیا ہے لیکن کئی قدامت پسند ریپبلکن رہنما ہیں جو اس خوف کو غلط نہیں مانتے۔ عیسائی قدامت پسند ادارے، "امریکن ویلیوز" کے سربراہ گیری بوئر کا ریپبلکن ووٹروں میں کافی اثر و رسوخ ہے اور وہ کھل کر کہہ رہے ہیں کہ اوباما کے بارے میں جو خدشات ہیں وہ بے بنیاد نہیں لیکن جائزوں کے مطابق اوباما مکین سے آگے جارہے ہیں تو ظاہر ہے کہ انہیں ہر رنگ و نسل کے لوگ

ووٹ دے رہے ہونگے۔ پھر انہیں کس بات کی فکر ہوسکتی ہے؟ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ امریکہ میں آج جب کچھ ووٹر پولنگ میں داخل ہونگے تو باراک اوباما کے نام اور ان کے رنگ اور نسل کو بھلا نہیں پائیں گے۔

اوباما کی انتخابی مہم میں ایک اور موڑ اس وقت آیا جب ڈیموکریٹ صدارتی امیدوار کے قتل کا انکشاف ہوا۔ حکام کے مطابق پال اور ڈینیئل کو وارٹ نے "قتل کی سازش کی جس کے تحت درجنوں سیاہ فام افراد کو ہلاک کیا جانا تھا اور باراک اوباما کو قتل کرنا سازش کا منتہائے مقصود تھا" جبکہ اوباما نے کہا تھا کہ انہیں اس خبر سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ اس طرح کے گروپ جنہیں نفرت سے کام رہتا ہے امریکی مستقبل کا حصہ نہیں ہیں۔ حکام کے مطابق گرفتار افراد کو جن کی عمریں اٹھارہ اور بیس برس ہیں پہلی مرتبہ گزشتہ پیر کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ حکام کے مطابق ان افراد سے ایک رائفل، ایک شارٹ گن اور تین پستول برآمد کیے گئے۔ ان افراد پر الزام ہے کہ انہوں نے صدارتی امیدوار کو دھمکیاں دیں۔ غیر قانونی طور پر اسلحہ رکھا اور ایک گن ڈیلر کو لوٹا۔ گرفتار شدگان کا تعلق سفید فاموں کی ایک نسل پرست تنظیم سے ہے۔

ادھر کانٹے کے مقابلے والی ریاستوں کے دیہی علاقوں میں جو روایتی طور رپبلیکن پارٹی کا حمایتی حلقہ مانے جاتے ہیں۔ رپبلیکن پارٹی کے امیدوار جان مکین کی انتخابی مہم کے دوران حمایت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ ان دیہی علاقوں نے 2004ء میں صدر بش کے انتخابات جیتنے میں فیصلہ کن کردار کیا تھا۔ دیہی امریکہ میں جہاں جارج بش 2004ء میں بھاری اکثریت سے دوبارہ منتخب ہوکر آئے تھے وہاں اب ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار باراک اوباما ایک فیصد آگے ہیں۔ دیہی امریکہ اور آنے والے انتخابات پر نظر رکھنے والے مبصرین کے مطابق، کانٹے کے مقابلے یا سوئنگ ریاستوں والے دیہی علاقوں میں باراک اوباما کو جان مکین پر ایک فیصد حمایت کی بھی برتری جان مکین کے لئے انتہائی بری خبر ہے۔ رائے عامہ کو یہ جائزے کانٹے کے مقابلے کی ریاستوں نیو ہمپشائر، پینسلوینیہ، اوہائیو، مشی گن، وسکانسن، آئیووا، منی سوٹا، میزوری، فلوریڈا، ورجینیا، کولوراڈو، نیو میکسیکو اور نیواڈا کے دیہی علاقوں میں کیے گئے ہیں۔ رائے عامہ کے جائزوں میں بتایا گیا ہے کہ روایتی طور کانٹے کی ریاستوں میں دیہی علاقوں میں ووٹروں کا ری پبلیکن پارٹی کی روایتی حمایت چھوڑ کر ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف چلے جانے کی بڑی وجہ اقتصادی مسائل ہیں۔

جان مکین کے ساتھی نائب صدارتی امیدوار سارہ پالین کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ سارہ پالین میں وہ صلاحیتیں موجود نہیں، جو ملک کی نائب صدر بننے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ نیویارک ٹائمز اور سی بی ایس کے ایک جائزے کے مطابق جن ووٹروں سے رابطہ کیا گیا، ان میں سے 59 فیصد کا یہ خیال ہے کہ سارا پالین نائب صدر کے عہدے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تقریباً ایک تہائی ووٹروں کا خیال ہے کہ نائب صدر کے لئے جان مکین کا انتخاب ان کے اس فیصلہ پر اثر انداز ہوگا کہ وہ کسے ووٹ دیں گے اور ان میں سے زیادہ تر ووٹر باراک اوباما کی حمایت کررہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زیادہ تر ووٹروں کے خیال میں جان مکین کے مقابلے میں باراک اوباما اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لئے زیادہ اہل لوگوں کا انتخاب کریں گے۔ نسل سے متعلق بعض تاثرات بدل رہے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے جن کے خیال میں سیاہ اور سفید فام لوگوں کے وہائٹ ہاؤس میں پہنچنے کا برابر کا موقع ہے۔ جائزے کے مطابق نواسی فیصد لوگ سمجھتے ہیں کہ معیشت کی حالت خستہ ہے اور پچاسی فیصد کے خیال میں ملک غلط راستے پر ہے۔ معیشت، حفظان صحت اور عراق کی جنگ جیسے اہم موضوعات پر

باراک اوباما کو بدستور سبقت حاصل ہے۔ باراک اوباما کے صدر منتخب ہونے کی راہ میں اس وقت ان ووٹروں کو سب سے بڑا خطرہ مانا جارہا ہے جو جائزوں میں تو یہ کہہ دیتے ہیں وہ باراک اوباما کو ووٹ دینگے لیکن پولنگ بوتھ میں جا کر سفید فام امیدوار کو ووٹ دے دیتے ہیں لیکن اب جائزے میں حصہ لینے والے دو تہائی ووٹروں کا کہنا ہے کہ آج کے معاشرے میں نسل کا وہائٹ ہاؤس تک پہنچنے کے امکانات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جولائی میں یہ تعداد صرف پچاس فیصد تھی اور اس وقت چودہ فیصد کا کہنا تھا کہ جتنے لوگوں کو وہ جانتے ہیں ان میں سے زیادہ تر سیاہ فام صدارتی امیدوار کو ووٹ نہیں دیں گے، لیکن اب ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت کم ہوگئی ہے۔ دوسری جانب یہ صورت حال بھی رہی کہ ری پبلیکن پارٹی کے بعض حامی صدارتی انتخاب سے اس قدر مایوس ہو گئے ہیں اور اب کسی معجزے کے منتظر ہیں۔ امریکہ کی سب سے بڑی ریاست کیلیفورنیا کے دارالحکومت سیکرامینٹو سے شائع ہونے والے ایک بڑے علاقائی اخبار "سیکرامینٹو بی" کے کاپی ایڈیٹر گیری اولسن کا کہنا ہے کہ انہیں بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جان مکین شاید اوباما پر سبقت حاصل نہ پائیں۔ تاہم اگر اسامہ بن لادن یا القاعدہ کا کوئی بڑا کمانڈر گرفتار ہو جائے یا مارا جائے تو پھر آخری وقت پر بھی بازی پلٹ سکتی ہے لیکن پاکستان کے قبائلی علاقے میں امریکی میزائل حملوں اور افغانستان و عراق میں اتحادیوں کی بربریت سے امریکہ کو ایسی کوئی کامیابی نہیں مل سکی۔ گیری اولسن نے جو انتہائی پکے ری پبلیکن ہیں نے یہ بھی کہا تھا کہ جان مکین کے جیتنے کی دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر اسامہ بن لادن اوباما کے حق میں بیان دے دیں تو بھی جان مکین اپ سیٹ کر سکتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہائٹ ہاؤس میں سیاہ آدمی کا صدر ہونا امریکیوں کو کیسا لگے گا تو سیکرامینٹو کے کاپی ایڈیٹر نے کہا کہ "بات چمڑی کی رنگت کی نہیں ہے، اوباما بہت ذہین، اچھے مقرر ہیں اور اگر منتخب ہوتے ہیں تو امریکہ کے بہترین صدر ہونگے۔ مشہور امریکین پروگرام لیری کنگ لائیو میں رونالڈ ریگن کے بیٹے ران ریگن سے پوچھا گیا تھا کہ کیا باراک اوباما سوشلسٹ ہیں تو انہوں نے کہا "وہ سوشلسٹ تو نہیں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ میں امیر نہیں اس لئے مجھے ان کی دولت پھیلانے والی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یعنی یہ جو اوباما کہتے ہیں کہ بڑی بڑی کمپنیوں پر ٹیکس لگا کر چھوٹے کاروبار اور محنت کش اور متوسط لوگوں پر ٹیکس گھٹانے کی بات" ایک اور ووٹر مسز ڈینس اگوائر کا کہنا تھا کہ وہ قدامت پسند عیسائی ہیں۔ جان مکین اور سارہ پالین بھی قدامت پسند عیسائی ہیں۔ اس لئے میں ان کی حمایت کرتی ہوں۔ یہ میرے عقیدے کی تعلیمات کے مطابق ہیں لیکن مجھے یقین نہیں کہ جان مکین اور سارہ پالین یہ انتخابات جیت جائیں گے۔ ایک اور امریکی ڈینس کہتی ہیں کہ وہ سارہ پالین کی اس لئے حمایت نہیں کرتی کہ وہ خاتون ہے۔ ڈینس کے مطابق، جنس امریکہ میں کبھی مسئلہ نہیں رہا لیکن بقول ان کے بدقسمتی سے یہ دونوں امیدوار قدامت پسند عیسائی ہیں۔ خدا امریکہ پر رحم کرے۔" لیکن ڈیموکریٹک پارٹی کی نیویارک میں جنوبی ایشیائی قومی کمیٹی کے رکن علی مرزا مانتے ہیں۔ کہ شروع شروع میں سارہ پالین کے نائب صدارت کی امیدوار کے طور پر سامنے آجانے پر ڈیموکریٹس کے کیمپ میں دلچسپی اور جوش و خروش پایا گیا تھا۔ کیونکہ ریپبلیکنز نے اپنی تاریخ میں پہلی بار کسی خاتون کو نائب صدارت کے لئے امیدوار منتخب کیا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا ہے تو سارہ پالین کے غبارے سے بھی ہوا نکلتی جارہی ہے۔ لیری کنگ اپنے شو میں سارہ پالین کے متعلق کہہ رہے تھے۔ "اب تو ان کے (سارہ) بارے میں ہر روز ہر گھنٹے نیا انکشاف، نئی بات سامنے آتی رہتی ہے۔" امریکہ میں مسلمانوں کے کوئی پانچ لاکھ ووٹ ہیں جن میں سے تین لاکھ کے قریب ووٹ نیویارک ریاست میں ہیں جن میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ پچھتر ہزار ووٹ پاکستانیوں کے

رجسٹرڈ کروائے ہوئے ہیں۔ گذشتہ دنوں ایک لیگ آف مسلم ویمن نامی تنظیم نے مقامی اسلامک سینٹروں میں جا کر پاکستانیوں سمیت مسلمان خواتین کے ووٹ رجسٹرڈ کروانے کی ترغیب دی تھی۔ انہوں نے ''پچاس فیصد پاکستانی مسلمان عورتوں کے ووٹ رجسٹر کیے۔'' جان مکین کی مہم میں باراک اوباما کے خلاف منفی مہم اور اسے مسلمانوں سے جوڑنے مسلمانوں اور پاکستانی ووٹروں کو بارک اوباما کے حق میں کر دیا ہے۔ دانشور ڈاکٹر منظور اعجاز جو گذشتہ تقریباً تین دہائیوں سے امریکہ میں مقیم ہیں اور سرگرم ڈیموکریٹک بھی ہیں کہتے ہیں کہ بات امریکہ میں الیکشن سے نہیں اس سے آگے کی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ امریکہ تبدیلی چاہتا ہے۔ امریکہ وہ نہیں رہا جو آٹھ سال پہلے تھا۔ امریکہ اپنی سمت تبدیل کر رہا ہے۔ ''امریکہ میں کئی ببلز آئے ہوئے ہیں۔ سٹاک ببل، ہاؤسز ببل اور اب سیاست یا اوباما ببل، ببل پھٹنا چاہتا ہے۔ کسی بھی طرح ہوا میں معلق نہیں رہنا چاہتا۔ الیکشنز تو محض ایک کاسمیٹک چینج یعنی نمائشی تبدیلی ہوگی، اور یہی سچ ہے کہ انتخابات تو محض ایک تماشا ہے۔ جس سے امریکہ کے داخلی حالات پر تو اثر پڑے گا لیکن واشنگٹن کی خارجہ پالیسی میں کوئی بڑی تبدیلی ہوتی نظر نہیں آ رہی۔

امریکی خارجہ پالیسی کے ماہر سٹیون کک کا کہنا ہے کہ انتخابات میں منتخب ہو کر آنے والے صدر کے لئے امریکی خارجہ پالیسی میں سب سے بڑا چیلنج پاکستان ہوگا۔ صدر کوئی بھی منتخب ہو کر آئے اس سے قطع نظر کہ اسامہ بن لادن کہاں ہے ان کی موجودگی کے بارے میں مصدقہ اطلاع پا کر امریکہ حملہ کرے گا۔ امریکی اسامہ بن لادن کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں اور آخر کار وہ اسے ڈھونڈ ہی نکالیں گے اور پھر انصاف کے کٹہرے تک بھی لے آئیں گے۔ انہوں نے کہا صدر کوئی بھی ہو اسے ڈھونڈ نکالنے کی امریکی پالیسی وہی رہنے کا امکان ہے۔ نئی امریکی انتظامیہ کے لئے خارجہ پالیسی میں سب سے بڑا چیلنج یہ ہوگا کہ پاکستان کے بارے میں کیا کیا جائے۔ ویسے بھی پاکستان پر بش انتظامیہ کی پالیسی کبھی سمجھ میں نہیں آئی۔ ایسے لگتا ہے کہ بش انتظامیہ نے پاکستان میں آدھا تیتر آدھا بٹیر والی صورتحال پیدا کیے رکھی۔ انہوں نے کہا کہ منتخب صدر، پاکستان کی طرف امریکی پالیسیوں پر نئی لیکن کڑی نگاہ دوڑائیں گے۔ خاص طور پر موجودہ پالیسی کو جو کہ ''ہاٹ پرسوٹ'' والی پالیسی نہیں بلکہ عسکریت پسندوں کے مشتبہ ٹھکانوں کی اطلاعات پر آگے پیچھے کارروائیاں کرتے رہنے کی پالیسی ہے اور یہ بھی کہ اس پالیسی سے کس حد تک پاکستان کا استحکام متاثر ہوا ہے۔ کچھ پاکستان کی حکومت کو بھی بہت مشکلات کا سامنا ہے اور امریکی حکومت کو بھی۔ اگرچہ صدارتی مباحثوں میں جان مکین نے اوباما سے ذرا سا مختلف موقف اپنایا ہے لیکن وہ بھی صدر منتخب ہونے کی صورت میں وہی کریں گے جو اوباما کہتے چلے آئے ہیں۔ عراق، ایران اور عرب اسرائیل تنازعے سے بھی زیادہ اہم ترین مسئلہ نئے امریکی صدر کے لئے پاکستان اور افغانستان ہی ہے اور نیا صدر خواہ کوئی بھی ہو وہ ان دونوں ممالک کے لئے مزید مشکلات پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔

امریکہ کی عسکری اور بھارت کی آبی جارحیت

یہ سطریں لکھی جارہی ہیں تو جناب رچرڈ باؤچر اور جنرل پٹریاس پاکستان میں قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔ امریکیوں کی عالمی برتری کے یوں تو اور بھی بہت اسباب ہوں گے لیکن سب سے اہم سبب ان کی خارجہ پالیسی کا تسلسل رہا ہے' یعنی ہماری طرح ہر نئی حکومت کے آنے پر جانے والی حکومت کی جاری پالیسیوں پر ''مٹی پاؤ'' کے بجائے امریکہ میں برسراقتدار کوئی بھی جماعت ری پبلکن ہوں یا ڈیموکریٹ' ان کی خارجہ پالیسی ایک ہی ہوتی ہے اور وقت اور حالات نے ثابت کیا ہے کہ اس خارجہ پالیسی میں پاکستان کے لئے بہت عرصہ پہلے خصوصاً جب پاکستان نے نیوکلیئر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے شروع کئے' یہ پالیسی طے پاچکی ہے کہ پاکستان کو ہمیشہ ایک طرف ''مفلوج معیشت کا حامل ملک'' بنا کر رکھا جائے تا کہ یہ امریکہ اور امریکہ کے زیر اثر مالیاتی اداروں کا محتاج رہے اور اس کی یہ محتاجگی پاکستان کو امریکہ کا دست نگر بنائے رکھے۔ اس لئے جو سیاسی پنڈت یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ میں قیادت کی تبدیلی سے شاید پاکستان پر بھی کچھ بہتر اثرات مرتب ہوں گے' وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ میں نے امریکی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے اگست کے آغاز میں لکھا تھا کہ ستمبر اور اکتوبر پاکستان پر بہت بھاری ہوں گے' امریکی حملوں میں بہت شدت آئے گی کیونکہ امریکہ کی پالیسی ساز اداروں کو امریکی ٹیکس گزاروں کو مطمئن رکھنے کے لئے اپنی پالیسیوں میں تسلسل کا جواز بھی تراشنا پڑتا ہے اور یہی ہوا۔ بدبختی کی انتہا تو یہ ہے کہ امریکہ نے پاکستانی پارلیمنٹ میں مشترکہ قرارداد پاس ہونے کے بمشکل دو گھنٹہ بعد وزیرستان پر حملہ کر کے ہمیں اپنی اوقات یاد دلاتے ہوئے اس میں رہنے کا پیغام بھی دے دیا۔ جب سے دہشت گردی کے خلاف پارلیمنٹ کی مشترکہ قرارداد سامنے آئی ہے' امریکیوں پر جیسے جنونی کیفیت طاری ہوگئی ہے۔ وہ قریباً ہر روز پاکستانی سرحدوں میں گھستے ہیں اور ہوائی حملہ کر کے ہمارے اقتدار اعلیٰ کو نہ صرف للکارتے بلکہ اس کے پرخچے اڑا کر ہمارا تمسخر اڑاتے ہیں۔ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی ہر پریس کانفرنس میں (اب تو صدر آصف زرداری بھی) امریکہ کی اس جارحیت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور امریکہ کو بڑے ناصحانہ انداز میں یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ ان حملوں سے نہ صرف دہشت گردوں کو تقویت ملے گی بلکہ ان کے لئے اور امریکہ کی جاری پالیسیوں کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے بھی مشکلات پیش آئیں گی لیکن امریکہ نے ان مشوروں پر کان دھرنے کے بجائے اپنے نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر اور جنرل پٹریاس کو ''مزید سخت اقدامات'' کی دھمکیاں دینے کے لئے پاکستان بھیج دیا ہے حالانکہ ان کی آمد کے دو روز قبل پاکستانی سرزمین پر امریکی حملے بش انتظامیہ کی اسلام دشمن و پاکستان دشمن ذہنیت کی واضح اور انتہائی شرمناک علامات ہیں۔ امریکی ذہنیت اور بش انتظامیہ کے طریقہ ہائے واردات سے واقف مبصرین نے پہلے سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ بش انتظامیہ صدارتی انتخابات میں اپنی بدترین شکست سے بچنے کی خاطر انتخابات سے قبل پاکستان' شام اور دیگر اسلامی ممالک پر حملے تیز کر کے صیہونی لابی اور اس کے ہمنوا صلیبی قدامت پسندوں کی حمایت کے حصول کی کوشش کریں گی' یہ خدشات بالکل درست ثابت ہوگئے ہیں اور بش

انتظامیہ نے صرف اور صرف صدارتی انتخابات میں اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ایک بار پھر بے گناہ قبائلی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے اور اپنے سیاسی مقاصد کے لئے انسانیت کے خلاف بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام اور پاکستان کے بارے میں امریکیوں کی مجموعی سوچ اور ذہنیت کیا ہے۔ پاکستان کے بار بار احتجاج کے باوجود امریکہ کے حملے پوری قوم کی غیرت کو کھلے عام للکارنے کے مترادف ہیں۔ حکومت پاکستان کو اب اس پر محض احتجاجی بیانات جاری کرنے کی بجائے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ کیا ہماری فوج اور فضائیہ میں اتنی بھی سکت نہیں رہی کہ وہ اپنی سرحدوں کے خلاف ورزی کا کسی بھی حد تک جواب دے سکے؟ پاکستان کو یہ معاملہ بین الاقوامی سطح پر بھی اٹھانا چاہئے۔ امریکی حملے بین الاقوامی قانون اور سفارتی ضوابط کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ امریکی ہوم لینڈ سکیورٹی کے سربراہ مائیکل شرٹوف نے کہا ہے کہ کسی ملک کو دہشت گردی کا خطرہ ہو تو اسے سرحد پار حملے کرنے کا حق ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ بین الاقوامی قانون میں ایسی شق ہونی چاہئے جس کے تحت وہ ممکنہ طور پر دہشت گردی روکنے کے لئے کارروائی کر سکے' چاہے یہ پیشگی حملہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے نزدیک بھی اس وقت دوسرے ممالک پر اس طرح کے براہ راست حملوں کا کوئی قانون موجود نہیں ہے اور اس پر امریکی نقطہ نظر کے مطابق قانون سازی کی ضرورت ہے۔ یعنی امریکہ خود اپنے بقول غیر قانونی طور پر آزاد ممالک پر حملے کر رہا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس پر اقوام متحدہ اور یورپی یونین جیسے عالمی ادارے خاموش ہیں' کیا ان تمام عالمی طاقتوں نے اسلام دشمنی پر اتفاق کر لیا ہے؟

2004ء میں ایک امریکی ادارے نے رپورٹ جاری کی تھی کہ پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمولیت کے نتیجے میں 10 ارب ڈالرز سے زیادہ نقصان ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اس کے بعد کے چار سالوں میں پاکستان کو پہنچنے والے نقصانات میں کہیں اضافہ ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ کے تناظر میں اگر اندازہ لگایا جائے تو پاکستان کو امریکہ کے لئے فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کرنے کے نتیجے میں کم از کم چالیس پچاس ارب ڈالرز کا نقصان ہوا ہے۔ جانی اور املاک کو نقصان' بدامنی کے نتیجے میں تجارت اور صنعت کی تباہی اس پر مستزاد ہیں۔ پاکستان پر بیرونی قرضوں کی مالیت 73 کروڑ ڈالرز سے تجاوز کر گئی ہے اور ملک دیوالیہ ہونے کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ ایسے وقت میں عالمی طاقتیں پاکستان کی گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دینے کی بجائے اسے مزید دھکے دینے کی خاطر پاکستان پر آئی ایم ایف کا شکنجہ کسنے کی تیاریاں کر رہی ہیں اور پاکستان کو ہر طرف سے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں پاکستان' چین کے علاوہ سعودی عرب اور ترکی جیسے برادر اسلامی ممالک ہی سے امداد طلب کرنے پر مجبور ہے اور سعودی حکومت نے نہایت فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کو ادھار اور کم قیمت پر تیل کی فراہمی پر آمادگی ظاہر کر دی ہے جبکہ ترکی کی جانب سے امریکی جارحیت کے خلاف پاکستان کی مدد کے اشارے دیئے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات ایک بار پھر ثابت ہو گئی ہے کہ اسلامی اخوت کا رشتہ ہی وہ قوت ہے جو مشکل وقت میں پاکستان سمیت کسی بھی مسلم ملک کے کام آسکتی ہے اور اسلامی ممالک اسلام کے اس عالمگیر رشتے پر ایک دوسرے سے مضبوطی سے منسلک ہو کر ہی قوموں کی برادری میں اپنا دفاع اور تحفظ کر سکتے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم حکمران ان حالات سے سبق حاصل کریں اور مستقبل کی دنیا میں اپنی بقاء و سلامتی کی خاطر ایک ایسے عظیم اسلامی بلاک یا یونین کی تشکیل پر فوری طور پر توجہ دیں جو ہر اسلامی ملک کے علاقائی و بین الاقوامی مفادات کے ساتھ ساتھ اسلام اور امت مسلمہ کے مشترکہ مفادات کے تحفظ کی بھی ضمانت دے سکے۔ اس

کے لئے خود پاکستان کو آگے بڑھ کر قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا، اور مسلم حکمرانوں کو اغیار کے فریب اور خوف کی فضا سے باہر آ کر باہمی سوچ بچار سے مشترکہ تدابیر کرنی ہوں گی۔

مسٹر بارک اوباما کا یہ فرمانا ہے کہ پاکستان کو بھارت سے نہیں بلکہ دہشت گردی سے خطرہ ہے' بھی محل نظر ہے۔ہم جانتے ہیں'ہمیں کس سے خطرہ ہے اور امریکی صدارتی امیدوار کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے حل کی بات بھی پاکستانیوں کو آسانی سے ہضم نہیں ہوگی۔ جہاں تک بھارت کا تعلق ہے وہ صدر زرداری کی بے پناہ روشن خیال پالیسی کے باوجود پاکستان کو جنگ کی طرف دھکیل رہا ہے کیونکہ جس نوعیت کے اقدامات اس کی طرف سے ہو رہے ہیں اور پاکستان کو خشک سالی اور قحط کے جس جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے'اس کا منطقی انجام صرف جنگ ہے۔امریکہ نے اپنے فرنٹ لائن اتحادی پاکستان کے معاملات پر سوائے اپنی مرضی اور مفادات کے جس طرح آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور پاکستان کو جس طرح مسلسل دیوار سے لگایا جا رہا ہے'اسے دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے امریکہ نے بھارت اور پاکستان کی جنگ کو بھی شاید اپنا آخری آپشن بنا رکھا ہے کیونکہ جس طرح بھارتی حکومت نے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کا پانی بند کر رکھا ہے'اس کے بعد پاکستان کے پاس بھی شاید تنگ آمد بجنگ آمد کا آپشن ہی باقی رہ جائے گا......!

مقید خاک

ساحر جمیل سید کا ایک اور شاہکار ناول...... مقیدِ خاک...... سرزمین فراعنہ کی آغوش سے جنم لینے والی ایک تحیّر خیز داستان۔

ڈاکٹر شکیل ظفر:- ایک ہارٹ اسپیشلسٹ، جو مردہ صدیوں کی دھڑکنیں ٹٹولنے نکلا تھا...... یوساف بے:- وہ ساڑھے چار ہزار سال سے مضطرب شیطانی روحوں کے عذاب کا شکار ہوا تھا...... بیوسا:- ایک حرماں نصیب ماں، جسکی بیٹی کو زندہ ہی حنوط کر دیا گیا...... مریاقس:- اسکی روح صدیوں سے اس کے جسدِ خاکی میں مُقیّد تھی...... شیلندر رائے ہریچہ:- ایک پرائیویٹ ڈیٹکٹر، اسے صدیوں پرانی ممی کی تلاش تھی...... مہرجی:- پرکالۂ آفت، انسانی قالب میں ڈھلی ایک آسمانی بجلی...... ایکشن، سسپنس اور تھرل کا ایک نہ رکنے والا طوفان......

یہ ناول کتاب گھر پر جلد آ رہا ہے، جسے ایکشن ایڈونچر مہم جوئی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

امریکی عزائم اور ہماری بے بسی

پاکستان سے متعلق امریکی پالیسی سمجھنے کے لئے کسی سند یا ڈگری کی ضرورت نہیں، ایک ان پڑھ بچے سے بھی اسلام آباد حکومت سے متعلق واشنگٹن کی پالیسی معلوم کی جائے تو وہ بتا دے گا لیکن اس کے باوجود ہماری حکومتوں نے ہمیشہ امریکہ پر تکیہ کئے رکھا اور نقصان اٹھایا۔ آج کی حکومت بھی پیش رو حکومتوں سے مختلف نہیں ماہرین تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ مشرف اور زرداری کی امریکہ کے حوالے سے پالیسی میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ سابقہ پالیسیوں کا تسلسل ہی ہے جسے پیپلز پارٹی کی مخلوط حکومت جاری رکھے ہوئے اور نو منتخب صدر آصف علی زرداری کا حلف اٹھانے کے بعد چین جانے کے اعلان کے باوجود وہاں نہ جانا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

فاٹا جہاں سے پاکستان کی اولین قیادت نے سکیورٹی فورسز کو بلا کر مغربی سرحدوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبائلی عوام کو دے دی تھی وہاں جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں سکیورٹی فورسز کی بڑی تعداد تعینات کر کے ہم نے گویا وہاں غیر ملکی مسلح مداخلت کی پہلی اینٹ رکھ دی اس کے باوجود کہ موجودہ حکومت نے آغاز میں سکیورٹی فورسز کی واپسی کا اعلان کیا اس کے باوجود وہاں اب بھی بڑی تعداد میں سکیورٹی اہلکار تعینات ہیں جس سے عسکریت پسندی شمالی اور جنوبی وزیرستان سے خیبر، مہمند اور باجوڑ ایجنسی تک پھیل گئی بلکہ اب اس کے اثرات ملک کے دیگر حصوں میں بھی نظر آنے لگے ہیں۔ اس صورتحال میں امریکی قیادت، انتہا پسند عناصر اور تھنک ٹینکس نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں حملے کرنا شروع کر دیئے اور حالیہ 3 ستمبر کے بعد جس طریقے سے پے در پے حملے ہو رہے ہیں اس نے افغانستان اور عراق پر امریکی حملوں کی یاد تازہ کر دی جب اکتوبر 2001 اور مارچ 2003ء میں امریکہ نے بغداد اور کابل پر کارپٹ بمباری کی تھی۔ یہی صوتحال آج فاٹا (پاکستان) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ پاکستان پر امریکی حملے کی صورت میں قبائلی عوام حکومت کی جانب سے دیکھ رہی ہے کہ وہ انہیں غیر ملکی حملوں سے بچائیں اور امریکی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں (جس کا وہ اکثر و بیشتر ذکر کرتی رہی ہے) پاکستانی عوام پاک بھارت جنگ کی طرح پاک امریکہ جنگ کے لئے بھی تیار ہے لیکن اس کے لئے حکومت وقت کو اپنا واضح موقف عوام کے سامنے پیش کرنا ہو گا عوام اسے آج بھی مایوس نہیں کرے گی۔

ادھر امریکہ میں امسال 4 نومبر کو صدارتی انتخابات بھی ہو رہے ہیں اور گذشتہ انتخابات کی طرح اس سال بھی برسر اقتدار ری پبلکن پارٹی کو کسی ایسے ہائی ویلیو ٹارگٹ کی ضرورت ہے جس سے وہ یہ الیکشن جیت سکے۔ اس کے لئے اگرچہ ری پبلکن کنونشن میں جان مکین کو صدارتی امیدوار نامزد کیا گیا ہے جبکہ الاسکا کی خوش شکل خاتون گورنر سارہ پیلن کو بطور نائب صدارتی امیدوار کے طور پر سامنے لایا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ڈیموکریٹ کی اوباما اور جوزف بائیڈن کی جوڑی اول الذکر سے برتری لے جا رہی ہے۔ اس حوالے سے جارج واکر بش جن کا تعلق ری پبلکن پارٹی سے ہے اور یہ ان کی آخری مدت صدارت بھی ہے اپنی جماعت کی کامیابی کے لئے پاکستان میں غیر قانونی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں امریکی سول و فوجی عہدیداروں مثلاً کونڈولیزا رائس، رابرٹ گیٹس، نیگرو پونٹے، رچرڈ باؤچر، مائیکل مولن، مائیکل ہیڈن وغیرہ کے متضاد اور

دو غلے بیانات کی جانب بھی دیکھنا چاہئے کہ ایک جانب جہاں ایک عہدیدار پاکستان کی خودمختاری اور علاقائی سلامتی کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے تو دوسرا عہدیدار پاکستان کے خلاف اور خاص کر فاٹا میں موثر کارروائی کرنے سے متعلق بیان دے رہا ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال حالیہ رابرٹ گیٹس اور نیگرو پونٹے کے بیانات میں موجود فرق سے واضح ہو جاتا ہے۔ جس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ اس پس منظر میں امریکی میڈیا بھی واشنگٹن انتظامیہ سے پیچھے نہیں اور وہ اپنی حکومت کے ساتھ مکمل رابطہ کر کے ذرائع ابلاغ میں ایسی فضا تیار کر رہی ہے جس سے فاٹا میں امریکی جاسوس طیاروں کے ذریعے ہونے والے حملوں کو قانونی حیثیت مل سکے، لیکن جب ہم پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے اس بیان پر نظر ڈالتے ہیں کہ میزائل حملوں سے متعلق امریکی فوج اور وہاں کی حکومت میں مکمل رابطہ نہیں ہے تو ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ امریکہ جو دنیا بھر کے ممالک پر اثر انداز ہوتا ہے وہاں کو آرڈی نیشن گیپ کی شکایت کرنا ہماری سادگی اور معصومیت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

امریکی عزائم کے سامنے ہماری (حکومتی) بے بسی کا اظہار تو اس وقت ہی ہو گیا تھا جب ہمارے وزیر دفاع احمد مختار نے ایک امریکی حملے پر کہا تھا کہ ہم اس کے جواب میں کچھ نہیں کر سکتے اور اس وقت بھی جب پاک فوج نے جوابی کارروائی کا عندیہ دیا تھا تو اگلے ہی روز اخبارات میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا یہ بیان چھپا کہ ہم امریکہ سے جنگ نہیں کر سکتے۔ حکومتی بے بسی کا اظہار تو اس وقت بھی ہوا جب عوام کی جانب سے کہا جانے لگا کہ افغانستان میں تعینات غیر ملکی فوجوں کی سپلائی لائن کاٹ دی جائے تا کہ انہیں ایندھن اسلحہ اور خوراک نہ مل سکے تو ہمارے مشیر داخلہ رحمٰن ملک (جن کا کام اندرون ملک شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے) کے الفاظ تھے کہ یہ سپلائی لائن (سٹریٹجک سپورٹ) افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے تحت قائم ہے جبکہ روس نے اپنے ہمسایہ ممالک میں صرف امریکی سفارتی مداخلت پر واشنگٹن انتظامیہ کو خبردار کر دیا کہ اگر امریکہ نے یہ سلسلہ بند نہ کیا تو روس نیٹو ممالک کو اپنی فضائی حدود استعمال کرنے نہیں دے گا۔ جبکہ سفارتی تنازعات پر بیلا روس جیسے کئی ممالک نے امریکی سفیروں کو ملک بدر کر دیا۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ امریکہ ہماری سرحدوں اور علاقائی خودمختاری کی خلاف ورزی کر کے آئے روز کئی پاکستانیوں بشمول بچوں اور خواتین کو ہلاک کر رہا ہے اور ہم اس پر چپ کئے بیٹھے ہیں۔ عوام کے جذبات تو یہ ہیں کہ حکومت کو تو اسی روز اتحادی اور نیٹو فورسز کے خلاف کارروائی کر دینی چاہئے تھی جس روز پہلا حملہ ہوا تھا۔

امریکہ اگرچہ عرصے سے پاکستان کو قبائلی علاقوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے لیکن اب امریکہ خود چاہتا ہے کہ وہ پاکستان میں فوجی مداخلت کرے۔ اس حوالے سے نائب سیکرٹری خارجہ نیگرو پونٹے نے گذشتہ روز کہا تھا کہ قبائلی علاقوں میں یکطرفہ کارروائی عسکریت پسندوں کو شکست نہیں دے سکتی اس سلسلے میں پاکستان اور امریکہ دونوں کو فاٹا میں آپریشن کرنا ہوگا۔

دریں اثناء امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے پاکستانی سرزمین پر امریکی فوج کی کارروائیوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کو اپنے فوجیوں کے تحفظ کے لیے جو بھی اقدامات اٹھانے پڑے وہ اٹھائے گا۔ افغانستان کے دورے کے بعد نیٹو وزراء سے بات چیت کے لیے لندن میں موجود رابرٹ گیٹس نے سکیورٹی امور کے حوالے سے بتایا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان شدت پسندوں سے خود نمٹے۔ تاہم اس سوال پر کہ کیا پاکستان نے امریکہ کو اپنے علاقے میں فضائی کارروائی کی اجازت دی ہے امریکی وزیر دفاع نے کہا کہ میں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ ہم اپنے فوجیوں کے تحفظ کے لیے جو بھی کارروائی ضروری ہوئی کریں گے۔ شدت پسند پاکستان، افغانستان، امریکی اور ان کے اتحادی

فوجیوں کے 'مشترکہ دشمن ہیں۔ ہمارا مقصد پاکستان کو اس کی سرحدوں پر درپیش خطرے سے نمٹنے کے قابل بنانا اور اس کا ساتھ دینا ہے'۔ انہوں نے پاکستان کی جانب سے شدت پسندوں کے خلاف حالیہ کارروائیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ 'میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی ہم نے حالیہ ہفتوں میں دیکھا ہے یہ پاکستانی حکومت کی جانب سے خود خطرے کو تسلیم کیا جانا ہے، اور سرحدی علاقوں میں پاکستان کی فوج کا جارحانہ انداز ہی وہ طریقہ ہے جس طرح سے اس معاملے سے نمٹا جانا چاہیے اور یہی طریقہ ہماری ترجیح ہوگا۔ رابرٹ گیٹس نے یہ بھی کہا کہ امریکہ کو کارروائیوں کے دوران عام شہریوں کی ہلاکتوں کی تعداد کم سے کم کرنا ہوگی۔ اس سے قبل جمعرات کو صحافیوں سے بات چیت کے دوران امریکی وزیرِ دفاع نے کہا تھا کہ افغانستان میں حکمتِ عملی کو بدلتے حالات کے ساتھ بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم ایسا عراق میں کر چکے ہیں۔ ہم نے عراق میں اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور ہم افغانستان میں بھی صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں گے۔

یاد رہے کہ امریکی وزیرِ دفاع نے یہ بات ایک ایسے موقع پر کہی ہے جب امریکی جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین ایڈمرل مائیک مولن کی جانب سے ان کے دورہ پاکستان کے دوران پاکستان کی خود مختاری کا احترام کرنے کا یقین دلائے جانے کے باوجود امریکی جاسوس طیاروں کی جانب سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں میزائل حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اس بارے میں حکومتِ پاکستان کا کہنا ہے کہ امریکہ نے اسے جنوبی وزیرستان میں بدھ کو کیے جانے والے میزائل حملے کی پیشگی اطلاع نہیں دی تھی اور اس طرح کے یکطرفہ حملوں سے حالات کی بہتری میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ تو کیا پیشگی اطلاع دینے کے بعد حملہ جائز تصور کیا جائے؟

ادھر وزارت خارجہ میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا کہ امریکی فوج کے سربراہ ایڈمرل مائیکل مولن کی یقین دہانی کے چند گھنٹوں بعد ہی اس تازہ حملے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امریکی اداروں میں رابطوں کی کمی ہے۔ وزیر خارجہ نے اس تاثر کی نفی کی کہ انہیں اس کارروائی کی پیشگی اطلاع دی گئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ صدر آصف علی زرداری کی قیادت میں بائیس ستمبر سے اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے جانے والا پاکستانی وفد وہاں امریکی حکام سے اس موضوع پر بات کرے گا۔ ہم ضرور پوچھیں گے کہ آخر امریکہ افغانستان اور پاکستان میں دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں کے لیے پہلے سے طے شدہ اصولوں کی پاسداری کیوں نہیں کر رہا۔ تاہم وزیر خارجہ کی باتوں سے یہ ظاہر تھا کہ حکومت پاکستان کا اس تازہ حملے پر امریکہ سے کسی باضابطہ احتجاج کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور احتجاج کرنے کے باوجود بھی امریکہ اپنا رویہ نہیں بدلتا تو پھر اس سفارتی کوشش کا کیا فائدہ؟ یاد رہے کہ جنوبی وزیرستان میں بدھ کی شام امریکی جاسوس طیاروں نے باغڑ کے علاقے میں چار میزائل داغے تھے جن میں پانچ افراد ہلاک اور تین زخمی ہوئے تھے۔ وزیر خارجہ کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی امریکی پالیسی کی نہ چاہتے ہوئے بھی تائید کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ قبائلی علاقوں میں القاعدہ اور طالبان عناصر موجود ہیں جن سے امریکیوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ ان کے الفاظ تھے 'ہماری بھی ذمہ داری ہے کہ ہم دوسرے ممالک کی خود مختاری کا احترام کریں اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

یہ ایک طویل جدوجہد ہے اور ہمیں ایک طویل مدتی پالیسی کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

دوسری جانب قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف چوہدری نثار علی خان نے صدر پاکستان آصف علی زرداری سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے اپنے پہلے خطاب میں پیپلز پارٹی کی سربراہی سے مستعفی ہونے اور وزیراعظم کے اختیارات بحال کرنے کے لئے

آئین کی سترہویں ترمیم کو ختم کرنے کا اعلان کریں۔ قائد حزب اختلاف نے صدر مملکت سے مطالبہ کیا کہ وہ قبائلی علاقوں میں فوجی کارروائیوں کے لیے سابق صدر جنرل پرویز مشرف اور امریکہ کے درمیان ہونے والے معاہدے ختم کرنے کا اعلان کریں۔ اس حوالے سے مشرف دور کی کہانیاں نہ دہرائی جائیں۔ قائد حزب اختلاف مقرر ہونے کے بعد پہلی پریس کانفرنس سے خطاب میں چوہدری نثار علی خان نے کہا کہ پاکستان کی سرزمین پر امریکی حملے ہو رہے ہیں اور صدر آصف زرداری نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ چوہدری نثار نے مطالبہ کیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں گزشتہ حکومت کے دور میں امریکہ کے ساتھ کیے گئے معاہدے ختم کر کے حکومت نئی پالیسی تشکیل دے۔

ادھر امریکہ کی ڈیلاوئر یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات کے ماہر ڈاکٹر مقتدر خان کا کہنا ہے کہ امریکہ اب پاکستان کے خلاف اپنی فوجیں استعمال کر سکتا ہے اور اس بات کی پروا نہیں کی جائے گی کہ پاکستان تعاون کرتا ہے یا مخالفت۔ مشرف کے جانے کے بعد پاکستان امریکہ سے اتنا تعاون نہیں کر رہا جتنا کہ وہ پہلے کیا کرتا تھا اور اس بات سے یہاں کی انتظامیہ ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہی ایک اور اہم بات وہ بحثیں ہیں جو یہاں ہو رہی ہیں یا تو اوباما اور مکین کے الیکشن کے حوالے سے یا این پی آر پر اخبارات وغیرہ میں بھی یہی بات بار بار کہی جا رہی ہے کہ صدر بش نے عراق میں جا کر غلطی کی تھی اصل خطرہ امریکہ کو پاکستان اور افغانستان کی سرحد سے درپیش ہے اور امریکہ کو چاہیے کہ اس کی فوجی توجہ وزیرستان پر ہو، اسامہ بن لادن پر ہو اور طالبان پر ہو تو امریکہ میں اب یہ سوچ آ گئی ہے کہ اصل خطرہ پاکستان ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ پاکستانی حکومت کے تعاون کے ساتھ یا اس کے بغیر امریکہ اپنی بڑی قوت وہاں استعمال کرے۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا یہ سوچ امریکی صدارتی انتخاب کے نتیجے میں پروپیگنڈے کا عنصر ہے یا اب امریکی عوام کی بھی سوچ یہی ہے کہ اب یہی کیا جائے اور اب تک جو ہوتا رہا ہے وہ غلط ہے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ امریکہ کے تھنک ٹینک اور بڑے دماغ یہ بھی تو سوچ رہے ہوں گے کیا یہ پالیسی صرف پاکستان کے لیے ہے یا پورے خطے کے لیے، اگر تو صرف پاکستان کے بارے میں ہے تو بات الگ ہے لیکن اگر پورا خطہ بدلنے جا رہا ہے تو پاکستان کے پڑوس میں افغانستان، اس کے پڑوس میں روس اور پوری وسطی ایشائی ریاستیں ہیں تو اس صورت میں ان کا ردِعمل کیا ہو گا، کیا امریکہ کی نظر اس پر بھی ہے؟ اس بارے میں ڈاکٹر مقتدر کا کہنا تھا کہ اس وقت تو موڈ خاصا یک طرفہ ہے اور وہ اس بات کی فکر نہیں کرتے کہ بھارت کیا کہے گا اور روس کیا کہے گا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر امریکہ اپنا زور پاکستان پر ڈال دے گا تو یہ جو طالبان کا خطرہ ہے اسے ختم کیا جا سکے گا۔ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان دھیرے دھیرے طالبانائز ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان کے عوام کے خیالات طالبان سے زیادہ ملتے جا رہے ہیں۔ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ جو نئی حکومت آئی ہے اب پاکستان میں وہ طالبان کو ختم نہیں کرنا چاہتی بلکہ طالبان کو موڈیٹ کرنا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر مقدر کا کہنا تھا کہ امریکہ کو اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ پاکستان اپنی فوجوں کو استعمال نہیں کرے گا اس لیے اب امریکہ کو اپنی فوجیں پاکستان میں استعمال کرنا ہوں گی، پاکستان کی مدد کے ساتھ یا پاکستان کی مدد کے بغیر اور یہ سوال امریکہ اب پاکستان پر چھوڑ دے گا کہ وہ امریکہ کے ساتھ کام کرے یا امریکہ کے خلاف کام کرے۔

امریکی صدر بش کا یہ بیان بظاہر دہشتگردی کے خلاف جاری جنگ میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان پیدا ہونے والی تلخی کا آغاز بن گیا جب انہوں نے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف میدانِ جنگ قرار دیتے ہوئے اسے بھی عراق اور افغانستان کے صف میں شامل کر دیا تھا۔ تین

ستمبر کو انگور اڈہ میں امریکی فوج کی زمینی کارروائی نے صدر بش کے بیان کے مفہوم و معانی کو عملاً واضح کر دیا اور یوں پاکستان کی منتخب حکومت اور فوج نے امریکہ کی بدلتی ہوئی حکمت عملی اور بدلتے تیور بھانپتے ہوئے اپنے لہجے میں قدرے تلخی پیدا کر لی۔

تین ستمبر کو امریکہ نے زمینی کارروائی کر کے کوئی پہلی مرتبہ پاکستان کے علاقائی خودمختاری پر کاری ضرب نہیں لگائی بلکہ یہ سلسلہ تو قبائلی علاقوں میں تواتر کے ساتھ ہونے والے میزائل حملوں کی صورت میں گزشتہ کئی سال سے جاری و ساری ہے۔ شاید پاکستان کو فضائی حدود کی خلاف ورزی پر اعتراض نہیں بلکہ اس سے اس وقت اپنی زمینی خودمختاری کی زیادہ فکر لاحق ہو گئی ہے کیونکہ ماضی میں ہونے والے فضائی حملوں پر پاکستان کی جانب سے صرف احتجاج ہی سامنے آیا کرتا تھا مگر سات سال کے بعد پہلی مرتبہ فوج کے سابق سربراہ جنرل (ر) پرویز مشرف کے برعکس افواج پاکستان کے سربراہ نے امریکہ کو قدرے سخت بیان کی صورت میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ افواج پاکستان آئندہ ہونے والے کسی بھی حملے پر اپنے جوابی حملے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

امریکہ کی جانب سے قبائلی علاقوں میں طالبان اور القاعدہ کے مبینہ ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے بیانات میں افغان صدر حامد کرزئی کے وہی الفاظ پوشیدہ ہیں جنہوں نے آج سے تقریباً ساڑھے تین سال قبل ہی کہا تھا کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے' پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود دہشت گردوں کے اصل مراکز کو تباہ کرنا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے نئی حکمت عملی وضع کرنے کے حوالے سے بُش انتظامیہ کی سوچ پر وہ لابی حاوی ہو گئی ہے جس کی سوچ و فکر افغان صدر حامد کرزئی اور ان کے حواریوں سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس وقت نئی حکمت عملی وضع کرنے کے حوالے سے امریکہ کو افغان حکومت کے علاوہ کسی اور اتحادی کی بظاہر کوئی حمایت حاصل نہیں ہے۔ نیٹو نے امریکی سوچ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور برطانیہ کا جھکاؤ پاکستان کی طرف معلوم ہو رہا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو القاعدہ اور طالبان کے خلاف جنگ اب اتحادیوں کے ان اختلافات سے طالبان اور القاعدہ کا خوش ہونا ایک فطری امر ہے۔ امریکہ کی جانب سے پاکستان کی سرزنش اور پھر تعریف ایسی ہے جیسے کسی یتیم کو تھپڑ مارنے کے بعد اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دوبارہ خوش کرنے کی کوشش کی جائے۔

انہیں یقین ہے کہ پاکستان اور امریکہ پھر سے شیر و شکر ہو جائیں گے کیونکہ پاکستان امریکی دباؤ کو تادیر برداشت نہیں کر سکتا اور اسے اقتصادی اور فوجی لحاظ سے امریکہ پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔

مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ اٹھارہ فروری کے انتخابات کے بعد طالبان سے خفیہ مذاکرات کے بعد باجوڑ کے علاوہ جنوبی اور شمالی وزیرستان سے پاکستانی فوج نکل آئی ہے اور اب وہاں پر اس کی موجودگی محض علامتی طور پر ہی ہے۔ فوج کو نئے سرے سے اپنی حکمت عملی وضع کرنے کے بعد کارروائی کا آغاز کرنا ہوگا جس کے نتائج شاید منتخب حکومت کے لیے زیادہ اچھے نہیں ہوں گے۔

پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل اشفاق کیانی نے کہا ہے کہ ملک کی حاکمیت اور سالمیت کا ہر قیمت پر دفاع کیا جائے گا اور کسی بھی غیر ملکی فوج کو پاکستان کی حدود میں آپریشن کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آئی ایس پی آر کی پریس ریلیز کے مطابق یہ بات جنرل کیانی نے اتحادی فوج کے پاکستان میں حملوں میں ہلاک ہونے والے معصوم شہریوں کی ہلاکت پر کہی تھی۔

جنرل کیانی نے کہا تھا کہ اتحادی افواج کے ساتھ یہ بات صاف ہے کہ پاکستان کی سرحد میں آپریشن کا حق صرف پاکستان کا ہے۔ انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ کوئی ایسا معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت اتحادی افواج پاکستان کے اندر آپریشن کرسکتی ہے۔ جبکہ برطانوی وزیراعظم گورڈن براون نے حال ہی میں یہ درفنطنی چھوڑی ہے کہ پاکستان اور امریکہ میں فاٹا سے متعلق سرحدی معاہدہ ہونے والا ہے۔ امریکہ کے سینیئر فوجی افسران کے ساتھ یو ایس ایس ابراہم لنکن پر ستائیس اگست 2008ء کو ملاقات کے حوالے سے جنرل کیانی نے کہا تھا کہ ان کو حالات کی نزاکت کے متعلق بتا دیا گیا تھا جس کے جامع حل کے لیے صبر وتحمل کے ساتھ کام لینے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنا موٴقف سمجھایا اور کہا تھا کہ اس قسم کے مسائل کا واحد حل فوجی کارروائی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ساتھ مذاکرات کی بھی ضرورت ہے۔

بیان میں کہا گیا تھا کہ امریکی جوائنٹ چیفس آف سٹاف ایڈمرل مائیکل مولن نے جنرل کیانی کے بتائے ہوئے حقائق کا اعتراف کیا اور کہا کہ 'جنرل کیانی پاکستان کی بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں اور وہ کرتے رہیں گے۔' پاک فوج کے سربراہ نے بیان میں تین ستمبر کو انگوراڈہ میں ہونے والے حملے میں شہریوں کی ہلاکت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے حملے شدت پسندوں کو مزید مضبوط کریں گے۔

جنرل کیانی نے کہا کہ عدم اعتمادی اور غلط فہمیاں مزید مشکلات پیدا کرسکتی ہیں اور ان علاقوں میں کارروائی کرنے کی مجبوریوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

فاٹا میں امریکہ کی طالبان کرش پالیسی کی نا صرف برطانیہ نے مذمت کی ہے بلکہ فرانس اور نیٹو ممالک نے بھی قبائلی علاقوں میں امریکی جارحیت کو آڑے ہاتھوں لیا ہے لیکن عملی طور پر یہی ممالک عراق اور افغانستان میں مدد ومعاون بھی ہیں لہٰذا اس دوغلی پالیسی میں نقصان مسلمانوں کو ہی اٹھانا پڑ رہا ہے۔ فاٹا میں امریکی جاسوس طیاروں کے حملوں کے نتیجے میں بالآخر پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت اکٹھی ہوگئی ہے اور جمعہ کو صدر آصف علی زرداری وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے مابین دو گھنٹے تک ہونے والی (ٹرائیکا) ملاقات میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ امریکی حملوں کے خلاف مشترکہ حکمت عملی اپنائی جائے گی اور پاکستانی سرحدوں کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا جسے پوری قوم نے سراہا ہے (اب حکومت کو پالیسی بیانات کی بجائے عملی اقدامات کرنے ہوں گے) کیونکہ اب مشرف حکومت نہیں قوم کی نظریں سیاسی قیادت پر لگی ہوئی ہیں کہ وہ دہشت گردی کے خلاف اس نام نہاد جنگ سے پاکستان کو کب نکالتی ہے۔ صدر زرداری کو بھی اپنے امریکی ہم منصب جارج بش سے آج کل میں ہونے والی ملاقات میں پاکستان کے موقف کو واضح کر دینا چاہیے، واضح رہے کہ دونوں رہنماؤں کی ملاقات کے ایجنڈے میں دہشت گردی کے خلاف جنگ سرِفہرست ہے۔ ہمیں اب اپنی خارجہ پالیسی ازسرِنو مرتب کرنا ہوگی اور امریکی چھتری سے نکل کر (جو ہمیں فائدے کی بجائے نقصان زیادہ پہنچا رہی ہے) سعودی عرب، چین اور روس جیسے ملکوں سے تعلقات بڑھا کر دنیا کے یونی پولر سسٹم کی بنیاد کو قدرے ہلانا ہوگا کیونکہ یہ نظام عالمی امن کے لئے اب شدید خطرہ بن گیا ہے۔

پاکستانی اقتدار اعلیٰ کا احترام کیجئے!

الیکشن نتائج آنے کے بعد سے پاکستان کے سیاسی منظرنامے پر ایسی ایسی حیرتیں دیکھنے میں آرہی ہیں کہ بے چارے پاکستانی عوام انگشت بدندان ہیں، شاید پاکستانی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب پاکستانی عوام نے باشعور ہونے کا ثبوت دیا اور روایتی برادری ازم کو جو پاکستان کی انتخابی تاریخ میں ہمیشہ اہم کردار ادا کرتی آئی ہے رد کردیا۔ اسمبلی ممبران کے روایتی حربے ''ترقیاتی کاموں'' کو نظر انداز کردیا اور قومی شعور کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی سالمیت اور جمہوریت کے حق میں ووٹ دیا۔ پاکستانی عوام واضح طور پر دو گروپوں میں بٹ گئے ایک گروپ روایتی ٹوڈی سیاستدانوں کا ساتھ دینے والوں کا تھا، اور دوسرا وہ جس نے آمریت کے خلاف ووٹ دیا۔ آمریت کے خلاف ووٹ دینے کا تعلق مختلف جماعتوں سے ہوسکتا ہے لیکن ان کا ایجنڈہ ایک ہی تھا کہ قیام پاکستان کے 60 سال بعد وہ پاکستان کو دنیا کی نظروں میں مزید تماشا بنتا نہیں دیکھ سکتے اور انہوں نے اپنی پسند ناپسند، ذات، برادری، علاقہ، زبان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے انتخابی بالغ نظری کا مظاہرہ کیا اور گذشتہ حکومت کے جبری نظام کے لیے شدید نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں رد کردیا۔ یہ مبالغہ نہیں، حقیقت ہے کہ اگر 18 فروری سے پہلے حکومت نے دھاندلی سے جو کچھ کرلیا تھا وہ نہ کیا ہوتا تو 18 فروری کے نتائج کنگز پارٹی کے بمشکل 10 ممبران کو اسمبلی تک پہنچاتے بہر حال جیسے تیسے بھی ہوا۔

اس مرتبہ پاکستانی عوام جیت گئے اور اسٹیبلشمنٹ ہار گئی۔ یہ حادثہ جانکاہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ سے زیادہ امریکہ پر بھاری پڑا اور الیکشن کے فوراً بعد ہی انہوں نے کامیاب ہونے والی پارٹیوں کی اعلیٰ قیادت کا گھیراؤ کرلیا۔ الیکشن سے پہلے بھی امریکی سفارت کاروں کی پاکستان آنیاں جانیاں لگی ہوئی تھیں اور پاکستانی انتخابات سے متعلق ''پالیسی بیانات'' ان کی طرف سے جاری ہوا کرتے تھے جبکہ ہمارے محرومیوں کے مارے سیاستدان ان تبصروں اور بیانات کو حرز جان بنا کر پاکستانی میڈیا میں ڈینگیں ہانکا کرتے تھے۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ پاکستانی انتخابات پر بیانات امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، امریکی صدر، امریکی وزیر خارجہ اور خارجہ معاملات کے ذمہ دار جاری فرماتے رہے اور ہمارے ہاں کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تھی۔

بڑے بڑے سیاسی پنڈت اور سرکاری دسترخوانوں پر پلنے والے پاٹے خاں قسم کے کالم نویس، ٹی وی چینلوں پر بیٹھ کر جب اپنی دانشوری بگھارتے تو ان کے سیاسی تجزیوں کی بنیاد امریکی بیانات ہوا کرتے تھے۔ یہ وہ ذہنی مریض ہیں جنہوں نے محض اپنے ذاتی اور گھٹیا مفادات کے لئے ساری قوم کو امریکہ کے ذہنی عارضہ میں مبتلا کردیا ہے۔ اب ہمارے عوام اس خوف کا شکار ہیں کہ ان کی محنتوں کا ثمر کہیں امریکہ نہ نگل لے اور ہمارے کمزور سیاستدان عوامی رائے عامہ کو حسب روایت نظر انداز کرتے ہوئے امریکی خواہشات کے احترام پر مجبور نہ ہوجائیں۔

امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے کہا ہے کہ پاکستان کے صدر پرویز مشرف ہیں اور رہیں گے اور امریکہ ان کے ساتھ کام کرتا رہے

گا۔ انہوں نے گزشتہ روز سہ ملکی دورے پر روانہ ہونے سے قبل اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ صدر مشرف نے ہمارے پیغام کی روشنی میں ایمر جنسی ہٹا کر وردی اتاری اور ملک کو آزادانہ، منصفانہ انتخابات کی طرف لے کر گئے جو ہم نے انہیں کہا ہے انہوں نے ویسا ہی کیا۔ اب پاکستان میں کس طرح کی حکومت بنتی ہے یہ پاکستان کا اپنا معاملہ ہے تاہم پرویز مشرف ہی پاکستان کے صدر رہیں گے۔

کونڈولیزا رائس کے اس بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ نے اس خطہ میں اپنے مفادات کے حوالے سے صدر مشرف کے ساتھ کچھ ایسے معاہدے کر رکھے ہیں جو ان کے اقتدار سے الگ ہونے کی صورت میں خطرے میں پڑ جائیں گے اس لئے امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر صدر مشرف کے اقتدار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے جبکہ پاکستان کے عوام نے انتخابات میں اس امریکی منصوبے کے قطعی برعکس اپنا مینڈیٹ دیا ہے۔ 18 فروری کے انتخابات میں حکمران پارٹی کی شکست درحقیقت صدر پرویز مشرف کی شکست ہے جن کی پالیسیوں کے خلاف عوامی نفرت کی سزا سابق حکمران مسلم لیگ (ق) کو بھگتنا پڑی ہے اس لئے اگر عوام نے ووٹ کے ذریعہ صدر مشرف کی پالیسیوں کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا تو وہ اب انہیں صدر کے منصب پر کیونکر برداشت کر پائیں گے۔

اگر امریکہ کی خواہش کی بنیاد پر جنرل (ر) پرویز مشرف نے خود کو صدر کے منصب پر برقرار رکھنے کی کوشش کی تو اس کے خلاف سخت عوامی ردعمل سامنے آسکتا ہے۔ اس صورت حال میں صدر مشرف کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ باعزت طریقہ سے خود ہی ایوان صدر چھوڑ دیں تا کہ آنے والی منتخب اور مخلوط جمہوری حکومت کو قومی مفادات اور عوامی خواہشات کے مطابق نئے صدر کے انتخاب کا موقع مل سکے۔ امریکہ کو یہ بات بہر صورت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ جنرل (ر) پرویز مشرف ماضی کی طرح اب بھی اس کی ضرورت تو ہو سکتے ہیں لیکن پاکستانی عوام کی اپنی ترجیحات ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ فیصلہ وہی ہو جو امریکہ کو پسند ہے۔ اس مرتبہ صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اور یورپی پریس بھی صدر بش کو سمجھا رہا ہے کہ وہ اب دنیا کے ایسے ممالک جہاں ان کے مفادات ہیں وہاں کے حکمرانوں کے بجائے وہاں کے عوام کے مینڈیٹ کا احترام کرنا سیکھیں۔

احترام ضروری ہے۔ کراچی پاکستان کی اقتصادی شہ رگ ہے وہاں سے ایم کیو ایم کو ملنے والے مینڈیٹ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس کا احساس متحدہ کی قیادت کامیاب جماعتوں کے سربراہوں کو دلا رہی ہے لیکن یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ کراچی کے امریکی ناظم الامور کی طرف سے اس حوالے سے بیان جاری کرنا کون سے سفارتی آداب کے تحت جائز ہے؟ کیا وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں اسٹیبلشمنٹ سے اپنا مینڈیٹ بھی ان کی آشیر واد یا اجازت کے بغیر تسلیم نہیں کروا سکتیں؟ کیا طرفہ تماشا ہے؟ عوام کی آٹھ سالہ قربانیوں کا کیا یہی ثمر ہے؟ پاکستان کا اقتدار اعلیٰ کہاں کھڑا ہے اور ہماری حکومت کون چلا رہا ہے؟

اس مرحلے پر جب پاکستانی عوام کو نہ صرف صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہے بلکہ چوکس ہو کر صورتحال پر کڑی نظر بھی رکھنی ہے۔ سپریم کورٹ کے صدر چودھری اعتزاز احسن کی جانب سے 9 مارچ سے عوامی قوت کے ساتھ ججوں کی بحالی کے لئے لانگ مارچ شروع کرنے کا اعلان بھی یقیناً ان کے پرجوش اخلاص ٹپک رہا ہے تاہم جس طرح کہ سابق صدر سپریم کورٹ بار جسٹس (ر) طارق محمود اور ہیومن رائٹس کمیشن کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ انتقال اقتدار کا مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہونے میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور وکلاء کو جوش سے زیادہ ہوش اور فہم و

تدبر سے کام لے کر انتقال اقتدار کا مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہونے دینا چاہیے۔

اگر جوڈیشل بس کی صورت میں وکلاء تحریک اور بار کے منتخب عہدیداروں کے بیانات کے نتیجہ میں آصف علی زرداری اور مخدوم امین فہیم پر زیادہ دباؤ پڑے گا تو اس سے حکومت سازی کے معاملہ میں مشکلات میں اضافہ ہو سکتا ہے جس کا فائدہ پرویز مشرف کے ساتھی اٹھا سکتے ہیں اور جو وکلاء تحریک کے نتیجہ میں قریب آنے والی سول حکمرانی کی منزل کو پھر سے دور لے جانے پر منتج ہو سکتا ہے۔ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے ہمیں بطور قوم اپنے اعمال پر خود ہی چیک بھی رکھنا ہے چیک اینڈ بیلنس کا ایسا نظام قائم کرنا ہے کہ ہمارے آئین کے سانپوں کو جو ہمارے ہی خون پر پلے ہیں یہ جرأت نہ ہو کہ وہ ہمیں کوڑیوں کے مول غیروں کے سامنے بیچ سکیں۔

آتش پرست

وجیہہ سحر کے کہنہ مشق قلم سے ایک اور سنسنی خیز اور دلچسپ ناول۔ ماہرین آثار قدیمہ ایک چار ہزار سال پرانی ممی دریافت کرتے ہیں۔ جسے اس انداز میں حنوط کیا گیا تھا کہ وہ آزاد ہوتے ہی زندہ ہو جائے۔ چار ہزار سال پرانی ممی کے ہنگامے، خوف و ہراس اور قتل و غارت۔ آج کی دُنیا کو اس منحوس ممی سے کیسے چھٹکارا دلایا گیا، جاننے کے لیے پڑھیے...... **آتش پرست**

جسے جلد ہی کتاب گھر پر **ایکشن ایڈونچر مہم جوئی ناول** سیکشن میں پیش کیا جائے گا۔

شیطان صاحب

عمران سیریز اور جاسوسی دُنیا جیسے بہترین جاسوسی اور سراغرسانی سلسلے کے خالق اور عظیم اُردو مصنف ابن صفی کے شریر قلم کی کاٹ دار تحریروں کا انتخاب۔ طنزیہ اور مزاحیہ مضامین پر مشتمل یہ انتخاب یقیناً آپ کو پسند آئے گا۔ شیطان صاحب کو کتاب گھر پر **طنز و مزاح** سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

امریکہ کی بڑھتی جارحیت

پاکستانی وزیر خارجہ کی قومی اسمبلی میں امریکی مداخلت کے خلاف پرجوش تقریر اور ہمارے زعماء کے اس حوالے سے آنے والے گرما گرم بیانات کے بعد سے قبائلی علاقہ جات کے بے گناہ عوام کی کمبختی آ گئی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے پاکستانی حکومت کو احساس بے بسی دلانے یا پھر چڑانے کیلئے ان بیانات کے بعد سے امریکی قابض افواج کی طرف سے پاکستانی قبائلی علاقہ جات پر حملوں کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ ہر حملے کے بعد ہمارے غیرت مند ارباب اقتدار یہ بیان دینا ہرگز نہیں بھولتے کہ ایسے حملوں سے دہشت گردی میں اضافہ ہوگا یا پاکستان جوابی کارروائی کر سکتا ہے یا عدم اعتماد بڑھے گا یا دہشت گردوں کی حوصلہ افزائی ہوگی' وغیرہ وغیرہ لیکن خدا جانے یہ امریکن بھی کس مٹی کے بنے ہیں جو ہماری کسی بات پر کان ہی دھرنے کیلئے تیار نہیں۔ بالآخر اس بک بک جھک جھک سے تنگ آ کر ہمارے وزیراعظم کا یہ بیان سامنے آ ہی گیا کہ امریکہ سے جنگ نہیں کر سکتے' تنازعات سفارتی سطح پر حل کریں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ کاش پہلے ہی دن وہ اپنی اس پالیسی کا برملا اظہار فرما دیتے تو شاید امریکی اپنا ہاتھ ہولا رکھتے۔

صدی کی موجودہ امریکی سیریز کا آغاز امریکی ایڈمرل مائیکل مولن کے اس بیان کے بعد ہوا جس میں انہوں نے پالیسی بدل کر پاکستان کے اندر کارروائی کرنے کا اعلان کیا تھا۔ مائیکل مولن کے بیان کا مطلب بہت واضح تھا کہ جس طرح امریکی فورسز افغانستان کو میدان جنگ بنا کر طالبان کے خلاف بھرپور جنگ لڑ رہی ہیں' نئی پالیسی کے تحت بالکل اسی طرح وہ پاکستان کو بھی میدان جنگ ڈیکلیئر کر کے پاکستانی طالبان کے خلاف نیا محاذ کھولنا چاہتی ہیں۔ مائیکل مولن کا خیال ہے کہ پاک افغان سرحد کے دونوں طرف کے طالبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں ایک ہی مقصد کے تحت امریکہ کے خلاف مل کر مزاحمت کر رہے ہیں۔ کانگریس کمیٹی کے سامنے اپنے اس موقف کو مائیکل مولن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ میرے خیال میں یہ دو قومیں (افغانی اور پاکستانی) ایک ایسی مزاحمت کے ذریعے جڑی ہوئی ہیں جس سے انہیں جدا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ مزاحمت سرحد کے ایک طرف سے ہوتی ہوئی دوسری طرف جا پہنچتی ہے۔ وقت بہت تیزی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ اگر ہم نے پاکستان میں موجود طالبان کے محفوظ ٹھکانوں کو ختم نہ کیا تو وہ یونہی سرحد پار کر کے افغانستان آتے رہیں گے۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے بھی کانگریس کمیٹی کے سامنے مائیکل مولن کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ دو سالوں کے دوران افغانستان میں امریکہ کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں بے محابہ اضافہ ہوا ہے، اور یہ اضافہ یقینی طور پر پاکستان میں موجود طالبان کے محفوظ ٹھکانوں کا نتیجہ ہے۔ امریکہ کی اسی بدلتی اور ظہور پذیر ہوتی ہوئی نئی حکمت عملی کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے بھی فوری طور پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مادر وطن کی خود مختاری' جغرافیائی یکجہتی وسلامتی کا ہر قیمت پر دفاع کیا جائے گا اور کسی بیرونی طاقت کو پاکستانی حدود کے اندر کارروائیوں کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ اتحادی افواج کے ساتھ ایسا کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا جس کے

تحت غیر ملکی افواج پاکستانی سرزمین پر کارروائیاں کر سکیں۔ اتحادی افواج کے ساتھ تعاون کیلئے قواعد وضوابط پہلے سے طے شدہ ہیں اور پاکستانی حدود میں کارروائی کے حوالے سے کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا۔ جنرل کیانی نے 27 اگست کو امریکی بحری جہاز ابراہام لنکن پر سینئر امریکی فوجی افسروں کے ساتھ اپنی ملاقات کے متعلق کہا کہ اس ملاقات میں امریکی فوجی حکام کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس مسئلے کے جامع حل کے سلسلے میں زیادہ مفاہمت اور مزید صبر کی ضرورت ہے، اور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ایسی صورتحال میں صرف طاقت کا استعمال ہی مسئلے کا حل نہیں ہوسکتا۔

27 اگست کو پاکستانی اور امریکی جرنیلوں کے درمیان ہونے والی خفیہ ملاقات کی تفصیلات چونکہ میڈیا کو فراہم نہیں کی گئی تھیں، اور اتفاق سے اس کے چند روز بعد ہی پاکستانی علاقوں پر امریکہ کی طرف سے مسلسل حملے کیے گئے تو دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ میں یہ تاثر ابھرا کہ امریکہ اور پاکستان کے مابین کوئی ایسا معاہدہ طے پا گیا ہے، جس کے تحت امریکی فورسز کو پاکستان کے اندر کارروائیاں کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن جنرل کیانی کے مذکورہ بیان سے نہ صرف یہ موہوم تاثر زائل ہوگیا ہے بلکہ اس سے پاکستانی عوام کی بھی کسی حد تک ڈھارس بندھی ہے، اور پاکستان پر چھائی ہوئی غیر یقینی کی کیفیت میں ان کا یہ بیان پاکستانی قوم کیلئے کافی حوصلہ افزاء ثابت ہوا ہے' لیکن معروضی حقائق کے پیش نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری مسلح افواج سمیت ایوان صدر' ایوان وزیراعظم' سینٹ اور پارلیمنٹ مل بیٹھ کر اپنی دفاعی' خارجی اور داخلی پالیسی پر نظرثانی کریں کہ آیا موجودہ حالات میں ہماری پالیسیاں ٹھیک ہیں یا ان میں ترامیم کی ضرورت ہے' بالخصوص امریکہ کے ساتھ تعلقات اور نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کی پالیسی قطعی طور پر نظرثانی کی متقاضی ہے کیونکہ پاکستان امریکہ کے ساتھ جتنا زیادہ تعاون کر رہا ہے' اتنا ہی امریکہ پاکستان کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اب تو امریکہ نے اپنی جنگ کو افغانستان سے پاکستان منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر اب بھی ہم نے اپنی پالیسیوں پر نظرثانی نہ کی تو آئندہ حالات پاکستان کیلئے مزید مخدوش ہوتے چلے جائیں گے۔

امریکہ کی افغانستان اور اب پاکستان میں مداخلت کا آغاز نائن الیون کے سانحہ سے ہوا تھا جس کو بہانہ بنا کر امریکہ اس علاقے کا تھانیدار بنا ہوا ہے اور خود کو تمام عالمی اخلاقی پابندیوں سے ماورا سمجھتا ہے۔ اس مرحلے پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سات سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی حتمی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہوسکا ہے کہ ان واقعات کے پیچھے دراصل کس کا ہاتھ تھا، اور تاریخ کا یہ محیر العقول سانحہ دراصل کیونکر رونما ہوا؟ امریکہ نے شروع دن سے اس کی ذمہ داری ''مسلم انتہا پسندوں'' پر عائد کی اور اس کا آج بھی سرکاری موقف ہے کہ نائن الیون کے واقعات القاعدہ کی کارستانی تھے۔ خود القاعدہ کی جانب سے بھی بعض مبینہ ویڈیو بیانات میں اس کی ذمہ داری قبول کی گئی جس کی بناء پر دنیا میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ 11 ستمبر کے حملے القاعدہ ہی نے کرائے تھے، لیکن دوسری جانب دنیا کے بہت سے دانشوروں کا اب تک یہ اصرار ہے کہ 11 ستمبر کے حملوں کے دوران جس قسم کی تکنیک استعمال کی گئی' جس طرح آناً فاناً امریکی نخوت کی علامت سمجھے والے ورلڈ ٹریڈ ٹاورز چند سیکنڈز کے اندر زمین بوس ہوگئے' اسے محض ''طیارے بم حملے'' کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس میں تو شک نہیں کہ ان حملوں کیلئے امریکی طیارے استعمال کیے گئے جن میں ممکنہ طور پر یہ خودکش حملہ آور سوار تھے لیکن کیا محض ایک طیارے کے اوپری سطح پر ٹکرا جانے سے 110 منزلہ مضبوط ترین عمارت چند سیکنڈز کے اندر بنیادوں تک گر کر تباہ ہوسکتی ہے، اور کیا ایک طیارے کے فیول ٹینک میں موجود ایندھن اتنی بڑی تباہی پھیلانے کیلئے کافی ہوتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی شافی جواب آج تک نہیں دیا گیا۔ پھر ٹوئن ٹاورز کے ساتھ واقع تیسرا ٹاور جس سے کوئی طیارہ بھی نہیں ٹکرایا تھا' کس طرح ساتھ ہی گر گیا؟

یہ سوال بھی ہنوز تشنۂ جواب ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کئی سوالات خود امریکہ اور مغرب کے حلقوں میں اٹھائے گئے اور بعض دستاویزی فلموں اور واقعاتی شواہد کے ذریعے بھی ان سوالات کی اہمیت واضح کی گئی مگر امریکی حکومت اور ذمہ دار اداروں نے کبھی ان سوالات کو کوئی واقعی اہمیت نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ نائن الیون کو سات سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ تمام سوالات اپنی جگہ قائم اور جواب کے منتظر ہیں۔ لیکن اس موضوع کے اس پہلو کو ترک کرتے ہوئے اگر ہم امریکی حکومت کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیں کہ یہ حملے القاعدہ نے کروائے تھے اور ان حملوں کے بعد القاعدہ کے خلاف جنگ ناگزیر تھی تو سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ سات سالوں کے دوران دو بڑی جنگیں لڑ کر اس خطرے کا ازالہ کر سکا ہے جو القاعدہ کی شکل میں اس کے حواس پر طاری ہوا تھا؟ تو اس کا جواب اثبات میں دینا ممکن نہیں ہے۔ اگر صدر بش کے الفاظ میں ''صلیبی جنگ'' کا آغاز کرنے سے امریکہ کا مقصد 11 ستمبر کے واقعات کا محض اندھا انتقام لینا اور مسلمانوں کو ان حملوں کا ''مزہ چکھانا'' تھا' تو یقیناً امریکہ کہہ سکتا ہے کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے کیونکہ نائن الیون کے واقعات میں ساڑھے چار ہزار کے قریب امریکی مارے گئے تھے جبکہ اس کے بدلے میں شروع کی جانے والی امریکی جنگ میں اب تک مجموعی طور پر 10 لاکھ سے زائد مسلمانوں کا خون بہایا جا چکا ہے۔ دو مسلمان ممالک افغانستان اور عراق کھنڈرات میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں، اور اب صدر بش کے تازہ بیان کے مطابق تیسرا مسلم ملک پاکستان ''جنگ کا میدان'' قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امریکہ 11 ستمبر کے واقعات کے بدلے میں پوری دنیا کے مسلمانوں کو جس قدر ذہنی اذیت دے سکتا تھا' دے چکا ہے اور یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ اس پہلو سے امریکہ یقیناً ''کامیاب'' ہی رہا ہے لیکن اگر امریکہ کا مقصد دہشت گردی کے خطرات کو ختم کرنا اور دنیا کو محفوظ جگہ بنانا تھا' جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے' تو بد قسمتی سے اسے اپنے مقصد میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر گزرتا دن اس حوالے سے امریکہ اور پوری دنیا کیلئے زیادہ خوفناک اور خطرناک بنتا جا رہا ہے۔ امریکہ اس جنگ کے دوران اعصاب کی جنگ ہار چکا ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے اب افغانستان اور پاکستان میں بے گناہ شہریوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے۔ امریکی نفسیات سے واقفیت رکھنے والے ماہرین کے مطابق امریکی جب اپنی شکست دیکھتے ہیں تو ان کی جانب سے یہی طرز عمل سامنے آتا ہے۔ ویتنام میں بھی جب امریکی افواج کے قدم اکھڑ گئے تھے تو امریکی فضائیہ نے وحشیانہ بمباری میں عام شہریوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا جس کے بعد وہاں اس کی رسوا کن شکست پر ہمیشہ کیلئے مہر ثبت ہو گئی تھی۔

اس مرحلے پر ایک اہم بات کی طرف ہمارے ارباب اختیار کی توجہ دلانا ضروری ہے۔ ویسے تو ہمارے ہاں برسر اقتدار آنے والا ہر شخص خود کو عقل کل سمجھتا ہے اور کبھی کسی کی بات پر کان نہیں دھرتا' لیکن اپنا قومی فریضہ ادا کرنا بہرحال ہمارے لئے بھی ضروری ہے۔ ہمیں یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ ہم بھارت کے ہمسائے ہیں اور پاکستان کو زیر عتاب دیکھتے ہوئے بھارت نے مقبوضہ کشمیر پر اپنے دانت دوبارہ زیادہ سختی سے گاڑ دیئے ہیں۔ نہتے کشمیریوں پر فائرنگ کر کے پانچ دس کشمیریوں کو مار دینا معمول بنتا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بھارتیوں کی طرف سے ''پاکستانی مداخلت'' کا پرانا ڈھول بھی بجنے لگا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اگر ہم نے امریکہ کے ''گرم تعاقب'' کو ٹھنڈے پیٹوں قبول کر لیا تو بھارتی فوجیں بھی پاکستان میں ''دگھس بیٹھیوں'' کے ٹریننگ کیمپوں پر حملے کے بہانے ہمارے ساتھ یہی سلوک نہ کرنے لگیں کیونکہ پنجابی کی ایک کہاوت کے مطابق غریب کی جورو سارے گاؤں کی بھابھی ہوتی ہے۔

ہماری آنکھیں کب کھلیں گی؟

حال ہی میں مجھے ''وقت ٹی وی چینل'' کے پروگرام کراس ایگزمی نیشن کے لئے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں ہماری ملاقات محسود، مہمند، آفریدی، کوتاخیل، وزیری اور دیگر قبائل کے اہم سرداروں، پولیٹیکل ایجنٹوں، سابقہ جرنیلوں اور ان سفیروں سے ہوئی جو ماضی میں ان علاقوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں، اور یہاں کی سیاست کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ ہم خیبر ایجنسی، طورخم، وزیرستان میں گئے مقامی عمائدین اور عسکریت پسندوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں طالبان کے ہم خیال، مخالف، مقامی عسکریت پسند گروپوں کے ہم خیال اور مخالفین غرض تمام مکتبہ فکر کے لوگ شامل تھے۔ اس سے پہلے کہ ان ملاقاتوں کا تفصیلی احوال لکھوں، میں آغاز ہی میں ان نتائج کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں جو میرے مشاہدے میں آئے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ بلاشبہ قبائل کے غیور مسلمان پاکستان کے بازوئے شمشیر زن ہیں۔ امریکہ اور پاکستان میں امریکہ کے تنخواہ دار ایجنٹوں کی بے پناہ مساعی اور دن رات کی تخریبی سیاست اور کارروائیوں کے باوجود ان قبائل کی اسلام اور پاکستان سے محبت اور عقیدت میں ذرا برابر کمی نہیں آئی اور خدانخواستہ کبھی مستقبل میں امریکہ یا پاکستان کی طرف سے اس سے زیادہ شدت سے بھی ان کے خلاف معاندانہ کارروائیاں کی گئیں تو بھی ان کے نظریات تبدیل نہیں ہوں گے۔

دوسری اہم بات یہ کہ سرحدی قبائل کے غیور مسلمان پاکستان آرمی پر حملہ نہیں کرتے، نہ ہی انہیں اپنا مخالف فریق سمجھتے ہیں۔ جب ان کے گھروں پر وحشیانہ بمباری کی جاتی ہے جس میں ان کے معصوم بچے بھی مارے جاتے ہیں تو وہ اپنی روایات کے مطابق اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ ''بدلہ'' یہاں کی صدیوں پرانی روایت ہے جس کے مطابق جب کسی قبیلے یا خاندان کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تو وہ اس کا بدلہ لینے کے لئے اپنے لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ جو لوگ اس بدلے کے لئے منتخب ہوتے ہیں وہ اپنے گھروں میں نہیں جاتے انہیں ''حجرے'' میں رکھا جاتا ہے۔ جہاں مقامی قبیلہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جب ''بدلہ'' پورا ہو جاتا ہے تب ہی یہ لوگ اپنے گھر والوں کو منہ دکھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس ''بدلے'' میں مقامی قبیلہ ہی فیصلہ کرتا ہے کہ انہیں کتنے لوگوں کو مارنا ہے جب یہ گنتی پوری ہو جاتی ہے تو یہ سلسلہ رک جاتا ہے۔

ان روایات اور رسومات سے ہمیں سابق پاکستانی قونصلیٹ برائے جلال آباد کرنل امام نے آگاہی دی جو طالبان امور اور مقامی صورتحال پر سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ لال مسجد آپریشن میں کچھ بچیاں ایسی ہی شہید ہوئیں جن کا تعلق ان قبائل سے تھا یہ بچیاں کنواری اور بے گناہ تھیں جن کا زیادہ شدت سے انتقام لیا جاتا ہے۔ پاکستان میں خودکش دھماکوں کا سلسلہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جسے روکنے کے لئے متاثرہ قبائل سے حکومتی سطح پر معذرت ناگزیر ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے دشمن کو اگر وہ گھر آ کر معافی مانگ لے تو معاف کر دیتے ہیں۔

تیسری اہم بات یہ کہ اگر قبائلی علاقہ جات نہ چاہیں تو وہاں امریکہ ہو یا پاکستان کسی کی رٹ قائم نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک پاکستان کا معاملہ ہے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ لوگ کبھی پاکستان کی مخالفت یا دشمنی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انہیں بزور قائل نہیں کیا جا سکتا، انہیں کچلا نہیں جا سکتا انہیں ان کی مرضی اور روایات کے برعکس کسی کام کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی اہم ترین بات یہ ہے کہ یہاں سوائے مقامی جرگہ کے اور کوئی طریقہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کے بعد جس کا سب سے زیادہ احترام کرتے ہیں وہ جرگہ سسٹم ہے۔ جس کے کسی فیصلے سے انکار نہیں کرتے خواہ وہ فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ دیا گیا ہو لیکن جرگہ میں اکثریت کا فیصلہ ہو تو اس کا بہر صورت احترام کیا جاتا ہے، اور آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ طالبان جن کے سربراہ ملا عمر ہیں پاکستان کے خلاف کسی سرگرمی میں کبھی ملوث نہیں رہے اور نہ ہی مستقبل میں وہ ایسا کریں گے، یہ ان کی ایمانی غیرت کا معاملہ ہے جس پر وہ بھی سمجھوتہ نہیں کرتے البتہ امریکہ کے سامنے وہ کبھی سرنگوں نہیں ہوں گے خواہ ساری دنیا کی غیر مسلم افواج ہی اکٹھی ہو کر ان کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔

پاکستانی قبائل میں ''القاعدہ'' نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی نہ ہی یہاں کوئی غیر ملکی دہشت گرد رہتا ہے۔ افغان جہاد میں جو مجاہدین دنیا کے مختلف ممالک سے یہاں آتے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے یہاں شادیاں کی تھیں ان کی بھی اب تیسری نسل یہاں ہو گی۔ جن کے متعلق غیر ملکی کا لیبل لگانا زیادتی ہے۔ ان قبائل کا نظام ایسا ہے کہ یہاں کسی کو ان کی مرضی کے بغیر چھپایا نہیں جا سکتا نہ ہی کوئی پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

عین ممکن ہے کہ مندرجہ بالا نتائج سے ہماری حکومت خصوصاً اس حکومت کو جو صدارتی محل میں موجود ہے اختلاف ہو اور وہ انہیں قبول نہ کریں لیکن اس حقیقت سے وہ بھی آگاہ ہے کہ امریکہ اور پاکستان ڈنڈے کے زور سے نہ تو ان کو جھکایا جا سکتا نہ ہی ان سے کوئی بات منوائی جا سکتی ہے۔ جہاں تک طالبان کی افغانستان میں پسپائی کا تعلق ہے تو 27 اپریل کو افغان صدر پر ہونے والے حملے سے امریکہ اور پاکستان دونوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

امریکہ نے پاکستان کی نئی حکومت کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں تعاون جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا ہے، تاہم امریکہ کو قبائلی علاقوں میں ہونے والے امن معاہدے پر تشویش ہے۔ امریکی دفتر خارجہ کے ترجمان ٹام کیسی نے کہا ہے کہ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستانی حکومت کے ساتھ تعاون جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ قبائلی علاقوں کو تشدد اور انتہا پسندی سے پاک کرنے کے لئے خود بھی پالیسیاں اور منصوبے بنائے گا۔ انہوں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ امریکہ قبائلی علاقوں میں سماجی اور اقتصادی ترقی کے کثیر الجہت منصوبوں کے لئے امداد بھی جاری رکھے گا۔

پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکہ کی کھلی مداخلت نہ کوئی نئی بات ہے نہ کوئی ڈھکا چھپا معاملہ...... پاکستان کے قیام کے ابتدائی برسوں ہی میں جب لیاقت علی خان نے روس کے مقابلے میں امریکہ کے دورے کا فیصلہ کیا تو اس وقت سے روس کی پاکستان کے ساتھ اندرونی عداوت کے آغاز کے ساتھ امریکہ کی مداخلت کا دروازہ بھی کھل گیا۔ جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ اہل نظر کے مطابق 1971ء کی جنگ میں پاکستان پر بمباری کے لئے جو بھارتی طیارے آئے تھے ان میں بعض کے پائلٹ روسی ہوتے تھے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس کا جواب تو پاکستان کے

حکمرانوں کو قوم کو دینا چاہئے۔ دوسرا نتیجہ جو برآمد ہوا وہ مذکور خبر کی صورت میں عوام کے سامنے ہے' امریکہ ایک دن کہتا ہے کہ پاکستان پر حملوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں دوسرے دن کہتا ہے کہ پاکستان میں کسی کارروائی کے لئے پاکستانی حکومت سے ''اجازت'' لی جائے گی۔ تیسرے دن کہتا ہے کہ ہمیں پاکستان میں اپنے ''دشمنوں'' کا تعاقب کرنے اور ان کو ختم کرنے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اور اب تازہ بیان نہ صرف امریکہ کے اصل عزائم کو عیاں کر رہا ہے بلکہ اس امر کی تصدیق بھی کر رہا ہے کہ امریکہ پاکستان پر قبائلی علاقوں سے حملے کا آغاز کرنے والا ہے۔

امریکہ نے قبائلی علاقوں پر جس قسم کے الزامات کی برسات اچانک ہی تیز کر دی ہے وہ حکومت پاکستان کے لئے کافی سے زیادہ انتباہ ہے۔ یوں بھی امریکہ نے آج تک پاکستان پر جتنے حملے کئے ہیں کیا وہ پاکستانی حکومت سے این او سی حاصل کر کے کئے ہیں۔ اس تازہ بیان کی روشنی میں حکومت پاکستان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ مشرف حکومت نے پاکستان کو جس صورت حال سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ بیان محض اس کا ایک خلاصہ اور ایک قسط ہے۔ اہل وطن بھی غور کر لیں اور ایسے کسی وقت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری بھی کر لیں۔ قومی اتحاد و اتفاق کی ہمارے لئے اس مرحلے پر انتہائی ضرورت ہے۔ اس موقع پر یہ امر انتہائی خوش آئند ہے کہ حکومت اور عسکری رہنما بیت اللہ محسود کے مابین امن معاہدہ ہو گیا ہے، اور بیت اللہ محسود نے وزیرستان اور دیگر علاقوں میں اشتعال انگیز کارروائیوں پر سخت پابندی عائد کر دی ہے۔ اس حوالے سے تحریک طالبان وزیرستان نے مختلف علاقوں میں پمفلٹس تقسیم کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مفاد عامہ کے تحت کسی بھی قسم کی اشتعال انگیز کارروائی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ جب کہ حکم نہ ماننے والوں کو سخت نتائج بھگتنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ حکومت اور مقامی طالبان کے مابین ہونے والے امن معاہدے پر ہر محب وطن شخص نے سکون کا سانس لیا ہے۔ یہ معاہدہ یقیناً پاکستان افواج پاکستان اور قبائلی عوام کے بہترین مفاد میں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب دشمن قوتیں ہمارے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ہمیں زیر نگیں رکھنا چاہتی ہیں، اتحاد و اتفاق کے ایسے مظاہرے کی بڑی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ حکومت اور قوم کو اس قسم کے معاہدوں پر امریکی تشویش کو مسترد کر دینا چاہئے اور اپنے قومی مفادات کے پیش نظر اپنے اس بازوئے شمشیر زن کو اپنا محافظ بنانا چاہئے کہ اس میں سب کا بھلا ہے۔

وقتِ دعا ہے!

18 ستمبر کو وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے بیان دیا کہ ہم نے امریکہ کو بتا دیا ہے کہ ملکی سالمیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور کسی غیر ملکی طاقت کو پاکستان میں ہدف کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسی روز امریکہ کی طرف سے ہونے والے ایک حملے کے خلاف وزارت خارجہ میں وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے بھی مذمتی بیان جاری کیا اور کہا کہ امریکہ نے تازہ حملہ پاکستان کو اطلاع دیئے بغیر کیا ہے جس پر ہمیں سخت تشویش ہے۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں پاکستانی صحافی یہ نہ سمجھ لیں کہ حکومت نے واقعی برا منا لیا ہے' قریباً وزیر داخلہ رحمان ملک نے ایک سوال کے جواب میں اسی روز کہہ دیا تھا کہ پاکستانی حکومت خدانخواستہ پاکستانی علاقوں سے گزرنے والی نیٹو اور امریکی فورسز کی سپلائی ہرگز نہیں روکے گی اور یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔

18 ستمبر ہی کو امریکی وزیر خارجہ رابرٹ گیٹس نے پاکستان میں ہونے والی امریکی کارروائی کا دفاع کرتے ہوئے بیان جاری کیا کہ امریکہ اپنی سلامتی کے تحفظ کیلئے ہر قدم اٹھائے گا، اور جب بھی ضرورت محسوس ہوئی ہم پاکستانی علاقے میں کسی کارروائی سے دریغ نہیں کریں گے۔

18 ستمبر تک نیٹو فورسز نے پاکستانی علاقے پر 13 حملے کیے تھے۔ ان حملوں میں پاکستان کے 11 سیکورٹی اہلکار اور 135 عام شہری دہشت گردی کے خلاف ہونے والی جنگ میں فرنٹ لائن اتحادی ہونے کی قیمت اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر ادا کر چکے ہیں جبکہ سینکڑوں کی تعداد میں زخمی الگ ہیں۔ جنوری 2008ء سے 18 ستمبر تک سال رواں میں پہلے حملہ میں 29 جنوری کو شمالی وزیرستان کی تحصیل میر علی میں ایک مکان کو نشانہ بنایا گیا جس میں 12 افراد جاں بحق ہوگئے۔ 28 فروری کو جنوبی وزیرستان کے علاقے کالے شاہ میں بھی ایک گھر کو نشانہ بنایا گیا جس میں 8 مبینہ طالبان مارے گئے۔ 16 مارچ کو جنوبی وزیرستان کے گاؤں شاہ نواز کوٹ میں حملے کے نتیجے میں 18 افراد جاں بحق ہوگئے۔ 14 مئی کو باجوڑ کے علاقے ڈمہ ڈولہ کے گاؤں کو قلعی میں جاسوس طیاروں کے ذریعے عبداللہ نامی شخص کے گھر کو گائیڈڈ میزائل سے نشانہ بنایا گیا جس میں تین بچوں سمیت 7 افراد جاں بحق ہوئے۔ 11 جون کو سیکورٹی فورسز کی چیک پوسٹ کو نشانہ بنایا گیا، جس میں 11 سیکورٹی اہلکاروں سمیت 19 افراد جاں بحق ہوئے۔ 28 جولائی کو جنوبی وزیرستان کے علاقے اعظم ورسک میں میزائل حملہ سے 7 افراد جاں بحق ہوئے۔ 13 اگست کو باغر چینہ میں ایک مکان میں 4 میزائل داغے گئے جس سے 12 افراد ہلاک ہوئے۔ 20 اگست کو جنوبی وزیرستان کے علاقے زبری نور میں میزائل حملہ میں 2 افراد جاں بحق ہوئے۔ 31 اگست کو کٹنی میں مکان پر میزائل حملہ کیا گیا جس میں 4 افراد جاں بحق ہوئے۔ 4 ستمبر کو وزیرستان کے علاقے چار خیل میں رحمان ولی کے گھر کو نشانہ بنایا گیا جس میں 5 افراد ہلاک ہوئے۔ 8 ستمبر کو امریکی جاسوس طیاروں نے ڈانڈ وزیر خیل میں طالبان کمانڈر جلال الدین حقانی کے مدرسے پر 7 میزائل داغے جس سے القاعدہ کے اہم اراکین سمیت 20 افراد جاں بحق ہوئے۔ 12 ستمبر کو شمالی وزیرستان میں ایک اور حملے میں 12

افراد ہلاک ہوگئے، اور 17 ستمبر کو جنوبی وزیرستان کے علاقے باغڑ چینہ میں امریکی طیارے کے میزائل حملے سے 7 افراد ہلاک اور 6 زخمی ہوئے۔ اس حملے میں جاسوس طیارے کے ذریعے 4 میزائل داغے گئے۔

ان تمام حملوں کے دوران پاکستانی حکومت کی طرف سے خاموشی اختیار نہیں کی گئی بلکہ ہر حملے کے بعد سخت مذمتی بیان جاری کیا گیا جس میں امریکہ کو متعدد مرتبہ خبردار کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان اقدامات سے دونوں ممالک کے درمیان دہشت گردی کے خلاف جنگ پر زد پڑے گی۔ 16 ستمبر کو ایڈمرل مائیک مولن اپنے وفد کے ساتھ وزیراعظم گیلانی سے مذاکرات کر کے واپس تشریف لے جا رہے تھے تو بھی امریکی فورسز نے پاکستان میں مداخلت کی اور اگلے روز پھر میزائل حملہ کیا جس پر ہمارے محترم وزیر خارجہ نے فرمایا کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے امریکی حکومت کے مختلف اداروں کے درمیان کوآرڈینیشن ٹھیک نہیں کیونکہ ہمارے ساتھ تو جنرل مولن وعدہ کر کے گئے تھے کہ امریکہ پاکستانی علاقے میں کارروائی نہیں کرے گا جبکہ ان کی روانگی کے ساتھ ہی دو کارروائیاں بھی ہوگئیں۔ اس مرحلے پر وزیر خارجہ سے ہمدردی ہی کی جاسکتی ہے۔ واقعی امریکی یا تو وعدہ شکن ہیں یا پھر بقول شاہ محمود قریشی صاحب کے ان کا آپسی تال میل ٹھیک نہیں۔ امید ہے امریکن اس بیان کے بعد اپنا کوآرڈینیشن درست کر لیں گے اور پاکستان پر حملہ نہیں کریں گے۔ پاکستانی حکومت کی طرف سے یہ شکایت بھی کی جارہی ہے کہ امریکہ انہیں حملہ کرنے سے پہلے مطلع کرنے کا تکلف بھی نہیں کرتا۔

سوال یہ نہیں ہے کہ امریکی حکام نے پاکستانی سکیورٹی فورسز کو مذکورہ حملے کے فوری بعد اطلاع دی تھی یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ جب امریکہ کے جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین ایڈمرل مائیک مولن خصوصی طور پر پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد پاکستانی اعلیٰ حکام سے ملاقات کر کے یہ یقین دہانی کرا رہے ہیں کہ آئندہ پاکستانی علاقوں پر امریکی فورسز حملے نہیں کریں گی' لیکن ان کے اس بیان کے دو گھنٹے بعد ہی امریکی جاسوس طیاروں نے 4 میزائل فائر کر کے سات شہریوں کو شہید اور تین کو زخمی کر دیا۔ امریکہ کی اس حکمت عملی کو ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ اس کے علاوہ ہمارے پاکستانی حکام کا رویہ بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ گزشتہ ایک ماہ سے مسلسل یہ فرما رہے ہیں کہ ملکی خودمختاری اور قومی سلامتی کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا اور کسی بھی غیر ملکی طاقت کو اپنی سرزمین پر حملے کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ گزشتہ ایک ماہ سے اس قسم کے خوشنما اور جرأت آمیز اعلانات سن سن کر پاکستانی قوم کے کان پک چکے ہیں لیکن تاحال قوم پر یہ واضح نہیں ہوسکا کہ ہماری خودمختاری اور قومی سلامتی کا تحفظ کس طرح ممکن ہو سکے گا؟ اگرچہ امریکی حملوں کا سلسلہ گزشتہ چار سال سے جاری ہے لیکن صرف رواں ماہ ستمبر میں اب تک 9 بار پاکستانی سرزمین پر امریکی حملے ہو چکے ہیں۔

امریکی اور پاکستانی حکام دونوں کے رویے حیرتناک حد تک ناقابل فہم ہیں۔ ایک طرف پاکستانی حکام کے بیانات اور اعلانات ہیں جو طویل عرصے سے اپنے بامعنی ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف امریکی حکام کے بیانات ہیں کہ کبھی وہ ان حملوں کے غلطی سے سرزد ہونے کی بات کرتے ہیں اور کبھی آئندہ نہ ہونے کی بات کرتے ہیں لیکن معروضی حقائق یہ ہیں کہ حالات جوں کے توں ہیں اور تاحال کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اب گزشتہ روز ہونے والے سانحہ ہی کو سامنے رکھ کر دیکھ لیں کہ ایڈمرل مائیک مولن خاص طور پر اسی سلسلے میں پیشرفت کیلئے امریکہ

سے آئے اور پاکستانی حکام سے ملاقات کرنے کے بعد انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ امریکی فورسز پاکستانی سرحدوں کا احترام کرتے ہوئے اندرون پاکستان حملے نہیں کریں گی جبکہ عین اسی وقت جس وقت ایڈمرل مائیک مولن پاکستانی حکام سے ملاقات کر رہے تھے' اسی وقت اُدھر کابل میں امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس بھی کابل میں افغان صدر حامد کرزئی کے ساتھ مشاورت کر رہے تھے۔ دونوں شخصیات پاکستان اور افغانستان کے حوالے سے سٹریٹجک نکتہ نظر میں تبدیلی اور علاقے کی صورتحال کیلئے اس خطے میں موجود تھیں لیکن ان دونوں کے اقدامات سے یہ باور کیا جا رہا ہے کہ ٹیکنیکل سطح پر ان میں واضح طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔ امریکی افواج نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنا مطلوبہ ہدف جلد از جلد حاصل کرنے کیلئے پریشان ہیں کیونکہ آئندہ نومبر میں ہونے والے امریکی الیکشن میں کامیابی کیلئے صدر بش کو کوئی بڑی کامیابی چاہئے جس کیلئے امریکی انتظامیہ تگ و دو کر رہی ہے اور اس کیلئے انہوں نے پاکستانی علاقوں پر حملوں سے بھی گریز نہیں کیا۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ آنے والے دو ماہ تک امریکی حکام پاکستانی حکومت کو اسی کشمکش اور تذبذب میں مبتلا کر کے اپنا ٹارگٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ 2 ماہ تک مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد امریکی حکام حسب معمول ہلکی سی ''معذرت'' کر کے اپنے تعلقات پاکستانی حکام سے سابقہ خطوط پر استوار کر لیں گے اور اس دوران پاکستانی حکام ''جرأت آمیز'' بیانات کی چہ میگوئیوں تک محدود رہیں گے۔ بعض سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ امریکہ اور پاکستانی حکام کے مابین اس قسم کی کوئی انڈرسٹینڈنگ موجود ہے جس سے امریکی فورسز کو حملے کرنے کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔ امریکی ذرائع ابلاغ چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ پاکستانی حکومت نے امریکہ کو اس ضمن میں ''فری ہینڈ'' دے رکھا ہے۔ اگر ہمارے ارباب اختیارات کے بیانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کافی حد تک صحیح دکھائی دیتی ہے، اور ایک مرتبہ پھر پاکستانی عوام کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ ان کے حکمرانوں کا تعلق چاہے فوج سے ہو یا عوام سے' نوکری وہ کسی اور کی ہی کرتے ہیں اور ایسے معاہدوں کے پابند ہوتے ہیں جن میں انہیں صرف احتجاج کرنے کا حق ہی دیا جاسکتا ہے۔ بدقسمتی کی انتہا ہے کہ صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی میں سوات سے منتخب ایم پی اے حامد علی خان روتے ہوئے سوات میں ہونے والے مظالم کا احوال بیان کرتے ہیں اور ساری اسمبلی بے بسی سے ان کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ ادھر ہمارے وزیر اعظم' وزیر خارجہ اور دیگر ذمہ دار امریکی مظالم پر احتجاج کرتے ہیں اور عوام ان کا منہ دیکھ رہے ہیں۔

اے خاصہ خاصان رُسل وقت دعا ہے

اُمت پہ تیری آ کہ عجب وقت پڑا ہے

امریکی جارحیت کا تسلسل

یہ کوئی بڑی انہونی بات نہیں کہ امریکہ اور نیٹو افواج نے مہمند ایجنسی میں حملہ کر کے گیارہ پاکستانی فوجیوں کو شہید کر دیا جن میں ایک میجر بھی شامل ہیں' کیونکہ امریکہ کے لئے یہ معمول کی کارروائی ہے۔ جب بھی ایسا حملہ ہو جس میں بے گناہ پاکستانی مارے جائیں نیٹو کے ترجمان کی طرف سے کہہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ حملہ فلاں دہشت گرد کی یہاں موجودگی کی اطلاع پر کیا تھا، اور اس حملے کی پیشگی اطلاع بھی پاکستان کو دے دی تھی۔ پاکستان کی طرف سے آئیں بائیں شائیں ہوتی ہے ایک زمانہ تو وہ تھا، جب جوش محبت میں ہم نے اپنے بے گناہ شہریوں کی امریکہ کے ہاتھوں ہلاکت پر یہ عجیب وغریب بیان جاری کیا کہ دراصل یہ حملہ امریکہ نے نہیں بلکہ پاکستانی فوج نے کیا تھا۔ اُن دنوں جناب جنرل (ر) پرویز مشرف جنھیں اپنے کمانڈو ہونے پر بہت فخر بھی ہے۔ ''آرمی چیف'' ہوا کرتے تھے اور آپ پر امریکی عشق اس بری طرح سوار تھا کہ امریکی فوج کے جرائم بھی اپنی فوج کے سر تھوپ دیا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ معاملات ذرا مختلف ہیں۔ اس حملے کا پاکستان نے نوٹس لیا ہے جبکہ امریکہ کی وزارت دفاع نے پاکستان کے قبائلی علاقے میں فضائی حملے کو جس میں گیارہ پاکستانی فوجی شہید ہو گئے تھے جائز قرار دیا ہے۔ امریکی وزارت دفاع پینٹاگون سے جاری ہونے والے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ امریکی فوجیوں نے اپنے دفاع میں یہ کارروائی کی تھی۔ امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ (وزارت خارجہ) نے اس حملے میں ہونے والے پاکستان فوج کے جانی نقصان پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ مواصلات یا معلومات کے تبادلے کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی میں اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کی خودمختاری خطرے میں ہے۔ پاکستان کی وزارت خارجہ اور پاکستانی فوج کی طرف سے اس واقعہ کی مذمت کے لئے علیحدہ علیحدہ بیانات جاری کیے گئے تھے۔ ان بیانات میں غیر معمولی طور پر انتہائی سخت الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ دفتر خارجہ نے اسے طاقت کا بے محابہ استعمال قرار دیا تھا جبکہ پاکستانی فوج کی طرف سے جاری ہونے والے بیان میں اسے ایک بزدلانہ فعل کہا گیا تھا۔ دفتر خارجہ اور پاک فوج کے بیانات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس طرح کے حملوں سے پاکستان اور امریکہ کے درمیان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں تعاون پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔

پاکستانی فوج پر امریکی فوج کی طرف سے یہ حملہ منگل کی رات گئے افغانستان کے ساتھ قبائلی پٹی میں مہمند ایجنسی کے دور افتادہ دشوار گزار پہاڑی علاقے میں گوڑاپاری کی چوکی پر کیا گیا تھا۔ ابتدائی طور پر یہ کہا جا رہا تھا کہ یہ حملہ نیٹو کی افواج کی طرف سے کیا گیا لیکن بعد میں امریکی فوج نے یہ اعتراف کیا کہ یہ حملہ ان کی طرف سے کیا گیا تھا۔ امریکی فوج نے کہا تھا کہ طالبان کی طرف سے اس کے فوجیوں پر حملہ کیا گیا جس کے جواب میں انہوں نے آرٹلری اور فضائی بمباری کی۔ افغانستان میں موجود امریکی فوج کے ترجمان جیف موریل نے کہا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق

امریکی فوجیوں پر حملہ کیا گیا جس کے جواب میں امریکی فوجیوں نے کارروائی کی۔ طالبان کے ایک ترجمان نے اس حملے میں آٹھ طالبان جنگجوؤں کے ہلاک ہونے کی بھی تصدیق کی تھی۔

واشنگٹن میں بی بی سی کے نامہ نگار کم گٹس کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ ایسے وقت پیش آیا ہے، جب امریکہ اور پاکستان شدت پسندوں سے نبٹنے کے طریقہ کار پر اختلافات بڑھ رہے ہیں۔ طالبان تحریک کے ترجمان مولوی عمر نے واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ منگل کی شام افغان اور نیٹو فورسز نے پاکستانی علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی جس پر ساٹھ سے زائد طالبان نے ان پر حملہ کر دیا۔

اسلام آباد میں بی بی سی کی نامہ نگار باربرا پلٹ نے کہا کہ پاکستانی فوج کی طرف سے جاری ہونے والے مذمتی بیان میں غیر معمولی طور پر سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور اسے ایک جارحانہ اقدام قرار دیا گیا ہے۔ افغانستان میں امریکی افواج براہ راست شدت پسندی کو روکنے اور طالبان کے خلاف کارروائیاں کرنے پر معمور ہیں۔ نیٹو کے اہلکار نے بی بی سی کو نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا کہ اس میں امریکی فوج ملوث تھی اور نیٹو افواج کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ امریکہ ماضی میں بھی پاکستان کے قبائلی علاقوں میں پائلٹ کے بغیر چلائے جانے والے جہازوں سے میزائل حملے کرتا رہا ہے، لیکن سرکاری سطح پر اس کی کبھی تصدیق نہیں کی گئی۔ اس طرح کے حملوں سے پاکستان میں عوامی سطح پر غم و غصہ نے جنم لیا ہے اور ان حملوں کو ملک کی خود مختاری کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ پاکستانی فوجیوں کی ہلاکت سے شدید ردعمل سامنے آ سکتا ہے۔ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات گذشتہ چند مہینوں سے شدید دباؤ کا شکار ہیں۔ پاکستانی فوجی اس سے قبل بھی کئی مرتبہ امریکہ اور اتحادی فوجوں کے حملوں یا 'فرینڈلی فائر' کی زد میں آ چکے ہیں۔

دفتر خارجہ نے مطالبہ کیا کہ اتحادی فوج کو اس واقعہ کی تحقیقات کرنی چاہئیں اور اس سے پاکستانی فوج کو آگاہ کیا جانا چاہئے۔ اس تحریری بیان میں کہا گیا کہ پاکستانی فوج اپنے اہلکاروں اور شہریوں کی حفاظت کرنے کے حق کو محفوظ رکھتے ہیں۔ پاکستان فوج کے ترجمان نے افغانستان میں موجود اتحادی فوج کی طرف سے اس حملے کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جاری تعاون کو شدید دھچکا پہنچا ہے۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے بھی اس واقعہ کی مذمت کے لئے ایک علیحدہ تحریری بیان جاری کیا اور کہا کہ فضائی طاقت کا بے مہابا استعمال کسی طور پر قابل قبول نہیں ہے۔ دفتر خارجہ نے کہا کہ یہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

افغانستان میں امریکی فوج کے ترجمان نے پاکستان کے قبائلی علاقے میں حملے کی تصدیق کی ہے۔ امریکی فوجی ترجمان نے مزید کچھ بتانے سے گریز کیا۔ سرحد پر امریکی افواج اور شدت پسندوں میں شدید جھڑپ کے بعد امریکی افواج نے فضائی حملہ کیا جس میں سے پاکستانی سرحد کے اندر قائم پاکستان کے نیم فوجی دستوں فرنٹیئر کانسٹیبلری کی ایک چوکی بھی زد میں آ گئی۔ افغانستان میں کثیر الاقوامی فوج ایساف کے ترجمان بریگیڈیئر جنرل کارلوس برانکو نے بتایا کہ ان کی افواج پر سرحد پر سے فائرنگ کی گئی تھی جس کے جواب میں انہوں نے بھی فائرنگ کی۔

انہوں نے کہا کہ اس جھڑپ میں ان کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا جبکہ انہیں دوسری طرف ہلاک ہونے والے افراد کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ پاکستان کی وزارت خارجہ اور پاکستان فوج نے اس حملے کی مذمت میں دو علیحدہ علیحدہ تحریری بیان جاری کئے جن میں غیر معمولی طور پر سخت زبان استعمال کی گئی ہے۔ ان بیانات میں امریکی فوج کی جگہ اتحادی فوج کا لفظ استعمال کیا گیا اور کہا گیا کہ اتحادی فوج کی طرف سے طاقت کا بے مہابہ استعمال ناقابل قبول ہے۔ دفتر خارجہ کے بیان میں کہا گیا کہ مہمند ایجنسی میں گوراپاری میں پاکستانی چوکی پر حملہ بلا اشتعال تھا اور پاکستان افغان سرحد کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ دفتر خارجہ نے مزید کہا کہ یہ اقدام دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی طرف سے دی جانے والی قربانیوں کی دانستہ نفی کرنے کے مترادف ہے۔

پاکستان فوج کے ترجمان کے بقول اس حملے نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جاری پاکستان کے تعاون اور قربانیوں کو نشانہ بنایا ہے جس سے اس جنگ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ پاکستانی فوج نے اس واقعہ پر اپنا شدید احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔ تاہم اس مختصر بیان میں واقعے کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ اس ضمن میں پاکستانی وزیر دفاع جو کچھ عرصے سے بڑے بولڈ قسم کے بیانات دینے کی کوشش کر رہے ہیں نے عجیب وغریب بیان دیا ہے۔ وزیر دفاع احمد مختار نے کہا ہے کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شریک ہے۔ امریکہ کو اپنے اتحادیوں پر حملہ زیب نہیں دیتا۔ ہمارے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں کہ ہم 30 ہزار فٹ کی بلندی سے ہونے والے حملے روک سکیں اور اپنی حدود میں داخل ہونے والے طیاروں کا پتہ چلا سکیں۔ گزشتہ روز انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان اپنی سرحدوں کی خلاف ورزی اور فوجیوں کی شہادت پر امریکہ سے احتجاج اور معاوضہ کا مطالبہ کرے گا۔ وزیر دفاع نے مبینہ دہشت گردی کیخلاف جس جنگ میں پاکستان کے شریک ہونے کا فخریہ انداز میں اظہار کیا ہے درحقیقت ہمارے حکمرانوں کی اسی پالیسی کا تسلسل ہے جس کے باعث ملک کی سلامتی کو خطرات لاحق ہوئے ہیں اور اپنے مفاد کے تحت امریکہ جنرل (ر) مشرف کو اپنا فرنٹ لائن اتحادی بنا کر بھی ہم پہ اعتماد نہیں کر رہا اور اس کی جانب سے مبینہ دہشت گردوں کے تعاقب کے نام پر ہماری سرزمین کے اندر گھس کر کارروائی کی دھمکیاں دینے کے بعد اب عملاً اس کارروائی کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ مہمند ایجنسی میں دو روز قبل امریکی فضائیہ کے حملے ہمارے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہیں مگر ہمارے وزیر دفاع، جن کی بنیادی ذمہ داری ملک کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے حکمت عملی طے کرنے، اور افواج پاکستان کو اس کیلئے مستعد کرنے اور ہمہ وقت تیار رکھنے کی ہے، یہ بیان دے کر کہ ہم 30 ہزار فٹ کی بلندی سے ہونے والے حملے روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ایٹمی طاقت کے حامل اس وطن عزیز کا بیرونی دنیا میں بالخصوص ان دشمن ممالک کے سامنے کیا تشخص قائم کر رہے ہیں جو ہماری سلامتی کے درپے ہیں۔ اگر وہ نیوکلیئر پاکستان کے خلاف ہونے والی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو بزدل ہوتے ہوئے وزارت دفاع کے منصب پر کیوں براجمان ہیں۔ انہیں فی الفور مستعفی ہو کر باہر آ جانا چاہئے اور پھر اس منصب پر اس شخصیت کو فائز کیا جائے جو ملکی وقومی سلامتی اور اس کے دفاع کے تقاضوں کا ادراک کرتے ہوئے اس کے اہل بھی ہو۔ چودھری احمد مختار کے بقول اگر ہم دشمن کے جہازوں کو 30 ہزار فٹ کی بلندی سے حملہ آور ہوتے نہیں روک سکتے تو کل کو ہمارے قبائلی علاقے تو کجا ہمارا وفاقی

دارالحکومت بھی اس جارحیت کی زد میں آسکتا ہے‘ اس لئے اپنی کسی کمزوری یا بزدلی کے اظہار کی بجائے موجودہ منتخب حکمرانوں کو ملک کے دفاع کی مؤثر اور ٹھوس حکمت عملی طے کر کے امریکی مفادات کی جنگ سے فی الفور خود کو باہر نکال لینا چاہئے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر ہم سے اپنے مفادات کی تکمیل بھی کرتا رہے اور ہم پر جارحیت کا ارتکاب کرتے ہوئے ہمارے شہریوں اور فوجیوں کو بھی مارتا رہے۔ یہ صورتحال قوم کیلئے تو لمحہ فکریہ ہے‘ حکمرانوں کیلئے بھی ہونا چاہئے۔ اس وقت چونکہ ملک میں وکلاء تحریک کا غلغلہ مچا ہے اور عوام کی زیادہ توجہ اس طرف نہیں بصورت دیگر شاید حکومت کے لئے مشکلات پیدا ہوتیں جبکہ مہمند ایجنسی اور دیگر قبائلی علاقہ جات میں اس کا نوٹس لیا گیا ہے اور عوام صرف آئیں بائیں شائیں پر اکتفا کرنے کے بجائے کسی ٹھوس جوابی کارروائی پر زور دے رہے ہیں۔ اُمید تو یہی تھی کہ عوامی حکومت کے ہوتے ہوئے شاید امریکہ ایسا اقدام نہیں کرے گا لیکن اب یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ امریکیوں کے منہ کو خون کی جو چاٹ لگ گئی ہے اس نے ان میں اپنے اور بیگانے کی تمیز بھی نہیں رہنے دی۔

جارحانہ امریکی یلغار اور بھارتی مداخلت

راولا کوٹ کے ہجرہ سیکٹر میں گزشتہ دنوں بھارتی فوج نے بلاجواز پاکستانی مورچوں پر فائرنگ کر کے چار سالہ فائر بندی کا خاتمہ کر دیا گو کہ پاکستانی فوج کے منہ توڑ جواب دینے کے بعد یہ سلسلہ حسب روایت ختم ہو گیا، لیکن یہ سوال اپنی جگہ بڑا اہم ہے کہ اچانک بھاتی فوج کو پاکستان پر فائرنگ کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ یہ واقعہ دن دو بجے پیش آیا اور بھارت یہ الزام بھی نہیں لگا سکا کہ دن دھاڑے دہشت گرد سرحد عبور کر کے پاکستان آ رہے تھے، ان پر فائرنگ کی گئی نہ ہی کوئی اور جواز پیش کیا گیا البتہ پاکستانی آئی ایس پی آر نے اس واقعہ سے پریس کو ضرور آگاہ کر دیا۔ ان حالات میں جبکہ پاکستان کی شمالی سرحدوں پر اپنوں اور غیروں کی سلگائی آگ کے شعلے بلند ہو کر آسمان کی وسعتوں کو چھونے لگے ہیں پاکستان سے یہ امید کرنا یا اس پر الزام لگانا کہ پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کابل کے بھارتی سفارتخانہ پر حملہ کروایا ہے انتہائی احمقانہ دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان کو تو اپنے اندرونی مسائل سے ہی چھٹکارا نہیں مل رہا اور حکومت پر ویسے ہی امریکی امداد کی تازہ قسط وصول کرنے کے بعد سے قبائلی علاقہ جات میں شرپسندوں اور دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کا شوق ضرورت سے کچھ زیادہ ہی چڑھا ہوا ہے۔ ایک ایجنسی سے فارغ ہوتے ہیں تو دوسری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ آج خبر آئی ہے کہ خیبر ایجنسی میں شدت پسندوں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے تو اگلے روز خبر ملتی ہے کہ باڑہ میں منگل باغ کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ ان حالات میں پاکستان کو کیا ضرورت پڑی کہ وہ کابل کے بھارتی سفارتخانے میں دھماکہ کروا کر نئی بلا اپنے گلے ڈال لے لیکن بھارتی حکومت پاکستان کے خلاف الزام تراشی سے کبھی نہیں چوکتی اور اب تو اسے حامد کرزئی جیسے دوست بھی میسر ہے جو کبھی پاکستانی ایجنسیوں کا لاڈلا تھا، اور اب امریکہ اور بھات کا پٹھو بنا ہوا ہے۔ یہ پٹھو اپنے آقاؤں سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر پاکستان کے خلاف بکتا ہے۔ اس ملک کے خلاف جس نے اسے پناہ دی۔ عزت دی۔ گھر بار دیا اور سب سے بڑھ کر اس عہدے تک پہنچایا۔

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بھارتی فوج کی سیز فائرنگ کابل میں بھارتی سفارتکانے پر حملے کا ری ایکشن تھا انہوں نے اپنے غصے کا اظہار کیا ہے اور پاکستان کو یہ باور کروایا ہے کہ وہ فائر بندی کو بھول کر اگلے معاملات کی تیاری کرے۔ شاید بلاؤں نے اصغری کا گھر دیکھ لیا ہے اور اب پاکستان کو چاروں شانے چت کرنے کے لئے یہود و ہنود کا اجتماع ہو رہا ہے۔ گزشتہ دنوں اسلام آباد سے دورے پر آئے امریکی ارکان کانگریس نے خبردار کیا ہے کہ امریکی کمانڈوز طالبان کے تعاقب میں پاکستان کے اندر کارروائی کے لئے پوری طرح تیار بیٹھے ہیں۔ پاکستان قبائلی علاقوں سے عسکریت پسندوں کے خاتمے میں ناکام نظر آ رہا ہے اس لئے امریکہ کو اب خود آپریشن کرنا پڑے گا۔ گزشتہ ہفتے پاکستان کے دورے پر آئے امریکی ارکان کانگریس جینی گرین، ڈی ہوسٹن، مائیکل میکال، آر آسٹن، ہنری کیولر اور ڈی لارڈو نے امریکی اخبار "ہوسٹن کرانیکل" کو اپنے علیحدہ علیحدہ انٹرویز میں کہا کہ اگر پاکستان قبائلی علاقوں سے دہشت گردوں کے تربیتی کیمپوں کے خاتمے اور افغانستان کے اندر دراندازی روکنے میں ناکام رہا تو

امریکی کمانڈوز پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ازخود آپریشن کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مذکورہ ارکان کانگریس نے واضح کیا کہ افغانستان میں امریکہ کی اتحادی افواج کے خلاف طالبان کی کارروائیوں میں 40 فیصد اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجے میں جون میں عراق کی نسبت افغانستان میں زیادہ امریکی فوجی مارے گئے۔ مائیکل میکال نے کہا کہ پاکستان مشترکہ آپریشن کی تجویز پہلے ہی مسترد کر چکا ہے۔ اس صورتحال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کیلئے امریکہ کو ازخود کارروائی کرنا ہوگی۔

صدر بش کے اس بیان کے سیاق وسباق میں رکھ کر دیکھا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اگلے امریکی صدر کیلئے عراق یا افغانستان نہیں بلکہ پاکستان سب سے بڑا چیلنج ہوگا۔ اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان میں کسی بھی طور پر امن وامان قائم ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔ امریکہ جہاں مختلف نوعیت کی ریشہ دوانیوں کے ذریعے پاکستان کے امن عامہ کو تباہ کرنے کے درپے رہا ہے۔ وہاں اب وہ کھلے عام پاکستان کو افغانستان یا عراق کی طرف اپنی عسکری وحشت و بربریت کا اکھاڑہ بنانا چاہتا ہے۔ گزشتہ کئی ماہ سے امریکہ عراق اور افغانستان سے بھی زیادہ دلچسپی پاکستان کے قبائلی علاقوں میں لے رہا ہے، اور اس کی طرف سے ہمیشہ ایک الزام لگایا جاتا ہے کہ افغانستان میں نیٹو افواج کے خلاف بڑھتے ہوئے حملوں کا سبب پاکستان کے وہ قبائلی علاقے ہیں جہاں سے طالبان تیار کر کے جاتے ہیں اور امریکی افواج پر حملے کر کے واپس انہی علاقوں میں روپوش ہو جاتے ہیں۔ امریکہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کو طالبان کے ٹھکانوں کا علم ہے مگر وہ ان کے خلاف بھرپور کارروائی سے دانستہ گریز کر رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ طالبان کی پوزیشن مضبوط ہوتی جا رہی ہے بلکہ افغانستان میں ان کی دراندازی کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ ماہ عراق کی نسبت افغانستان میں زیادہ امریکی فوجی مارے گئے ہیں، اور مجموعی طور پر طالبان کی کارروائی میں 40 فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔ امریکہ اس ساری صورتحال کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہراتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی امریکہ وقتاً فوقتاً پاکستان پر مختلف نوعیت کے الزامات عائد کرتا رہتا ہے' کبھی پاکستان میں طالبانائزیشن کے خطرے کا احساس دلاتا ہے تو کبھی پاکستان کے ایٹمی اثاثے اسلامی شدت پسندوں کے ہاتھ لگنے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کبھی اسامہ بن لادن کے پاکستان میں ہونے کے دعوے کرتا ہے تو کبھی اسلام آباد پر طالبان کے قبضے کا ہوا کھڑا کر دیا ہے اور کبھی پاک آرمی کو دی گئی امداد میں خورد برد کے الزام عائد کر دیتا ہے۔

اس قسم کے الزامات کے ذریعے وہ پاکستانی حکومت کو دباؤ میں لا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے' اس کے نتیجے میں خواہ پاکستان کے امن عامہ اور لاء اینڈ آرڈر کے بخیے ادھڑ جائیں۔ امریکہ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس کے مفادات کی حامل نام نہاد دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ پاکستانی عوام کی اس بارے میں کیا رائے ہے قبائلی علاقے اس آگ وخون کے کھیل سے کتنے متاثر ہو رہے ہیں۔ الغرض امریکہ کو پاکستانی عوام' حکومت' فوج' معیشت' ثقافت اور مذہب سمیت کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔ اسے صرف اور صرف اپنے احکامات کی تعمیل سے غرض ہے۔ وہ بہرصورت پورے ہونے چاہئیں۔ اس کے نتیجے میں خواہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ اغیار کی جنگ میں پہلے ہی آدھا ملک آگ وخون کی لپیٹ میں ہے مگر امریکہ کو اس پر بھی صبر نہیں وہ مزید کے چکر میں امریکی کمانڈوز اتار کر پاکستان میں خانہ جنگی کی سی صورت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ صدر بش نے جو کہا ہے کہ اگلے امریکی صدر کو عراق یا افغانستان کی نسبت پاکستان میں زیادہ چیلنجوں کا سامنا کرنا

پڑے گا۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امریکہ پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کرنا چاہتا ہے۔ امریکی صدر کے بیان کے ساتھ ہی امریکی محکمہ دفاع کا یہ مطالبہ بھی شائع ہوا ہے کہ بش اس بل پر دستخط کریں جس کے تحت امریکی یا نیٹو فورسز کو اختیار مل جائے گا کہ وہ اسامہ یا القاعدہ کے تعاقب میں پاکستان میں داخل ہو کر کارروائی کر سکیں گی۔ اسے معمول کی کارروائی نہ سمجھا جائے اور صورتحال کی سنگینی کا احساس اب ہمیں کر لینا چاہیے کیونکہ پاکستان دشمن قوتوں نے پاکستان کو اپنا ہدف بنالیا ہے۔ بھارت میں کانگریس سے کمیونسٹوں کی علیحدگی کے بعد وہاں بظاہر کانگریس سرکار چلتی دکھائی نہیں دے رہی اور جلد یا بدیر الیکشن ہوگا جس کے نتیجے میں بھاجپا کے برسراقتدار آنے کے امکانات روشن ہیں۔ عین ممکن ہے ماضی کی طرح بھارت سے پھر پاکستانی سرحدوں پر دباؤ بڑھانے کی درخواست کی جائے تاکہ امریکی کمانڈوز کو آسانی سے اپنا مشن مکمل کرنے کا موقع مل جائے۔ ان حالات میں ہمارے سیاسی راہنماؤں خصوصاً برسراقتدار جماعت کی اعلیٰ قیادت کی آنیاں جانیاں محل نظر ہیں یہ جاننے کے باوجود کہ اس طرح کی تخریبوں کا ہمارے سیاسی رہنماؤں کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا آ گاہی ضروری ہے کہ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں۔

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

وزیراعظم کے دورے

دنیا کے تمام بڑے بڑے فیصلے بروقت اور صحیح ٹائمنگ کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے زیادہ دور کیا جایئے۔1965ء کے جنگ کے فاتح جنرل موسیٰ مرحوم سے جب ان دنوں بی بی سی کے نمائندے نے یہ پوچھا کم فوج کمترین وسائل کے باوجود آپ کی فتح کا کیا راز ہے تو انہوں نے مختصر جواب دیا تھا۔''بروقت اطلاعات اور کارروائی''۔ٹائم فیکٹر آج کی بھاگتی دوڑتی دنیا میں سب سے اہم فیکٹر سمجھا جاتا ہے جس کا ہمارے ارباب اختیار کو نہ تو کبھی علم ہو سکا نہ احساس۔اس کی یوں تو بہت سی مثالیں ہیں لیکن تازہ ترین مثال وزیر اعظم کا دورہ امریکہ اور آئی ایس آئی سے متعلق نوٹیفکیشن اور اس کی واپسی ہے۔

صدر بش کی مدت صدارت ختم ہو رہی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ امریکی عوام آئندہ انتخابات میں ان کی پارٹی کے صدارتی امیدوار سے کیا سلوک کرنے والے ہیں۔امریکی اسٹیبلشمنٹ نے ابھی سے ذہنی طور پر ''اوباما'' کو صدر تسلیم کر لیا ہے اور ان کے غیر ملکی دورے بھی شروع ہو گئے ہیں۔وہ امریکی جنہوں نے ماضی میں ایک کالے کو اپنا چیف جسٹس بنانے سے انکار کر دیا تھا۔اب کالے صدر کو محض اس لئے برداشت کر رہے ہیں کہ وہ بش کے مخالف پارٹی کا امیدوار ہے۔ان حالات میں صدر بش کیلئے ضروری ہے کہ وہ امریکی عوام کے جذباتی پن سے کھیلیں اس کیلئے کوئی ایسا کارنامہ انجام دیں جس سے کایا پلٹ جائے۔اس لئے انہوں نے شاید وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو اپنے ہاں طلب کیا تھا۔بش چاہتے ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو پاکستان پر دباؤ ڈال کر ''فاٹا'' میں امریکی فوجیں داخل کریں ان کے خیال کے مطابق وہاں ''القاعدہ'' کے راہنما اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ جیسے ہی امریکی فوجیں وہاں آئیں وہ گرفتاری پیش کر دیں گے اور صدر بش کی ''واہ واہ'' ہو جائے گی۔وہ امریکی عوام کے ہیرو بن جائیں گے۔اس پس منظر میں وزیر اعظم گیلانی نے امریکہ کا دورہ کیا جس سے متعلق سب سے پہلا تبصرہ آپ کے ہمراہ جانے والے وزیر دفاع احمد مختار کے حوالے سے سننے کو ملا جنہوں نے فرمایا کہ آئی ایس آئی کے معاملے پر زبردست سرزنش ہوئی ہے۔اس کے بعد محترمہ شیری رحمٰن صاحبہ نے خیال آرائی کی ان کے بیانات کی گونج ابھی فضاء میں تھی اور اپوزیشن حکومت دونوں کی طرف سے دورہ کی کامیابی اور ناکامی کی بحث جاری تھی کہ آج مورخہ 4 اگست کے اخبارات نے کنڈولیزا رائس کا یہ بیان جاری کیا ہے کہ مذاکرات کامیاب نہیں رہے اور پاکستان ''فاٹا'' میں امریکن فوج کو آزمائے کیونکہ طالبان سے نمٹنا اس کے بس کا روگ نہیں۔

وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کے دورہ امریکہ کے اثرات بتدریج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں جنہوں نے سیاسی مبصرین کے ان خدشات کو درست ثابت کر دیا ہے کہ ان کا دورہ امریکہ مکمل طور پر نہ صرف یہ کہ ناکام رہا ہے بلکہ اس سے کافی حد تک پاکستان کی سبکی بھی ہوئی، اور اب پاکستان اور امریکہ کے درمیان غلط فہمیوں کی خلیج پاٹنے کی بجائے مزید وسیع ہو گئی ہے۔ایف سولہ طیاروں کی اپ گریڈیشن کی منظوری فوری طور پر

معطل کردی گئی ہے۔ جبکہ برطانیہ اور امریکہ کی جانب سے فرنٹیئر کانسٹیبلری کی تربیت کیلئے دی جانے والی مجوزہ امداد بھی روک دی گئی ہے۔ نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹوں میں کہا گیا ہے کہ پاک امریکہ تعلقات میں تلخی اب نمایاں ہو کر سامنے آ گئی ہے، دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دونوں اتحادیوں کے درمیان عدم اعتماد کی فضاء پیدا ہو گئی ہے۔ مزید برآں دونوں اخبارات نے وزیر دفاع احمد مختار کے انٹرویو کو بھی ان الزامات کے حق میں پیش کیا ہے۔ امریکی حکومت کے مذکورہ اقدامات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وزیر اعظم کا دورہ امریکہ کس حد تک کامیاب رہا ہے کہ امریکی حکومت نے جو امداد دینے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی واپس لے لیا ہے اور ایف سی کے اہلکاروں کی تربیت کا پروگرام بھی ملتوی کر دیا ہے، مگر ہماری حکومت ابھی تک اپنی کامیابی اور امریکی دوستی کے گن گا رہی ہے، حالانکہ پوری پاکستانی قوم کا یہ مطالبہ ہے کہ ہماری حکومت کو امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات پر ایک نظر ثانی کرنی چاہئے اور برابری کی سطح پر کھڑے ہو کر آزادانہ اور خود مختار اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد بھی اگر محترمہ شیری رحمٰن اسے کامیاب دورہ قرار دینے پر بضد ہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے۔

جب مصیبت آئے تو اکیلی نہیں آتی اپنے ساتھ بہت سے اور مصائب بھی لے کر آتی ہے۔ یہ کہاوت معلوم نہیں کس نے کہی ہو گی لیکن پاکستان پر بہر حال صادق آتی ہے۔ امریکہ نے ہم سے آنکھیں کیا پھیریں بھارت کیلئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ بھارتی حکومت بھی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئی اور اب انہوں نے دوبارہ بڑی شدت سے پاکستان کے خلاف دہشت گردی کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیا ہے۔ اپنی ساری ناکامیوں پر پاکستان کو مورد الزام ٹھہرانے لگا۔ کابل کے بھارتی سفارت خانے پر حملہ ہوا تو آئی ایس آئی ذمہ دار بھارت میں دھماکوں کی سیریز چل رہی ہے تو آئی ایس آئی ذمہ دار اور حیرت کی بات یہ ہے کہ بھارتیوں سے زیادہ اس الزام کی تکرار افغان صدر حامد کرزئی کر رہے ہیں۔ الاماشاءاللہ موصوف نے خاصے پر پرزے نکال لئے ہیں اور آقاؤں کیلئے ان کی توقعات سے بڑھ کر کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ موصوف نے سارک کانفرنس میں کابل سے بھارت تک ہونے والے تمام دھماکوں کی ذمہ داری آئی ایس آئی پر ڈال دی ہے۔

سارک مردہ گھوڑا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ہم وہاں لینے کیا جاتے ہیں ہر سارک کانفرنس پاکستان کیلئے الزامات کی نئی فہرست مرتب کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور ہم منہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی ایک لمبا چوڑا مشترکہ بیان تو جاری ہوا ہے تاہم اس کے ساتھ ساتھ سارک کانفرنس میں جو اہم بات دیکھی گئی وہ یہ تھی کہ افغان صدر حامد کرزئی نے ایک بار پھر پاکستان پر الزام تراشی کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کی جڑیں مضبوط ہو رہی ہیں، وہاں دہشت گردی کا ذمہ دار صرف پاکستان ہے۔ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے اس سلسلے میں کہا کہ وہ افغان صدر حامد کرزئی کے ساتھ اپنی متوقع ملاقات میں کابل میں بھارتی سفارتخانے پر ہونے والے بم دھماکے کا معاملہ ضرور اٹھائیں گے اور افغان صدر سے واقعے میں مبینہ طور پر پاکستان کے ملوث ہونے کا ثبوت پیش کرنے کی درخواست کریں گے۔ اگر حامد کرزئی نے اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش کیئے تو پھر اس حوالے سے تحقیقات کی جائیں گی۔ مزید برآں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے ایسے نازک معاملات کو افہام و تفہیم کے ساتھ حل کرنے کی کوشش پر زور دیتے ہوئے کہا کہ دونوں ملکوں کے سربراہان کو چاہئے کہ وہ باہمی غلط فہمیاں دور کریں، دیواریں کھڑی کرنے کی بجائے پل بنائیں اور دو طرفہ تعلقات کے ذریعے معاملات کو حل کرنے کی کوشش بروئے کار لائیں۔

افغان صدر کی پاکستان کے خلاف مذکورہ الزام تراشیوں کے ضمن میں پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان محمد صادق نے کہا ہے کہ افغان صدر حامد کرزئی غیر ذمہ دارانہ بیانات جاری کرنے کے حوالے سے بہت مشہور ہیں۔انہوں نے جو یہ بیان دیا ہے کہ کابل، بنگلور اور گجرات میں ہونے والے تمام بم دھماکے ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں، اور ان سب کا ذمہ دار بھی ایک ہی ہے، اس بیان کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ افغان صدر حامد کرزئی کے اس قسم کے بیانات کا زمینی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔صدر حامد کرزئی جس طرح آئے روز پاکستان پر الزامات کی بوچھاڑ کر کے اس کے امیج کو خراب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پاکستان اس کے خلاف سخت ایکشن لیتا لیکن پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان محمد صادق اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے جو دفاعی اور نظر اندازی کا طرز عمل اختیار کیا ہے۔اس سے تو افغان صدر کو مزید ہلاشیری ملے گی اور وہ اس معاملے میں آئندہ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتیں گے بلکہ سیاسی معاملات کو مزید پیچیدہ بنانے یا پاک بھارت تعلقات کو مزید الجھانے کی خاطر اس قسم کے گھناؤنے ہتھکنڈے اختیار کرتے رہیں گے۔لہٰذ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت پاکستان افغان صدر سے اس معاملے پر دوٹوک بات کرے اور اسے آئندہ کیلئے متنبہ کرے کہ وہ اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے باز رہے، بصورت دیگر پاکستان افغان حکومت کے ساتھ جاری تعاون پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔اگر حکومت پاکستان نے ایک دفعہ افغان صدر حامد کرزئی کے خلاف سخت قسم کا ایکشن لے لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آئندہ کسی بھی قسم کی من گھڑت الزام تراشیوں سے باز نہ آئیں۔اس وقت خود حامد کرزئی پاکستان کے خلاف جس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔حامد کرزئی کابل میں بھارتی سفارتخانے پر ہونے والے حملے کا تو ہر جگہ اور بار بار تذکرہ کرتے رہتے ہیں لیکن چند روز قبل پاکستانی سفارتخانے پر ہونے والے حملے کو بھول گئے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ حملہ انہوں نے خود کروایا ہو صرف بھارت کو خوش کرنے کے لئے۔پاکستانی دفتر خارجہ نے بھی ہرات کے پاکستانی قونصلیٹ پر حملے کو افغان حکومت کی ناکافی سکیورٹی انتظامات کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔اگر افغان حکومت اس کی ذمہ دار نہیں تو پھر ''را'' اس کی ذمہ دار ہے جس کا ماضی بھی ایسی کئی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔جب بھی انہیں کوئی زک پہنچتی ہے وہ پاکستان سے بدلہ لینے پر تل جاتے ہیں خواہ اس کا ذمہ دار کوئی بھی ہو۔کولمبو میں حسب روایت چار معاہدے طے پائے ہیں، گیلانی کرزئی ملاقات بھی ہوئی ہے لیکن یہ سب معمول کی کارروائی لگتی ہے کیونکہ ہم سے ہماری قوت فیصلہ سلب کر لی گئی ہے۔اب ہم کسی کے حکم سے سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں اور بقول اقبالؒ......

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر

کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

......❁......

عالمی منظر نامہ بدل رہا ہے

18 فروری سے اب تک شاید کوئی ایسا دن گزرا ہو گا جب ایک نئی حیرت ہماری منتظر نہ رہی ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے الیکشن کے نتائج جو حکومت اور اپوزیشن دونوں کے لئے حیران کن تھے انہیں وقتی طور پر تو اسٹیبلشمنٹ نے قبول کر لیا کیونکہ پاکستان کے اندرونی اور بیرونی حالات انہیں کوئی ''انقلابی قدم'' اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے، لیکن انہیں یہ اُمید نہیں تھی کہ ملکی دو بڑی اور دیگر جماعتوں کا اس طرح کامیاب کولیشن بن جائے گا۔ اس اتحاد کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے روکنے کے لئے حکومتی ایوانوں میں موجود خفیہ ہاتھوں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ملک کے چاروں صوبوں اور مرکز میں اب حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ ان حکومتوں کو ابھی تک سنبھلنے کا موقعہ نہیں مل رہا اور آئے روز کوئی نہ کوئی سازش ان کے خلاف ہو رہی ہے۔ شیر افگن سے ارباب رحیم اور کراچی میں وکلا کو زندہ جلانے کے سانحے تک ہر مرحلے پر حکومتوں کو ڈی ٹریک کرنے کی گھناؤنی منصوبہ بندی کی گئی۔ اعلان مری کے حوالے سے عوام اور وکلاء میں غلط فہمیاں پھیلانے کا عمل مسلسل جاری ہے اور ان سب پر مہنگائی کا نیا طوفان یعنی پیٹرول کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ آٹے کا بحران جس کی بظاہر کوئی وجہ بھی دکھائی نہیں دے رہی۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ سپریم کورٹ میں اچانک کسی گمنام شخص کی طرف سے بی اے کی شرط ہٹانے کی اپیل دائر ہونے کا پس منظر کیا ہے۔ یہ اور ایسے بہت سے سوالات جواب طلب ہیں۔ جہاں تک ہماری حکومتوں کا تعلق ہے، پچھلے سات آٹھ سال کے دورانیے میں ملک وقوم کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اس میں صرف مہنگائی اور بے روزگاری کے حوالے ہی سے جائزہ لیا جائے تو اس حکومت کے کم از کم پچھلے پانچ سال پاکستان کے عوام کے لیے ان کی چھ عشروں پر محیط قومی زندگی کے بدترین سال تھے اور ان پانچ برسوں میں تو گذشتہ تین برسوں میں مہنگائی کے تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیئے گئے۔ ایک کے بعد دوسرا بحران اس طرح آیا گویا لڑی ٹوٹ گئی اور اس سے دانے یکے بعد دیگرے بس گرتے ہی چلے جا رہے ہوں۔

مہنگائی تو کسی نہ کسی شکل میں ہر دور میں رہی ہے، لوگ اسے بہت حد تک برداشت بھی کر لیتے تھے لیکن پاکستان کے عوام نے پہلی مرتبہ یہ دیکھا کہ قیمتیں بارہ گھنٹے کے اندر اندر بھی بڑھتی چلی گئیں اور حکمرانوں نے ان کو روکنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر کے دیا۔ پہلے سال میں صرف ایک مرتبہ بڑھنے والی مہنگائی اب سال کے 365 دنوں کا مسئلہ بن کر رہ گئی۔ حکمران بے مثال معاشی ترقی' اقتصادی استحکام اور بہترین شرح ترقی' زرمبادلہ کے بھاری بھرکم ذخائر کے گیت گاتے رہے۔ عوام مہنگائی کی چکی میں پستے رہے۔

آخر انتخابات کا مرحلہ آیا تو اس مرحلے پر عوام نے دراصل بدامنی اور مہنگائی کے انتخابات کے نام پر کھلی لوٹ مار کرنے والوں کے خلاف ووٹ دیئے اور موجودہ حکومت کو برسر اقتدار لائے۔ ان کو نئی حکومت کے قیام سے غیر معمولی اُمیدیں وابستہ ہو گئی تھیں کہ نئے وزیر اعظم اپنی پہلی تقریر میں امن وامان کے قیام اور مہنگائی کو لگام ڈالنے کے لئے ٹھوس اقدامات کا اعلان کریں گے، اور پریشانیوں کے مارے عوام کو سکھ کا سانس لینے کا موقع

ملے گا' مگر ہوا صرف یہ ہے کہ نئی حکومت کے قیام سے قبل ہی نگران حکومت کے وزیر خزانہ نے بتایا کہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں دو مرتبہ اضافے بھی انتخابات جیتنے والی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر کیے گئے تھے۔ قوم کے لیے یہ پہلا اور انتہائی ناقابل برداشت جھٹکا تھا۔ اس کی فوری تردید دونوں بڑی فاتح جماعتوں نے بھی کر دی۔ یہاں تک کہا گیا کہ ہمیں تو کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ قوم نے اس پر اعتماد اس لئے بھی کر لیا کہ اس وقت ان دونوں جماعتوں کی حکومت تشکیل نہیں پا سکی تھی، لیکن اب جبکہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پوری قومی اسمبلی نے بلا اختلاف یوسف رضا گیلانی کو اعتماد کا ووٹ دے کر پورے اختیارات کے ساتھ وزارت عظمٰی پر فائز کر دیا ہے تو اب دونوں حکمراں جماعتوں کے پاس خصوصاً پیپلز پارٹی کے پاس اب کوئی بھی عذر باقی نہیں رہا۔ اس کو سب سے پہلے قوم کو امن و سکون فراہم کرنا اور مہنگائی پر قابو پانا چاہئے تھا لیکن پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ اضافے نے اب قوم کی رہی سہی خوش فہمیوں اور توقعات کو پوری طرح خاک میں ملا دیا ہے جو حکومت پورے اختیارات کے باوجود اپنے اقتدار کے ابھی بالکل ابتدائی دنوں میں عوام پر مہنگائی کا نیا کوڑا برساتے ذرا بھی نہیں ہچکچا رہی تو یہ آئندہ پورے پانچ برسوں میں کیا کچھ نہیں کرے گی۔ اس کا قیاس سابق حکمرانوں کے دور کی روشنی میں کرنا' کسی طرح مشکل نہیں ہو سکتا۔

تیسری جانب ایک اور اطلاع کے مطابق امریکہ پاکستان پر ساڑھے دس ارب ڈالر ''سرمایہ کاری'' کر چکا ہے اور مزید سات ارب ڈالر دے رہا ہے۔ اس ساڑھے دس ارب ڈالر ''سرمایہ کاری'' کے نتیجے میں تو پاکستان کے جنوب سے شمال تک آگ لگ چکی ہے اور قوم کو مہنگائی اور بد امنی کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ مزید سات ارب ڈالر کے عوض امریکہ کے لئے مزید کیا کیا خدمات سرانجام دینا پڑیں گی؟ یہ فی الحال واضح نہیں ہو رہا کیونکہ امریکہ کے اہم جو کمانڈر اپنی حکومت کو مشورہ دے چکے ہیں کہ وہ پاکستانی فوج پر اعتماد نہ کرے اور پاکستان کے قبائل کے خلاف براہ راست کارروائی کی جائے۔ وہ تو خدا جانے امریکی صدر کو کیسے اس بات کا خیال آیا کہ انہوں نے اس تجویز پر اتفاق نہیں کیا اور کمانڈروں سے کہا ہے کہ وہ براہ راست حملہ کر کے پاکستانی حکومت اور شدت پسندوں کے درمیان مذاکرات میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔ یوں بھی اب امریکہ اس خطے میں اپنی حکمت عملی تبدیل کر رہا ہے خصوصاً افغانستان کے معاملات میں وہ پاکستان کے متبادل تلاش کر رہا ہے۔ نیٹو کا اہم سربراہ اجلاس حالیہ دنوں رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ میں نیٹو سربراہی اجلاس ہوا۔ دو روزہ اجلاس میں یورپی ممالک نے امریکی دفاعی نظام کو یورپ میں نصب کرنے کی توثیق کر دی۔ اس پر روسی اعلیٰ حکام نے کہا:

''یورپ میں امریکی دفاعی میزائل نظام کی تنصیب کا واضح مقصد روس کو نشانہ بنانا ہے۔'' اجلاس میں سابق سوویت ریاستوں جارجیا' یوکرائن اور مقدونیہ کو فی الحال نیٹو کی رکنیت نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ البانیہ اور کروشیا کو نیٹو میں شامل کرنے پر سب نے اتفاق کیا۔ دو روزہ سربراہی اجلاس میں افغانستان کے بگڑتے اور بدلتے ہوئے حالات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا اور اس پر قابو پانے کی حکمت عملی پر بھی بحث کی گئی۔ دوسری طرف روسی دارالحکومت میں روس اور نیٹو کے مابین ایک معاہدہ طے پا گیا ہے' جس کے تحت افغانستان میں تعینات امریکی و اتحادی افواج کی مدد کے لئے روس کی سرزمین استعمال کی جا سکے گی۔ معاہدے کی رو سے نیٹو کو روس کے زمینی راستے سے غیر فوجی سامان افغانستان لے جانے کی اجازت ہو گی۔ اس معاہدے پر روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروف اور نیٹو کے سیکرٹری جنرل جاپ ڈی ہوپ شیفر نے دستخط کیے۔

اب تک امریکی واتحادی افواج کے لئے سامان رسد صرف اور صرف پاکستان کے راستے ہی جا رہا تھا لیکن اب انہیں ایک متبادل راستہ بھی فراہم ہوگیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنے عرصے بعد امریکہ کیوں متبادل راستہ تلاش کرنے پر مجبور ہوا؟ امریکہ نے اپنے حریف روس سے کن شرائط پر معاہدہ کیا؟ سابق سوویت ریاستوں جارجیا' یوکرائن اور مقدونیہ کو ہزار جتن اور کوشش کے بعد بھی نیٹو کی رکنیت کیوں نہیں مل رہی؟ اور اس وقت خود نیٹو کی کیا پوزیشن ہے؟ طالبان اور دیگر امریکہ مخالف قوتیں کیسے اور کیوں یکدم متحرک ہو رہی ہیں؟ ان کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے؟ اس جنگ زدہ اور بد نصیب خطے میں کیا کوئی نیا خونین کھیل کھیلا جانے والا ہے؟ کیا پاکستان میں نئی جمہوری حکومت قائم ہونے اور نیٹو سربراہی اجلاس ختم ہونے پر امریکہ نے افغانستان سے اپنی فوجیں بحفاظت نکالنے پر غور کرنا شروع کر دیا ہے جس کے امکانات بہت کم ہیں کیونکہ امریکہ اب تک عراق سے تو فوجیں نکالنے کی بات کرنے لگا ہے ابھی اس نے افغانستان سے متعلق ایسا نہیں کہا اس کے برعکس امریکی صدر کی طرف سے متعدد مرتبہ یہ بات ضرور کہی گئی ہے کہ افغانستان میں امریکی فوجوں کو بہت دیر تک رہنا پڑے گا لیکن یوں دکھائی دے رہا ہے کہ امریکہ اس سلسلے میں پاکستان پر اپنا انحصار کم کرنے کی پالیسی اپنا رہا ہے۔

اس مرحلے پر اچانک امریکہ کی طرف سے مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے بھارت کو تعاون کی پیشکش بھی لمحہ فکریہ ہے۔ بھارتی ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکہ نے مقبوضہ کشمیر میں "مبینہ دہشت گردی" سے نمٹنے کے لیے بھارت کو تربیت اور ماہرین کے تبادلے کی پیشکش کی ہے۔ دہلی میں گلوبل فورم سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کی پیسیفک کمانڈ کے سابق کمانڈر انچیف ایڈمرل ڈینس سی بلیئر نے کہا ہے کہ بھارت امریکہ فوجی تعاون کا مقصد پاکستان کو مقبوضہ کشمیر میں کارروائیوں سے روکے رکھنا ہے دونوں ممالک نے چین کی بڑھتی ہوئی طاقت پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے اور خصوصاً تائیوان میں چین کی ممکنہ مداخلت روکنے کے لئے بھارت اور امریکہ ایک دوسرے کے مکمل حامی دکھائی دیے۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ بھارت جس تیزی سے امریکہ کے نزدیک جا رہا ہے اس سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ وہ چین سے تعلقات قائم کرنے میں بھی کر رہا ہے۔ ایک طرف ہم ہیں کہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگے ہیں۔ تیزی سے بدلتے اس عالمی منظرنامے میں اب معمولی غفلت کے بھی تباہ کن نتائج پیدا ہو سکتے ہیں صرف امریکہ پر انحصار یا چین کے معاملات میں کوتاہی پاکستان کے لئے خطرات میں مزید اضافہ کر دے گی۔

باراک اوباما

امریکی ڈیموکریٹ پارٹی نے بالآخر باراک اوباما کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کر دیا ہے۔ ان کا نام ان کے مقابلے میں ناکام رہنے والی سینیٹر ہیلری کلنٹن نے پیش کیا جسے پارٹی نے اکثریت سے منظور کر لیا۔ قبل ازیں دونوں نے طویل مہم چلائی اور امریکہ کی تمام ریاستوں کے دورے بھی کیے جہاں مقامی سطح پر امریکی نظام انتخابات کے مطابق دونوں کے درمیان ووٹنگ کا مقابلہ ہوتا رہا جس میں کبھی ہیلری کلنٹن مختصر وقت کے لیے نمایاں ہوئیں لیکن عمومی طور پر باراک اوباما کا پلہ ہی بھاری رہا۔ بالآخر 27 اگست کو ڈینور میں ہونے والے انتخابی کنونشن میں ہیلری کلنٹن کی طرف سے امریکی جمہوری روایات کے مطابق باراک اوباما کا نام پیش کیا گیا۔

اب باراک اوباما کا مقابلہ ری پبلکن کے امیدوار جان مکین سے ہوگا اور پہلے ہی سے یہ باور کیا جاتا ہے کہ صدر جارج بش کی امریکہ میں غیر مقبولیت کی وجہ سے ری پبلکن کا گراف کافی گر چکا ہے۔ دنیا کے زیادہ تر سیاسی تجزیہ نگار باراک اوباما ہی کو امریکہ کا اگلا صدر تصور کرنے لگے ہیں جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں اپنے بیرونی دوروں میں بھی زبردست پروٹوکول دیا گیا تھا۔

امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی نے ڈینور میں ہونے والے انتخابی کنونشن کے موقعے پر باراک اوباما کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کر کے نئی تاریخ رقم کر دی ہے۔ اوباما پہلے سیاہ فام امریکی ہیں جنہیں کسی بڑی جماعت نے صدارت کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ جماعتی وابستگی کی غیر معمولی مثال کے طور پر اوباما کی سابق حریف سینیٹر ہیلری کلنٹن نے کنونشن میں موجود ڈیموکریٹ مندوبین سے کہا کہ وہ انفرادی ریاستوں کے ووٹنگ ملتوی کر دیں: ''مستقبل پر نگاہیں جمائے، یک جہتی کے جذبے کے ساتھ اور فتح کی امید لیے ہوئے اور اپنی جماعت اور ملک پر یقین رکھتے ہوئے، آیئے ہم اسی وقت، اسی جگہ یک آواز ہو کر اعلان کریں کہ باراک اوباما ہمارے امیدوار ہیں اور وہی امریکہ کے صدر ہوں گے'' انہوں نے کہا ہیلری کلنٹن کی اس تقریر کے دوران کنونشن ہال کے اندر موجود حاضرین نے تالیاں بجا کر اوباما کی نامزدگی کا خیر مقدم کیا۔ ہیلری نے ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے امریکی صدارت کے امیدوار کے لیے اوباما کا نام پیش کیا۔ اس کے بعد کنونشن کی صدر اور امریکی ایوانِ نمائندگان نینسی پیلوسی نے باضابطہ طور پر اوباما کو بطور امیدوار نامزد کیا۔ اس کے بعد مندوبین نے کنونشن ہال میں ناچنا اور گانا شروع کر دیا، کچھ لوگوں کی آنکھوں میں فرطِ جذبات سے آنسو آ گئے۔ اس نامزدگی کے بعد 47 سالہ اوباما نومبر میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں ری پبلکن پارٹی کے جان مکین سے مقابلہ کریں گے۔

باراک اوباما 1961ء میں امریکی ریاست ہوائی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا تعلق کینیا سے جبکہ والدہ کا ہوائی سے تھا۔ والدین کی

ملاقات دوران طالب علمی ہوائی یونیورسٹی میں ہوئی جہاں پر ان کے والد سکالرشپ پر پڑھنے آئے ہوئے تھے۔ والدین کی علیحدگی اور طلاق کے بعد اوباما اپنی والدہ کے ساتھ امریکہ اور کچھ عرصے کے لیے انڈونیشیا میں رہے کیونکہ ان کے سوتیلے باپ کا تعلق انڈونیشیا سے تھا۔ انہوں نے کولمبیا یونیورسٹی اور ہارورڈ یونیورسٹی لاء سکول سے تعلیم حاصل کی اور ہاورڈ یونیورسٹی میں وہ ہارورڈ لاء ریو کے پہلے سیاہ فام امریکی صدر بنے۔ انہوں نے شکاگو میں پہلے سماجی پروگراموں میں اور پھر بطور وکیل کام کیا۔ وہ آٹھ سال تک ریاست الینوائے کی سیاست میں سرگرم رہے اور سنہ دو ہزار چار میں وہ امریکی سینیٹ کے لیے منتخب ہوئے۔ اوباما کی اہلیہ میشیل رابنسن بھی وکیل ہیں اور پرنسٹن اور ہارورڈ کی پڑھی ہوئی ہیں۔ ان کی دو بیٹیاں ہیں جن کی عمریں نو اور چھ سال ہیں۔ باراک اوباما نے پچھلے سال فروری میں امریکی صدارتی نامزدگی کی دوڑ میں شامل ہونے کا اعلان کیا تھا۔

صدارتی امیدوار باراک اوباما نے اعلان کیا ہے کہ ڈیلاویئر کے سینیٹر جوزف بائڈن نومبر میں ہونے والے انتخابات میں ان کے ساتھ نائب صدر کے طور پر حصہ لیں گے، اور اس طرح انہوں نے امورِ خارجہ کے ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار سینیٹر کو اپنا معاون منتخب کر لیا ہے۔ اس سے پیشتر کئی نام لیے جا رہے تھے جن میں ڈیموکریٹک پارٹی میں ان کی حریف ہیلری کلنٹن کا نام بھی شامل تھا۔ سینیٹر اوباما نے کہا ہے کہ خارجہ پالیسی کے بارے میں سینیٹر بائڈن کا وسیع تجربہ اور پارٹی کے ضابطوں پر عمل درآمد کے ریکارڈ کے ساتھ ان کاموں کا براہ راست تجربہ اپنے ساتھ لائیں گے۔ سینیٹر بائڈن جو 29 سال کی عمر میں 1972ء میں سینٹ کے لیے منتخب ہوئے تھے، سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ سینیٹر اوباما اور سینیٹر بائڈن توقع ہے کہ ہفتے کے روز اوباما کی آبائی ریاست الی نوائے میں سپرنگ فیلڈ کے علاقے میں ایک جلسے میں ایک ساتھ شرکت کریں گے۔ ڈیموکریٹک نیشنل کنونشن پیر کے روز ریاست کولوریڈو کے شہر ڈینور میں شروع ہو رہا ہے جبکہ ری پبلیکنز اس سے اگلے ہفتے ریاست منی سوٹا کے شہر سینٹ پال میں اپنے چار روزہ کنونشن کے لیے اکٹھے ہوں گے۔

اس ہفتے ڈیموکریٹک کنونشن میں سینیٹر ہیلری کلنٹن نے صدارتی امیدوار باراک اوباما کے لیے اپنی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔ ڈینور میں کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اپنے حامیوں پر زور دیا کہ وہ ایک پارٹی کے طور پر متحد رہیں۔ سینیٹر ہیلری کلنٹن نے ڈیموکریٹک کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے پارٹی کے اتحاد اور سینیٹر باراک اوباما کو انتخابات میں کامیابی دلانے کے لیے بھرپور کوشش پر زور دیا۔

امریکہ میں صدارتی انتخابات کو 100 دن سے بھی کم رہ گئے ہیں، امریکی ووٹروں کی ایک بڑی تعداد یہ طے نہیں کر سکی ہے کہ وہ کس کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال کرے گی۔ اس کی وجہ سینیٹر باراک اوباما ہیں جو کہ ابھی تک ڈیموکریٹ پارٹی کی جانب سے باقاعدہ صدارتی امیدوار نامزد نہیں ہوئے ہیں مگر اس کا بڑی حد تک امکان موجود ہے۔ پارٹی کی نامزدگی حاصل کرنے کی صورت میں یہ امریکی تاریخ کا پہلا موقع ہو گا کہ ایک سیاہ فام امریکی، سفید فام اکثریتی آبادی والے ایک ایسے ملک کا سب سے بڑا عہدہ حاصل کرنے کے لیے ووٹروں سے رجوع کرے گا جو اپنے آپ کو ایک روشن خیال قوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کے ممکنہ صدارتی امیدوار باراک اوباما نے مارچ میں اپنی نسل کے حوالے سے امریکہ کے صدارتی انتخابات پر

بات کی تھی۔اس وقت ان کا اشارہ پرائمری انتخابات میں اپنی کامیابی کی جانب تھا جس میں انہوں نے سینیٹر ہیلری کلنٹن کے خلاف لاکھوں سفید فام ووٹ حاصل کیے تھے مگر اب جبکہ پرائمری ختم ہو چکے ہیں اور اب یہ مقابلہ قومی سطح پر ری پبلکن پارٹی کے امیدوار سینیٹر جان مکین سے ہوگا۔کئی سوال تجزیہ کاروں کے سامنے ہیں۔

سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ جلد کی رنگت نومبر میں ہونے والے امریکی صدارتی انتخابات کا ایک نمایاں عنصر ہوگی۔امریکی سیاست میں یہ عنصر سینیٹر اوباما کے ڈیموکریٹک پارٹی کی جانب سے متوقع صدارتی امیدوار کے بعد سامنے آیا ہے۔امریکہ میں رائے عامہ کے کئی جائزوں سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ امریکی قوم رنگت کے مسئلے پر بٹ چکی ہے۔ری پبلکن پارٹی کے متوقع صدارتی امیدوار سینیٹر جان مکین نے اوباما پر الزام لگایا ہے کہ وہ اپنی رنگت کو انتخابات میں اپنی کامیابی کے لیے ایک حربے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ ڈیموکریٹک پارٹی کی نامزدگی کے لیے مہم کے دوران سینیٹر اوباما کے حصے میں جو کامیابیاں آئی ہیں ان کے پیش نظر یہ امکان موجود ہے کہ وہ امریکی تاریخ کے پہلے سیاہ فام صدر بن سکتے ہیں۔اگر ایسا ہو جاتا ہے تو یہ امریکی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہوگا کیونکہ سیاہ فام امریکیوں کو ووٹ دینے کا حق ملے ابھی صرف 40 سال ہوئے ہیں۔سینیٹر اوباما کے صدارتی مقابلے میں میدان میں اترنے کے بعد امریکہ واضح طور پر شہری اور دیہاتی علاقوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔دیہی علاقوں کی سفید فام آبادی رنگت کی بنا پر اوباما کو ووٹ دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہی ہے جبکہ شہری علاقوں میں یہ صورت حال نہیں ہے اور شہروں میں سفید فام ووٹر اوباما کو ووٹ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ اس فرق کی وجہ شہری اور دیہی علاقوں میں تعلیم اور روزگار کی سطح میں پایا جانے والا واضح فرق ہے۔شہری علاقوں میں لوگ نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ ہیں ان کے پاس بہتر روزگار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شہروں میں تنوع ہے۔وہاں ہر رنگ اور نسل کے لوگ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے رابطوں کے باعث وہ رنگ اور نسل سے بلند ہو کر سوچتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے۔رنگ کے مسئلے پر بٹی ہوئی امریکی قوم کیا ایک سیاہ فام صدر کو قبول کر لے گی؟ اس کا فیصلہ نومبر کے انتخابات میں ہوگا۔

امریکہ میں گزشتہ صدارتی انتخابات 2004 جو بین الاقوامی اور مقامی یا قومی امریکی مسائل پر لڑے گئے تھے جن میں سرفہرست جنگ عراق، دہشتگردی کے خلاف جنگ، امیگریشن، ہم جنس شادیاں، سوشل سکیورٹی اور دیگر معاشی مسائل جنہیں امریکی 'پاکٹ بک' کہتے ہیں جبکہ رواں سال دو ہزار آٹھ کے انتخابات نسل، آمدنی اور طبقے کی بنیاد پر لڑے جانے کی توقع ہے۔گزشتہ انتخابات میں تو یہ لطیفہ بھی بنا تھا کہ 'امریکی انتخابات امریکہ میں نہیں وانا وزیرستان میں لڑے جا رہے ہیں۔شاید یہی وجہ ہوگی کہ باراک اوباما نے بھی صدارتی امیدواری کے انتخابات میں اترنے سے بہت پہلے ایک دفعہ پاکستان میں اسامہ بن لادن یا ان جیسوں کی موجودگی کی اطلاع پر پاکستانی صدر سے پوچھے بغیر حملہ کر دینے کی بات کی تھی۔اوباما اپنے اس بیان کو میڈیا کی طرف سے سیاق وسباق سے ہٹ کر شائع کرنے کا دعویٰ بارہا کر چکے ہیں۔چاہے وہ سیاق وسباق سے ہٹ کر ہو لیکن امریکی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد میں اس کا شدید ردعمل ہوا تھا اور ان کے اپنے حلقے شکاگو میں تو ان کی ایک ہوٹل میں آمد پر ہوٹل

سے باہر پاکستانیوں کا احتجاج بھی ہوا تھا۔ اب بھی پاکستانی ووٹروں کی ایک اچھی خاصی تعداد ری پبلکن پارٹی کے جان مکین اور ڈیموکریٹک امیدوار ہیلری کلنٹن کی حمایت کرتی نظر آتی ہے، لیکن سیاست کے مرکزی دھارے کا امریکہ میں پانسہ پلٹنے والا ہے۔ کئی پاکستانی ڈیموکریٹس اب اوباما کی حمایت کر رہے ہیں اور اوباما کے آنے سے خطے میں صورتحال بدل سکتی ہے جس کے پاکستان پر کچھ نہ کچھ مثبت اثرات ضرور پڑیں گے کیونکہ ڈیموکریٹس کے لیے اکیسویں صدی میں بھی ایک ڈکٹیٹر کی حمایت کرنا بڑی سبکی کی بات بنتا جا رہا ہے۔

باراک اوباما نے اپنے صدارتی امیدوار منتخب ہونے سے پہلے امریکہ اور بیرون امریکہ جتنے بھی دورے کیے وہاں ان کے حوالے سے سامنے آنے والے بیانات دیئے اس سے اور تو کچھ نتیجہ نکلے یا نہ نکلے لیکن یہ واضح ہے کہ باراک اوباما پاکستان سے متعلق انتہائی سخت نظریات رکھتے ہیں اور وہ صدر جارج بش سے بھی زیادہ گرمجوشی کے ساتھ ''پاکستان میں دہشت گردی'' کو ختم کرنے پر تلے نظر آتے ہیں۔ باراک اوباما کا کہنا ہے کہ: ''اگر انہیں موقع ملا تو وہ پاکستانی حکومت کو مطلع کیے بغیر پاکستانی علاقے میں القاعدہ کے خلاف کارروائی کا حکم دے دیں گے''۔ انہوں نے یہ بیان خارجہ پالیسی پر اپنے موقف کے حوالے سے ایک تقریر کے دوران دیا۔ باراک اوباما نے کہا ''اگر ہمیں اہم دہشتگردوں کے بارے میں قابل عمل اطلاعات ملیں اور صدر مشرف نے ان پر کارروائی نہ کی تو ہم کریں گے۔'' امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمود علی درانی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر اوباما کا یہ بیان ایک مفروضہ ہے تاہم پاکستان کی اجازت کے بغیر ایسے کسی حملے کے نتائج انتہائی منفی ہوں گے۔ واشنگٹن میں تقریر کرتے ہوئے اوباما کا کہنا تھا کہ پاکستانی صدر جنرل پرویز مشرف کو اپنے ملک میں دہشتگردی کی کارروائیوں کے خاتمے کے حوالے سے مزید اقدامات کرنے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ''اگر پاکستان ایسا نہیں کرتا تو اسے میرے عہد صدارت کے دوران فوجی کارروائی اور امریکی امداد کی بندش کا سامنا کرنا ہوگا''۔

بارک اوباما نے کہا ''2005ء میں القاعدہ کے رہنماؤں کے خلاف کارروائی کا موقع ضائع کرنا ایک سنگین غلطی تھی''۔ یاد رہے کہ امریکی حکام کے مطابق 2005ء میں کارروائی اس لیے نہیں کی گئی تھی کہ کہیں اس سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات متاثر نہ ہوں۔

اسرائیل سے متعلق باراک اوباما کا رویہ حیرت انگیز حد تک نرم ہے اور یہ بات واضح ہے کہ وہ اسرائیل کی سلامتی کے لیے اسرائیلیوں سے بھی زیادہ فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ باراک اوباما نے امریکہ کے صدارتی انتخابات میں اپنی نامزدگی میں کامیابی کے دعوے کے بعد اپنی پہلی پالیسی تقریر میں اسرائیل کے لیے غیر متزلزل حمایت کا وعدہ کیا ہے۔ اوباما نے امریکہ اسرائیل پبلک افیئر زکمیٹی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کی سلامتی ''مقدس'' ہے اور اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کمیٹی یہودیوں کی ایک ممتاز لابی کہلاتی ہے۔ باراک اوباما نے یہ بھی کہا کہ وہ ایران تک نیوکلیئر ہتھیاروں کی رسائی روکنے کے لیے ''سب کچھ'' کریں گے۔

باراک اوباما کے متعلق چونکہ ابتداہی میں مسلمان ہونے اور خصوصاً ''بلیک مسلم'' ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔ شاید یہی وجہ ہو کہ انہوں نے اسرائیل اور پاکستان کے متعلق اس نوعیت کے بیانات دیئے۔ جولائی 2008ء میں موقر امریکی جریدے نیویارکر نے ڈیموکریٹک پارٹی کے

صدارتی امیدوار باراک اوباما کا ایک کارٹون شائع کیا جس میں انہیں روایتی اسلامی کپڑوں میں، اوران کی اہلیہ کو ایک دہشت گرد کے طور پر پیش کیا گیا۔ دیوار پر القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کی ایک تصویر بھی ٹنگی ہوئی تھی اور اس کے نیچے امریکی قومی پرچم جلتا ہوا دیکھا جا سکتا تھا۔ امریکہ میں انتہائی دائیں بازو کے نظریات رکھنے والے لوگوں نے اوباما کو 'اوسامہ' کہہ کر، اور انہیں مسلمان قرار دے کر، یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ صدارتی انتخابات میں باراک اوباما کی کامیابی براہ راست دہشت گردوں کی کامیابی ہوگی۔ اوباما کے والد مسلمان تھے اور وہ اب بھی اپنا پورا نام باراک حسین اوباما لکھتے ہیں، لیکن وہ متعدد بار یہ واضح کر چکے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں عیسائی ہیں۔ اوباما اور ان کے ریپبلکن حریف جان مکین، دونوں نے ہی نیویارکر کی جانب سے اس کارٹون کی اشاعت پر سخت تنقید کی۔ اوباما کے ایک ترجمان نے کہا کہ یہ کارٹون 'توہین آمیز اور غیر شائستہ' ہے لیکن میگزین کا کہنا تھا کہ یہ کارٹون دراصل بائیں بازو کی جانب سے سینیٹر اوباما پر کیے جانے والے حملوں پر ایک 'طنزیہ کمینٹ' ہے۔ ایک بیان میں نیویارکر میگزین نے کہا کہ کارٹون میں، جو میگزین کے کور پر شائع کیا گیا ہے، اوباما اور ان کی اہلیہ کے بارے میں کہی جانے والی بے بنیاد باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ میگزین کا دعویٰ ہے کہ اس نے سینیٹر اوباما پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات کی اس کارٹون کے ذریعہ تنقید کی ہے اور اسی لیے اسے ''خوف کی سیاست'' عنوان دیا گیا ہے۔

باراک اوباما نے کہا ہے کہ صدر منتخب ہونے کی صورت میں وہ افغانستان اور پاکستان میں القاعدہ اور طالبان کی سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کریں گے۔ ایک بین الاقوامی دورے پر روانہ ہونے سے قبل مسٹر اوباما نے کہ کہا کہ امریکہ کی موجودہ پالیسی عراق پر ہی شروع اور ختم ہوتی ہے جو امریکہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اچھی حکمت عملی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ عراق سے امریکہ کا انخلاان کی پہلی ترجیح ہوگی۔ لیکن ان کے ریپبلکن حریف جان مکین نے الزام لگایا کہ مسٹر اوباما اپنی عراق پالیسی بدلتے رہے ہیں۔ اس جنگ سے ہماری سکیورٹی دنیا میں ہمارا رتبہ، ہماری فوج، ہماری معیشت اور اکیسویں صدی کے چیلنجوں کا سامان کرنے کے لیے ہمارے وسائل، سب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عراق کی جنگ ختم کی جانی چاہیے کیونکہ 'دہشت گردی کے خلاف جنگ میں عراق مرکزی محاذ نہ ہے اور نہ کبھی تھا۔' انہوں نے کہا کہ وہ طالبان اور القاعدہ کے خلاف جنگ ختم کرنے کو زیادہ ترجیح دیں گے اور یہ کہ ان دونوں کے خاتمے کے لیے نیٹو، افغانستان اور پاکستان کے درمیان گہرے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ باراک اوباما کہتے ہیں کہ وقت آ گیا ہے کہ امریکہ اور یورپ پھر سے اکٹھے ہو جائیں۔ دورہ یورپ کے دوران جرمنی کے شہر برلن میں دو لاکھ افراد کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے باراک اوباما کا کہنا تھا کہ ''اگر ہم ایمانداری سے سوچیں تو ہم یہ جانتے ہیں کہ ایسا وقت آیا ہے کہ جب بحرِ اوقیانوس کے دونوں طرف بسنے والے لوگوں کے درمیان کھنچاؤ پیدا ہوا اور ہم اپنی مشترکہ قسمت کو بھول گئے''۔

بی بی سی کے سٹیو روزنبرگ کا کہنا ہے کہ اوباما کو جرمنی میں بہت پسند کیا جاتا ہے اور تین چوتھائی عوام چاہتے ہیں کہ اوباما ہی امریکہ کے اگلے صدر ہوں۔ اوباما جرمنی کے دورے کے بعد فرانس اور برطانیہ پہنچے اوباما برلن میں سخت سکیورٹی انتظامات میں اسرائیل اور مغربی کنارے کے دورے پر پہنچے۔

امریکہ میں رائے عامہ کے کئی جائزے یہ بتاتے ہیں کہ ری پبلکن اور ڈیموکریٹک صدارتی امیدواروں کے درمیان آئندہ صدارتی انتخابات میں ووٹر ایک سے زیادہ ایشوز کی بنیاد پر ووٹ ڈالیں گے۔ وائس آف امریکہ نے امریکہ بھر میں ووٹروں سے یہ جاننے کے لئے بات کی کہ وہ چار نومبر کے صدارتی انتخابات میں ووٹ کرتے ہوئے کس بات کو اہمیت دیں گے۔ جوں جوں امریکہ کے صدارتی انتخابات قریب آ رہے ہیں، جان مکین ہوں یا باراک اوباما، تقریباً ہر روز کسی نہ کسی معاملے پر بیان بازی کرتے ہیں اور امریکہ کے مسائل کے حل کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے نکتہ نظر کا اظہار کر رہے ہیں۔ مگر انتخابات کی تاریخ قریب آنے کے ساتھ امریکی معیشت کو انتخابی مہم میں مرکزی اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ جان مکین کا کہنا ہے کہ میرے پاس معیشت کو بہتر کرنے، زیادہ سے زیادہ ملازمتیں پیدا کرنے اور امریکہ کو آگے لے جانے کا ایک منصوبہ ہے۔ جب کہ ووٹروں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے سینیٹر اوباما کا کہتے ہیں کہ میں متوسط طبقے کے ٹیکس میں کمی کی پیشکش کروں گا تاکہ ہم محنت کش خاندانوں اور گھروں کے مالکان کے لئے قرضے میں آسانی پیدا کریں۔ دونوں امیدوار جانتے ہیں کہ ووٹر ملک کی بگڑتی ہوئی معیشت سے پریشان ہیں۔ ریپبلکن مائیکل بیلی بھی ایسے ہی ووٹر ہیں جو پنیسلوانیا میں ایک ریسٹورانٹ چلاتے ہیں اور خوراک کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے گزشتہ چند ہفتوں کے دوران 23 کلوگرام آٹے کی بوری کی قیمت کو 13 سے 36 ڈالر تک پہنچتے دیکھی ہے۔ مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے۔ ہر شخص پریشان ہے کہ وہ خوراک کیسے خریدے گا۔ ہیدر سولوف ڈیموکریٹ ووٹر ہیں اور ایک چھوٹا سا کاروبار کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ دیہی علاقوں میں لوگوں کو بہت گاڑی چلانی پڑتی ہے اور وہ پٹرول کی قیمتوں میں کمی چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گیس اور تیل کی قیمتیں کم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہو رہی ہیں۔ جنہیں گاڑی پر ہی کام پر جانا ہے وہ کیا کریں۔

الباما کی پامیلا سکاٹ سینیٹر باراک اوباما کی حمایتی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اوباما ان کے مسائل حل کرنے کے لئے بہترین امیدوار ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ معیشت کی حالت بری ہے۔ لوگ بے گھر ہو رہے ہیں۔ ملازمتیں اور کئی مسئلے امریکی عوام کو درپیش ہیں۔ ہم تبدیلی کے لئے تیار ہیں۔ جنوبی امریکی ریاست ویسٹ ورجینیا کے فرینکلین قصبے میں ایک ہوٹل کے مالک سٹیولر کے خیال میں ایندھن کی قیمتوں سے ان کے کاروبار کو نقصان ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب گیس کی قیمتیں دس سینٹ بھی اوپر جاتی ہیں تو میں اپنے کچھ گاہکوں سے محروم ہو جاتا ہوں۔ یونیورسٹی آف ورجینیا میں سیاسیات کے استاد لیری سباتو کے خیال میں صدارتی دوڑ پر امریکی معیشت چھائی رہے گی لیکن ان کے خیال میں دیگر معاملات بھی انتخابی نتائج پر اثر انداز ہوں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے بعد عراق اور افغانستان جیسے عالمی معاملات اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے معاملات ہوں گے اور تیسرے نمبر پر ماحول اور تعلیم کے ایشوز کی باری آئے گی۔ 22 سالہ آین یونیورسٹی کے طالبعلم ہیں۔ ری پبلکن امیدوار جان مکین کو پسند کرتے ہیں اور ان کے خیال میں قومی سلامتی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جیسے معاملے اہم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قومی سلامتی اور دشمنوں سے اپنا تحفظ کرنا بے حد ضروری ہے۔ وہ لوگ جو ہمیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں انہیں تلاش کرنا اور سزا دینا اور اس کے ساتھ لوگوں کو آزادی اور جمہوریت دلانے میں مدد کرنا بھی اہم ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی صدر کرے۔ رائے عامہ کے جائزوں کے مطابق معیشت کے بعد امریکی قوم سب سے زیادہ اہمیت دہشت

گردی کے خلاف جنگ کو دے رہی ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں نئے امریکی صدر کو عراق سے فوج نکالنے پر توجہ دینی چاہئے۔ ایلی سن باب کا کہنا ہے کہ میرے خاندان کے لوگ اور دوست اب تک عراق میں ہیں اور انہیں وہاں نہیں ہونا چاہئے۔ ویسٹ ورجینیا میں ایک ہارڈ ویئر سٹور کے مالک چوراسی سالہ جیف براؤن اب تک فیصلہ نہیں کر پائے کہ کس امیدوار کے حق میں فیصلہ دیں مگر وہ تمام قومی امور پر دونوں امیدواروں کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلا مسئلہ معیشت اور پھر تعلیم ہے۔ جمہوریت تبھی کامیاب ہو سکتی ہے۔ جب آبادی تعلیم یافتہ ہو۔ وائس آف امریکہ کو اس جائزے میں ایسے ووٹر بھی ملے جن کے خیال میں صحت عامہ کے اخراجات میں کمی، ماحول کا تحفظ، اور غیر قانونی تارکین وطن امریکہ کے سب سے بڑے مسائل ہیں۔ سیاسی ماہرین کے خیال میں آئندہ چند ہفتوں کے دوران ری پبلکن اور ڈیموکریٹ صدارتی امیدوار اپنے ووٹروں کو یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ ان کے پاس امریکہ کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اپنے دورہ امریکہ کے دوران وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے بھی باراک اوباما سے واشنگٹن کے اس ہوٹل میں ملاقات کی جہاں وہ مقیم تھے۔ صحافیوں کے متعدد مرتبہ کریدنے پر بھی انہوں نے صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ ملاقات اچھی رہی اور وہ باراک اوباما کی انتخابی مہم کی وجہ سے اس مرحلے پر اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہنا چاہتے۔

ممبئی لرز اٹھا

بدھ کی رات ساڑھے دس بجے سے تا اطلاع ثانی بھارت کے سب سے زیادہ حساس اور کاروباری لحاظ سے بین الاقوامی اہمیت کے حامل مہاراشٹر کے دارالخلافہ ممبئی پر دہشت گردوں کا حملہ جاری ہے۔ آخری اطلاعات آنے تک بھارتی کمانڈوز ان سے ہوٹل تاج محل اور ہوٹل اوبرائے کے علاوہ ایک اور اہم بلڈنگ خالی نہیں کروا سکے۔ بھارتی میڈیا کی اطلاعات کے مطابق جن کی بنیاد عموماً پاکستان دشمنی اور تعصب ہوتا ہے۔ پانچ دہشت گرد کراچی سے ایک کشتی کے ذریعے ممبئی پہنچے جنہوں نے سب سے پہلے ممبئی کے مرکزی ریلوے سٹیشن پر حملہ کیا جس کے بعد شہر کے اہم خصوصاً جنوبی ممبئی کے پوش علاقے کو نشانہ بنایا۔ دھماکے اندھادھند فائرنگ اور آخری مرحلے پر بڑے ہوٹلوں اور عمارات میں لوگوں کو یرغمال بنالیا۔

بھارتی میڈیا اس حملے میں پاکستان کو ملوث کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ حملہ آوروں میں سے دو جو بھارتی اینٹی ٹیررسٹ فورس کے مقامی سربراہ کو ہلاک کرنے کے بعد ان کی گاڑی چھین کر بھاگ رہے تھے کے ساتھ فوج نے مقابلہ کیا جس میں ایک دہشت گرد فرار ہو گیا جبکہ دوسرا کار میں ہی مارا گیا۔ جس کا نام بھارتی میڈیا ''ابو'' بتاتا ہے اور کوئی بھی عقل کا اندھا سمجھ سکتا ہے کہ ''ابو'' کوئی نام نہیں ہوتا۔ فرار ہونے والے کا نام اسمٰعیل بتایا جاتا ہے۔ اس نام کا علم بھی بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں سے پہلے بھارتی میڈیا کو ہو چکا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بھارت کے تمام نیوز چینل ایک ہی کہانی سنا رہے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے انہیں یہ زبانی یاد کروائی گئی ہو۔

اس ضمن میں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ حملہ کس نے کیا؟ اس پر تو بحث ہو سکتی ہے لیکن حملے کی ٹائمنگ ضرور محل نظر ہے کیونکہ پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی اس وقت بھارت کے دورے پر ہیں اور آج انہوں نے چندی گڑھ میں ایک اہم تقریب سے خطاب بھی کرنا تھا۔ ان کی آمد کے ساتھ ہی بھارتی میڈیا نے انہیں گھیر لیا اور ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ پاکستانی وزیر خارجہ اس حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے بھارت کو ہر طرح کی تحقیقی مدد کی پیش کش کر رہے ہیں جبکہ بھارتی صحافی بضد تھے کہ حملہ آور پاکستان سے آئے ہیں اور اس حوالے سے شاہ محمود قریشی پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق اس حملہ کی ذمہ داری ''شاہ عبداللہ'' نامی کمانڈر نے لی ہے اور اپنا تعلق ''دکن مجاہدین'' نامی گروپ سے بتایا ہے اپنے ساتھیوں کی تعداد 7 بتائی ہے۔ اب تک کی غیر ملکی ایجنسیوں کی اطلاعات کے مطابق حملہ آوروں سے متعلق کوئی رائے دینا قبل از وقت ہوگا۔ آخری اطلاعات کے مطابق ممبئی شہر میں ہوٹل اوبرائے اور تاج پیلس میں چھپے مسلح افراد پر قابو پانے اور ان کے قبضے سے یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے دہلی سے بلائے گئے خصوصی کمانڈوز، فوج اور پولیس کا مشترکہ آپریشن اس وقت جاری ہے۔ ریاست مہاراشٹر کے وزیر داخلہ آر آر پاٹل کے مطابق حملوں میں مرنے والوں کی تعداد تقریباً سو ہے جبکہ ایک سو چھیاسی افراد زخمی ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اب تک پانچ حملہ آور مارے جا چکے ہیں اور ایک کو گرفتار کیا گیا ہے۔ درجنوں افراد ابھی بھی حملہ آوروں کے قبضے میں ہیں۔ کینیڈا کے ایک سفارت کار نے ممبئی میں

موجودہ نامہ نگار صلاح الدین کو بتایا کہ یرغمالیوں میں ان کے ملک کے بہت سے شہری شامل ہیں۔ ہوٹل اوبرائے کی تیرہویں منزل پر بہت سے لوگ پھنسے ہوئے ہیں اور کھڑکیوں سے ہاتھ ہلا کر اپنی جانب توجہ مبذول کرا رہے ہیں۔ مسٹر پاٹل کے مطابق حملہ آوروں کے بارے میں ''سب پتہ چل گیا ہے''۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب کے سب سمندر کے راستے ممبئی میں داخل ہوئے تھے۔ پولیس نے ایک کشتی کو قبضہ میں لے کر اس کی تلاشی شروع کردی ہے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا اس حملے میں پاکستان کا ہاتھ ہوسکتا ہے' مسٹر پاٹل نے کہا کہ فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بی بی سی کے نامہ نگار کے مطابق تاج ہوٹل میں بدھ کی رات گئے دستی بم کے پھٹنے سے لگنے والی آگ جمعرات کی صبح پھر اچانک بھڑک اٹھی اور ہوٹل کی عمارت سے دھوئیں کے سیاہ بادل اٹھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس سے قبل ممبئی پولیس کے حوالے سے ایک سو ایک افراد کی ہلاکت اور 280 کے زخمی ہونے کی خبر دی گئی تھی۔ مرنے والوں میں 14 پولیس اہلکار' 6 غیر ملکی شہری اور 101 بھارتی شہری شامل ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق جمعرات کی صبح ممبئی کے کاروباری علاقے میں مسلح افراد نے ایک اور سرکاری دفتر میں گھس کر لوگوں کو یرغمال بنالیا۔ بی بی سی کے نامہ نگار کے مطابق اس کارروائی میں کم از کم پانچ مسلح افراد ملوث ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں اینٹی ٹیررسٹ سکواڈ کا چیف ہیمنت کر کرے اور اے ایس پی سمیت 7 پولیس اہلکار شامل ہیں۔ مرنے والوں میں غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ یہ واقعات ممبئی کے علاقہ کولابہ' ہوٹل اوبرائے' ہوٹل تاج' ریلوے اسٹیشن' لیوپولڈ ریسٹورنٹ اور دیگر علاقوں میں ہوئے' پولیس کے مطابق حملہ آوروں نے کئی عمارتوں پر بھی قبضہ کر رکھا ہے۔ فائیو سٹار ہوٹلوں میں تاج اور اوبرائے میں حملہ آوروں نے کئی ارکان اسمبلی' غیر ملکیوں اور اہم شخصیات سمیت 40 افراد کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ ٹائمز آف انڈیا کے مطابق دکن مجاہدین نے واقعات کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ دھماکوں کے واقعات کو دہشت گردوں سے منسوب کر رہا ہے۔ بھارتی میڈیا اسے دہشت گردوں اور فدائیوں کے حملے کہہ رہا ہے وہ اسے لشکر طیبہ اور ''سیمی'' کے طلباء کو قرار دے رہا ہے۔ جبکہ سی این این' سکائی نیوز' بی بی سی ورلڈ اور فوکس نیوز نے اسے گینگ وار قرار دیا ہے' بھارتی پولیس اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ ولیش مکھ پانڈے نے حملوں کی ذمہ داری فی الحال کسی پر نہیں ڈالی۔ عینی شاہدین کے مطابقت دستی بموں کے حملے اور فائرنگ کرنے والے افراد امریکی اور برطانوی پاسپورٹ ہولڈرز کو تلاش کر رہے تھے۔ میڈرڈ کے ایک اعلیٰ اہلکار جو اس وقت اس علاقے میں تھے بالکل محفوظ رہے۔ قریبی علاقوں سے پولیس کی بھاری نفری کو ممبئی پولیس کی مدد کے لئے طلب کرلیا گیا ہے۔ جبکہ فوج بھی طلب کرلی گئی ہے، اور اس نے شہر کا کنٹرول سنبھال کر آپریشن شروع کردیا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق فائرنگ اور دھماکوں کے یہ واقعات کولابہ' چھتریتی اور شیواجی ٹرمنس کے علاقوں میں ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد بڑھنے کا خدشہ ہے۔ ان واقعات میں زیادہ تر ریلوے سٹیشنوں' ہسپتالوں اور ہوٹلوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق صرف تاج محل ہوٹل میں فائرنگ کرکے 16 افراد کو ہلاک کردیا گیا جبکہ لابہ میں دس افراد ہلاک ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں تاج محل ہوٹل کے تین ملازمین بھی شامل ہیں۔ جبکہ اوبرائے ہوٹل میں تین اور ریلوے سٹیشن اور کیپیٹل سینما کے قریب ایک دھماکے کی آواز سنی گئی ہے۔ فائرنگ کے واقعات اور دھماکوں کے بعد ممبئی ایئرپورٹ کے ارد گرد سکیورٹی سخت کردی گئی۔ حکام نے متاثرہ علاقوں میں کمانڈوز پولیس طلب کرلی۔ دھماکوں کے باعث اوبرائے ہوٹل میں آگ لگ گئی۔ پولیس نے علاقوں کو گھیرے میں لے کر زخمیوں کو قریبی ہسپتالوں میں منتقل کردیا۔ لوگوں میں شدید خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ملوث افراد کا پتہ نہیں چل سکا۔ تاج محل ہوٹل کی چوتھی منزل پر فائرنگ رات گئے جاری تھی'

کمانڈوز اندر داخل ہو چکے تھے۔ زیادہ تر ہلاکتیں ہوٹل تاج اور ہوٹل اوبرائے میں ہوئیں۔ کولابہ میں پٹرول پمپ دھماکے سے اڑا دیا گیا جبکہ اوبرائے ہوٹل میں آگ بھڑک اٹھی عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ دہشت گرد پولیس گاڑی میں آئے اور فائرنگ شروع کر دی' سی ایس ٹی سٹیشن میں فائرنگ سے 10 افراد ہلاک ہوئے' حملوں میں دستی بم بھی استعمال ہوئے' حملوں میں ریلوے سٹیشنوں' ہوٹلوں اور پٹرول پمپوں کو نشانہ بنایا گیا۔ بھارتی صحافی امیت شاہ کا کہنا ہے کہ ان واقعات میں جو لوگ ملوث ہیں ان کے تانے بانے لشکر طیبہ سے جا کر ملتے ہیں۔

اوبرائے ہوٹل میں اب تک پانچ دھماکے ہو چکے ہیں۔ تاج ہوٹل میں تین دھماکے ہوئے' ممبئی کے واقعات میں اصل ٹارگٹ ہوٹلوں کو بنایا گیا' دو فائیو سٹار ہوٹل اور ایک سیون سٹار ہوٹل پر قبضہ کر رکھا ہے۔ جہاں فائرنگ جاری ہے۔ تاج ہوٹل میں جمعرات کو غیر ملکی کرکٹ ٹیموں کے کھلاڑیوں نے آنا تھا اور یہاں سکیورٹی کے انتہائی سخت انتظامات تھے' یہاں پاکستان سمیت کئی ملکوں کے کرکٹ کے کھلاڑی چیمپئنز لیگ میں حصہ لینے آ رہے تھے۔ ان کو یہاں ٹھہرایا جانا تھا۔ جس کے لئے کمرے بک ہو چکے تھے۔ حملہ آوروں نے ہوٹلوں میں 40 افراد کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ پیرا ملٹری فورس کو حالات پر قابو پانے کے لئے طلب کر لیا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے کہا ہے کہ شہر میں صورتحال سنگین ہے' پولیس نے ممبئی کی سخت ناکہ بندی کر رکھی ہے' پولیس ہر گاڑی اور موٹر سائیکل والے کی تلاشی لے رہی ہے۔ بھارتی صحافی درشن نے نجی ٹی وی پر بتایا کہ ممبئی کے تاج ہوٹل میں آخری اطلاعات تک تین دہشت گرد چھپے ہوئے تھے' عام لوگ ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں' فائرنگ اور بم حملوں میں پورے ممبئی میں افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ حکام نے ممبئی میں ٹرینوں کی آمد و رفت روک دی ہے۔

ممبئی میں فائرنگ کا پہلا واقعہ ریلوے اسٹیشن پر ہوا' جس کے بعد پورے ممبئی میں دھماکوں اور فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ بھارتی اینٹی ٹیررسٹ سکواڈ کی ٹیم نے متاثرہ مقامات کو گھیرے میں لے کر کارروائی شروع کر دی ہے۔ ممبئی پولیس کا کہنا ہے۔ کہ یہ شہر پر دہشت گردوں اور فدائین کا حملہ ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ فدائین کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا۔ اگر ان کی اس کارروائی میں موت آ جائے' یہ حملے باقاعدہ منصوبہ بندی سے کئے گئے ہیں' حملہ آوروں میں خواتین بھی شامل ہیں۔ شہر میں 50 کے قریب حملہ آور موجود ہیں' ہوٹل تاج میں کئی غیر ملکی مہمان ٹھہرتے ہیں۔ جبکہ حملہ آوروں نے ہوٹل پر قبضہ کر لیا ہے۔ بھارتی صحافی کے مطابق دہشت گردوں نے پورے شہر پر ایک ساتھ حملہ کیا اور ممبئی کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا۔ حکومت نے آج عام تعطیل کا اعلان کیا ہے جبکہ ممبئی سٹاک ایکسچینج کے دفاتر آج بھی بند ہیں۔

بھارتی میڈیا کے الزامات ایک طرف لیکن دو ایسے اہم شواہد ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے اہم بات بھارتی فوج کی افغانستان میں موجودگی ہے اور عالمی ذرائع ابلاغ کے مطابق افغانستان کے صوبہ ''نمروز'' میں بھارتی فوج کے ساتھ طالبان کی خونی جھڑپوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بھارتی فوج نے ''رضیہ'' نامی گاؤں پر حملہ کر کے وہاں بے گناہ عورتوں اور بچوں کو شدید تشدد کے بعد مار ڈالا جس پر طالبان نے سخت غم و غصے کا اظہار کیا اور اس کا بدلہ لینے کی قسم بھی کھائی تھی۔ افغانستان میں بھارتی فوج کی موجودگی سے گو کہ بھارت مکمل انکار نہیں کرتا لیکن مکمل اقرار بھی نہیں کرتا جبکہ حال ہی میں بھارتی آرمی چیف نے اقرار کیا کہ 12 ہزار بھارتی آرمڈ فورسز کے جوان افغانستان میں خدمات انجام دے رہے ہیں' لیکن وہ صرف تعمیراتی کام میں مصروف ہیں۔ اس مرحلے پر کسی افغان گروپ کی طرف سے اس حملے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور اہم بات

اس حملے میں ممبئی میں اینٹی ٹیررسٹ فورس کے سربراہ مسٹر ہیمنت کرکرے کی ہلاکت ہے۔ ممبئی میں بدھ کی رات دہشت گرد حملوں کے دوران انسداد دہشت گردی سکواڈ عملے کے سربراہ ہیمنت کرکرے، انکاؤنٹر کے ماہر وجے سالسکر اور ایڈیشنل پولیس کمشنر اشوک کامٹ بھی ہلاک ہو گئے ہیں۔ پولیس کے مطابق دو شدت پسندوں کو ہلاک اور نو کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ شہر میں ابھی تک حالات پر مکمل طور پر قابو نہیں پایا جا سکا جس کی وجہ سے ہلاک و زخمی ہونے والوں کی صحیح تعداد کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انسپکٹر جنرل آف پولیس اور سابق اے ٹی ایس سربراہ کے پی رگھوونشی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ہیمنت، وجے سالسکر اور اشوک کامٹ کے ہلاک ہونے کی تصدیق کی۔ وزیر اعلیٰ ولاس راؤ دیش لکھ کے دفتر سے دو سو سے زائد افراد کے زخمی ہونے کی تصدیق کی گئی ہے۔ ممبئی میں اب تک سات مقامات پر گرینیڈ فائرنگ اور بم دھماکے ہوئے ہیں۔ پولیس نے گرگام چوپاٹی پر فرار ہو رہے دو دہشت گردوں کو انکاؤنٹر میں ہلاک کر دینے کا دعویٰ کیا ہے۔ پولیس کے بقول یہ لوگ پولیس جیپ لے کر فرار ہو رہے تھے۔ ہیمنت کرکرے اس وقت مالیگاؤں دھماکے کیس کی تفتیش کر رہے تھے۔ اے ٹی ایس کے عملے نے ان کی سربراہی میں سادھوی اور فوج کے کرنل سمیت 11 افراد کو گرفتار کیا تھا جو سخت گیر موقف والی تنظیم ابھینو بھارت کے اراکین ہیں۔

کرکرے پر ہندو سخت گیر اور انتہا پسند تنظیموں نے جانبداری کا الزام عائد کیا تھا اور انہیں دو روز قبل ہی کسی نامعلوم شخص نے فون پر جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ بیشتر ماہرین کا کہنا ہے کہ اس حملے میں یہی گروپ ملوث ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں بھی مالیگاؤں والا طریقہ کار استعمال کیا گیا اور حملہ آور انتہائی منظم بے خوف اور مقامی صورت حال سے مکمل آگاہی رکھنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی طرف سے جس نوعیت کی کارروائی کی جا رہی ہے وہ عام قسم کے دہشت گرد نہیں کیا کرتے۔ بھارت میں اگر گزشتہ چند سالوں میں ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے کسی کی مماثلت اس سے دکھائی نہیں دیتی۔ اس سلسلے میں عینی شاہدین کے بعض بیانات بی بی سی کے حوالے سے سامنے آئے ہیں۔ ممبئی میں بدھ کی رات کو نامعلوم دہشت گردوں کی طرف سے سات مختلف مقامات پر دستی بموں اور اندھا دھند فائرنگ کے عینی شاہدین کیا کہتے ہیں۔ ایلن جونز بزنس کے سلسلے میں ممبئی کے ٹرائڈنٹ ہوٹل میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ ٹرائڈنٹ ہوٹل ممبئی کے ایک اور بڑے ہوٹل اوبیرائے کے ساتھ واقع ہے۔ ایلن جونز نے بی بی سی کو بتایا کہ ''ہم لفٹ میں جا رہے تھے۔ کہ ہم نے دھماکوں کی آواز سنی۔ اس وقت لفٹ میں موجود چار میں سے ایک جاپانی گولی لگنے سے زخمی ہو گیا۔ میں نے جلدی سے لفٹ بند کرنے کا بٹن دبایا لیکن جاپانی کا پاؤں دروازے میں تھا۔ جب ہم ہوٹل کی 28 ویں منزل پر پہنچے تو ہمیں ہوٹل کے عملے نے ہوٹل کی عمارت کی زیر زمین منزل پر جانے کو کہا۔ اس محفوظ تہہ خانے میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں ہوٹل سے نکالا گیا۔ ایلکس چیمبرلین ایک برطانوی تاجر ہیں جو بزنس ہی کے سلسلے میں ممبئی میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ حملے کے وقت اوبیرائے ہوٹل میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے سامنے ایک مسلح شخص نے لوگوں کو اوپر جانے کو کہا۔ مسلح شخص نے لوگوں سے پوچھا کہ ان میں کوئی امریکی یا برطانوی شہری تو نہیں۔ ایلکس نے کہا کہ ان کے دوست نے انہیں مشورہ دیا کہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں اسے نہ بتانا کہ تم برطانوی شہری ہو'' ممبئی کے رہائشی سونو راوبیرائے نے بتایا کہ وہ چھتراپاتی شیوراج ریلوے سٹیشن کے پاس تھے۔ یہ ریلوے سٹیشن دہشت گردوں کا حملہ بننے والی جگہوں میں شامل ہے۔ انہوں نے بی بی سی کو بتایا کہ ''ہم نے دو بڑے دھماکوں کی آواز سنی اور ہم نے

گھروں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔'' ایک اور عینی شاہد نے کہا میں آفس بند کرنے کے بعد تقریباً دس بجے ریلوے سٹیشن پر آ رہا تھا۔ وہاں کچھ لوگوں نے دستی بم پھینکے۔ وہاں دھواں اٹھا اور بھگدڑ مچ گئی۔ دو نو جوانوں نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور ایک بلٹ پروف جیکٹ پہنے ہوئے تھے۔ کمر پر ایک موٹا بیگ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہوا میں گولیاں چلائیں۔ اس کے بعد ہم جے سکول آف آرٹ کے بس سٹاپ پر کھڑے تھے تو گولیاں چلنے لگیں۔ ٹی وی سٹیشن پر فائرنگ کی خبر سننے کے بعد ہم جب تقریباً گیارہ بجے مچھ گاؤں سے گزرے تو ہمارے سامنے ایک چلتی ہوئی ٹیکسی میں دھماکہ ہوا۔ دھماکے سے ٹیکسی کے پرخچے اڑ گئے۔ زخمیوں کو ہسپتال لے گئے۔ اس کے بعد پولیس اور فائر بریگیڈ آئی فی الوقت پولیس نے علاقے کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایک پولیس کانسٹیبل کا کہنا ہے کہ میں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے گھر لوٹ رہا تھا، لیکن ٹرین تک نہیں پہنچ پایا میں جب آیا تو پورے سٹیشن پر بھگدڑ مچی ہوئی تھی اور گولیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہاں کیا ہو رہا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں کسی کو دیکھ نہیں پایا کہ گولی کون چلا رہا ہے، وہ پبلک کے ساتھ ہی بھیڑ ہی میں تھے۔

یہ صورتحال پاکستان سے بھی بہت محتاط رہنے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ''فاٹا'' دہشت گردوں کی زد پر ہے اور یہ بات بلوچستان اور ''فاٹا'' میں ثابت ہو چکی ہے کہ ان حملوں میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' بھی ملوث ہے۔ اس کے ثبوت پاکستان کی طرف سے پیش کیے جا چکے ہیں۔ عین ممکن ہے بوکھلاہٹ میں بھارتی ایجنسیوں کے انتہا پسند پاکستان کو نشانہ بنائیں۔

بھارت خود کو امریکہ سمجھ رہا ہے

امریکہ کی طرف سے جب پاکستانی سرحدوں کے اندر کارروائی کا آغاز ہوا اور صدر بش (جو تا فیم) کی ڈاکٹرائن ''پری امٹ اٹیک'' کا اطلاق ہوا تو خاکسار نے کہا تھا کہ اب بھارت بھی امریکہ کی نقل کرے گا۔ اگر امریکہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امریکی عوام کے دشمنوں پر ان کے متحرک ہونے سے پہلے حملہ آور ہو تو بھارت کو یہ حق کیوں حاصل نہیں؟ وہ بھی تو خود کو کم از کم جنوبی ایشیاء کا تھانیدار تو سمجھتا ہے۔ وہ کیوں ''ہارٹ پرسوٹ'' نہ کرے۔ ایڈمرل مائیک مولن کا موجودہ دورہ پاکستان اس کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اب امریکہ بھارت کا ''سٹرٹیجک پارٹنر'' بھی ہے اس لئے بھارت اس کے ذریعے پاکستان پر ناجائز دباؤ میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے۔ ایڈمرل مولن اپنے دوسرے امریکی جرنیل ساتھی کے ساتھ پاکستان سے ایسا بے ہودہ مطالبہ کرنے آئے ہیں کہ اگر کسی پریس کانفرنس میں وہ براہ راست ایسی بات کہہ دیتے تو صدر بش کی عراقی پریس کانفرنس کی تاریخ بہت زیادہ شدت سے دہرائی جاتی۔ جی ہاں! موصوف پاکستان سے مطالبہ کرنے آئے تھے کہ وہ بھارت کی طرف سے ہونے والی ''سرجیکل سٹرائیکس'' پر تباہی و بربادی کا تماشا بالکل اسی طرح دیکھتا رہے جس طرح باجوڑ اور وزیرستان میں کر رہا ہے کیونکہ امریکہ نہیں چاہتا کہ اس خطے میں باقاعدہ لڑائی شروع ہو اور ان کی جنگ لڑنے والی ایک لاکھ پاکستانی فوج شمال مغربی سرحدوں سے پاکستان کی مشرقی سرحدوں کی طرف مراجعت کر جائے۔

امریکہ نے اپنے سٹرٹیجک پارٹنر بھارت کے لئے بظاہر بڑا سستا اور شافی نسخہ تلاش کیا تھا کیونکہ پاکستان کی طرف سے پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ اگر بھارتی فوجیں پاکستانی سرحدوں میں آئیں تو پاکستان فوراً اپنی فوج ''فاٹا'' سے نکال کر مشرقی سرحدوں پر لے آئے گا جس کے بعد امریکہ کی دوڑیں لگ گئیں امریکی ارباب اختیار اور برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن نے پاکستان کا دورہ کیا اور معاملات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن بھارت کے نخرے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے اور امریکہ کو فکر تھی کہ اگر بھارتی پیدل افواج پاکستانی سرحدوں پر 2002ء کی طرح اکٹھی ہوئیں اور پاکستان نے اپنی فوج فاٹا سے نکالی تو اس مرتبہ طالبان امریکہ کا تورا بورا کر کے رکھ دیں گے کیونکہ امریکہ ان کا ہاتھ اب اچھی طرح دیکھ چکا ہے۔ جس پر امریکی سیانوں نے بھارتیوں کو سمجھایا کہ پیدل فوج کا خرچہ نہ کرو ہم تمہیں ''سرجیکل ائر سٹرائیکس'' کی اجازت لے دیں گے۔ جس پر بھارتی بڑے خوش بھی ہوئے ہوں گے لیکن بظاہر یہی دکھائی دے رہا ہے کہ مائیکل مولن کا دورہ ناکام رہا کیونکہ جنرل کیانی نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ وہ دفاع پاکستان پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے۔

بھارتیوں نے صرف امریکہ ہی کو آگے نہیں کیا خود بھی پاکستان کے خلاف زہر افشانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بھارت کے وزیر خارجہ پرناب مکھر جی نے کہا ہے کہ پاکستان میں موجود دہشت گردی کا ڈھانچہ پوری دنیا کے لئے خطرہ ہے اور اس کو توڑا جانا ضروری ہے۔ نئی دہلی میں دنیا کے مختلف ملکوں میں تعینات بھارتی سفیروں کی دو روزہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پرناب مکھر جی نے کہا کہ پاکستان نے ابھی تک دہشت گردی کے ڈھانچے کو ختم کرنے کے لئے تسلی بخش اقدامات نہیں اٹھائے ہیں۔ ممبئی دھماکوں کو ایک ماہ گزر جانے کے باوجود بھارت پاکستان پر مستقل

دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ مبینہ دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کرے۔ انہوں نے کہا کہ اس ضمن میں بین الاقوامی برادری نے پاکستان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے تردیدیں کرنے اور اپنی ذمہ داری سے انکار کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں بھی پاکستان مبینہ دہشت گردوں کو نظر بند کرتا رہا ہے اور دنیا کی توجہ ہٹ جانے کے بعد ان کو رہا کر دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ممبئی بم حملوں کے بعد حکومت نے مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف عملی اقدامات کیے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر پاکستان دہشت گردوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا تو بھارت کے پاس سبھی متبادل آپشنز کھلے ہیں۔ ممبئی حملوں کے بعد پاکستان اور ہندوستان کے رشتوں میں بڑھتی ہوئی تلخی کے پیش نظر اس اجلاس کو اہم قرار دیا جا رہا ہے۔ اس درمیان میں بھارت میں امریکی سفیر ڈیوڈ سی ملفرڈ نے بھارت کے وزیر داخلہ پی چدامبرم سے ملاقات کی ہے اور شدت پسندی سے نمٹنے میں انڈیا کے ساتھ تعاون کی بات کہی ہے۔ ممبئی حملوں کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بیان بازیاں تلخ ہو چکی ہیں۔ بھارت بار بار یہ کہہ رہا ہے کہ ممبئی حملوں کے پیچھے بعض پاکستانی شدت پسند عناصر ہیں اور ان کے خلاف پاکستان سختی سے کارروائی کرے۔ پاکستان ان الزامات کی تردید کر رہا ہے اور اس کا کہنا ہے ممبئی حملوں کی تفتیش میں بھارت کو وہ ہر ممکن تعاون دین کے لیے تیار ہے لیکن بھارت اس بات کے پختہ ثبوت فراہم کرے کہ ممبئی پر حملہ کرنے والوں کا تعلق پاکستان سے ہے۔

وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے ایک بار پھر کہا ہے کہ اگر پاکستان شدت پسندوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا تو بھارت کے پاس سارے متبادل آپشن کے راستے کھلے ہیں اور وہ کوئی بھی کڑا اقدم اٹھا سکتا ہے۔ اتوار کو وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے کولکتہ میں نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کو کئی بار ثبوت فراہم کیے گئے ہیں انہوں نے کہا کہ پاکستان متضاد بیانات دے رہا ہے، اسے کافی ثبوت دیے جا چکے ہیں اور اب متضاد بیانات اور انکار کرنے بجائے اسلام آباد کو کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ پرناب مکھرجی نے کہا کہ پاکستان اپنا وعدہ پورا کرے جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی سرزمین کو دہشت گردی کے لئے استعمال نہیں ہونے دے گا۔ ادھر اتوار کو ہی کانگریس پارٹی کی صدر سونیا گاندھی نے جموں میں کہا تھا کہ پاکستان کو منہ توڑ جواب دینے کی ہندوستان کے پاس پوری صلاحیت ہے۔ ظاہر بات ہے بھارت میں انتخابات کی آمد آمد ہے اگلے چار ماہ کے بعد الیکشن ہونے جا رہے ہیں اور اس مرحلے پر کانگریس کو اپنی سابقہ لیڈر آنجہانی اندرا گاندھی والی تاریخ دہرانے کا شوق چرایا ہے لیکن وہ یہ بات بھول جاتی ہیں کہ نہ تو یہ 1971ء ہے اور نہ ہی پاکستان اب مشرقی اور مغربی پاکستان ہے۔

اروندھتی رائے جن کو بھارتیوں نے پاکستانی ایجنٹ کا خطاب دے دیا ہے یہی بات بھارتی حکومت کو سمجھائی تھی کہ وہ خود کو امریکہ نہ سمجھے اور نہ ہی پاکستان کو افغانستان سمجھا جائے لیکن ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ امریکی سٹرٹیجک پارٹنر شپ نے بھارت کا دماغ خراب کر دیا ہے اور بھارتیوں کی طرف سے وہ زبان بولی جا رہی ہے جس کا انہیں تجربہ ہی نہیں۔ اگر بھارتی حکومت کو ایڈونچر کرنے کا شوق چرایا ہے تو وہ ردی راکھی کی کتاب The war that neve Rwas ضرور پڑھ لے یہ بھارتی فوج کا پیور رائٹر ہے اور ''آپریشن تری شول'' سے متعلق لکھی اس کتاب میں بھارتی جارحانہ ذہنیت کو خاصے جوتے مار چکا ہے۔ اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی اگر بھارتی ماہرین حرب وضرب کے دماغ میں یہ کیڑا کلبلانے لگا ہے۔ کہ وہ صرف ''ائر سٹرائیک'' سے اپنا الو سیدھا کر لیں گے؟

بی بی سی کے مطابق انڈیا میں وزیر اعظم من موہن سنگھ کے دفتر میں سیاسی اور فوجی قیادت کا ملکی سلامتی کے بارے میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس

ہوا ہے۔ اجلاس میں نیوکلیئر چیف، مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہان اور قومی سلامتی کے مشیر سمیت کابینہ کے ارکان نے شرکت کی۔
اس سے پہلے سنیچر کو دہلی میں ایک سیمینار میں انڈیا کے وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے کہا تھا کہ دہشت گردی اس علاقے کے لئے ایک شدید خطرہ بنی ہوئی ہے، اور اگر کوئی ملک اپنی یقین دہانی پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اپنے تحفظ اور مفاد کے لئے انڈیا اپنے تمام آپشنز کے استعمال پر غور کر سکتا ہے۔
حکومت کی جانب سے فوری طور پر اجلاس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ انڈیا کے اخبار ٹیلی گراف کی مدیر ملینی چیٹر جی نے بی بی سی ہندی سروس سے بات کرتے ہوئے وزیر خارجہ کے بیان اور اس کے بعد اس اجلاس کی اہمیت کے بارے میں کہا کہ یہ بہت اہم ہے۔ اب تک انڈیا پاکستان میں کچھ عناصر کی بات کر رہا تھا اور پاکستان سے تعاون کا مطالبہ کر رہا تھا لیکن پاکستان اب تک یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ پرناب مکھرجی نے کہا کہ پوری دنیا میں شدت پسندوں کے چہروں کو دیکھا گیا ہے۔ معصوم لوگوں کی جانیں اور زبردست جانی و مالی نقصان کسی حادثے یا غیر ارادی حرکت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ قتل و غارت گری ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی گئی ہے۔ ایک شدت پسند جسے گرفتار کیا گیا ہے اس نے اپنے آقاؤں کے متعلق بڑے جھنجھوڑ دینے والے انکشافات کیے ہیں۔ بھارتی وزیر داخلہ پرناب مکھرجی نے ممبئی پر حملوں کے بعد دوسری بار پاکستان کے سلسلے میں سبھی راستے کھلے رکھنے کی بات کہی۔ انہوں نے مزید کہا کہ بھارت نے اپنے پڑوسیوں سے بار بار درخواست کی کہ وہ دہشت گردانہ سرگرمیوں کی امداد نہ کریں اور دہشت گردی کے ڈھانچے کو ختم کریں لیکن وعدے کے باوجود اس پر عمل نہیں ہوا۔ انڈیا میں حزب اختلاف کی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما اور سابق وزیر خارجہ یشونت سنہا کا کہنا ہے کہ اگر ان کی پارٹی اقتدار میں ہوتی تو پاکستان کے ساتھ جاری کمپوزٹ ڈائیلاگ میں وقفہ کی بجائے انہیں ختم کر دیتی۔ اس سے قبل ہفتہ کو انڈیا میں حکام نے ساحلی علاقوں خاص طور پر گوا میں سکیورٹی کے انتظامات سخت کر دیئے گئے تھے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں گوا میں ساحل پر کرسمس اور نئے سال کی پارٹیوں پر پابندی لگائی گئی ہے۔ خبر رساں ادارے رائٹرز کے مطابق گوا میں پولیس کے آئی جی نے کہا کہ ''ظاہر ہے کہ سکیورٹی کو خطرہ ہے، لیکن اس وقت ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے'' ساحلی علاقوں کے بارے میں یہ اقدامات نومبر میں ممبئی پر ہونے والے حملوں کے بعد کیے گئے ہیں۔ کئی حکومتوں نے اپنے شہریوں کو انڈیا جانے سے روکا ہے۔

بھارتیوں کی طرف سے بظاہر پاکستان کو چاروں شانے چت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔

انٹرپول کے سیکرٹری جنرل رونالڈ کے نوبل نے دلی میں بھارتی وزیر داخلہ پر چدامبرم سے ملاقات میں ممبئی حملوں کی تفتیش میں ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا ہے اور آج وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پاکستان تشریف لائے ہیں۔ انٹرپول کے سیکرٹری جنرل رونالڈ نوبل اور بھارت کے وزیر داخلہ چدمبرم نے ملاقات کے دوران ممبئی حملوں کے گرفتار اور مارے گئے شدت پسندوں کے متعلق بات چیت کی اور اطلاعات کے مطابق ان افراد کے نام فنگر پرنٹس تصاویر اور ڈین این اے پروفائل کا اس لسٹ سے موازنہ کیا گیا ہے جو انٹرپول کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ انٹرپول نے مارے گئے افراد کے لئے بلیک نوٹس اور ان کے متعلق مزید معلومات کے لئے بلیو نوٹس جاری کرنے کی بھی پیشکش کی ہے۔

رونالڈ نوبل پاکستان سے مطالبہ کریں گے کہ وہ بھارتیوں کے ڈیمانڈ کردہ تمام ملزمان ان کے حوالے کرے جبکہ یہ بات ان کے علم میں بھی ہے کہ بیس یا چالیس جن نام نہاد دہشت گردوں کی فہرست انہوں نے پاکستان کو دی ہے ان میں سے کوئی پاکستان میں موجود ہی نہیں، اور یہ کوئی نئی لسٹ نہیں جو ان کی طرف سے جاری ہوئی ہے۔ گذشتہ دس سال سے وہ ایسی ہی عجیب و غریب لسٹیں پاکستان کو دے رہے ہیں چونکہ معاملہ پاکستان

ہے اور بھارت کے ساتھ اسرائیل اور امریکہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہیں اس لئے بھارتیوں کی طرف سے ہونے والی بچگانہ حرکات کو بھی خوامخواہ بہت سیریس لیا جا رہا ہے جبکہ سی آئی اے اور ''موساد'' سے ایسی کوئی بات پوشیدہ نہیں جس کو بھارت بڑا سیکرٹ بنا کر دنیا کو ڈرا رہا ہے۔ ایسی ہی ایک بھونڈی کوشش بھارت کی طرف سے نیپالی قونصل جنرل کی اسلام آباد میں پریس کانفرنس ہے نیپال جیسے کمزور اور بے بس ملک کو مجبور کر کے بھارتیوں نے انہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کیا جبکہ ساری دنیا کی باخبر ایجنسیاں جانتی ہیں کہ نیپال سے ''را'' جس پاکستانی کو چاہے جب چاہے اٹھا کر لے جائے اس میں کوئی نئی بات تو ہے نہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ انہوں نے قصاب کو بھی وہاں سے اٹھایا ہو، اور ایک بھونڈی کوشش اجمل قصاب کا پاکستانی ہائی کمیشن کو لکھا خط ہے۔ اطلاعات کے مطابق پاکستان کے ہائی کمیشن نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ بھارت کی طرف سے انہیں ایک خط موصول ہوا ہے جسے انہوں نے پاکستان کو بھیج دیا ہے۔ اس سے قبل ہندوستان میں وزارت خارجہ نے کہا تھا کہ اس نے ممبئی حملوں میں گرفتار کئے گئے ایک شدت پسند اجمل عامر قصاب کا لکھا ہو خط دہلی میں پاکستان کے قائم مقام ہائی کمشنر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ بی بی سی اردو سروس سے بات کرتے ہوئے دلی میں پاکستان کے قائم مقام ہائی کمشنر افراسیاب نے کہا ہے کہ بھارتی وزارت خارجہ نے انہیں ایک نوٹ سونپا ہے۔ جس کے ساتھ ایک خط بھی منسلک ہے۔ ہم نے وہ نوٹ اور خط کارروائی کے لئے پاکستان بھیج دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کے دفتر خارجہ کے جوائنٹ سیکرٹری نے دیا۔ اس سے قبل بھارت میں وزارت خارجہ نے ایک بیان میں کہا تھا کہ اس نے پیر کی شام کو پاکستان کے قائم مقام ہائی کمشنر کو طلب کیا تھا اور انہیں وہ خط سونپ دیا ہے جو بقول اس کے ممبئی حملوں میں گرفتار کئے گئے ایک حملہ آور اجمل عامر قصاب نے اپنے ایک خط میں پاکستانی ہائی کمشنر سے ملاقات کی درخواست کی ہے اور لکھا ہے وہ اور ممبئی حملوں میں مارے گئے شدت پسندوں کا تعلق پاکستان سے ہے۔ بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر شاہد ملک چند روز قبل اسلام آباد گئے تھے اور اس وقت افراسیاب ان کی جگہ کارگزار ہائی کمشنر ہیں۔ عام حالات میں ایسی بچگانہ کارروائیوں پر صرف مسکرایا ہی جا سکتا ہے لیکن حیرت ہے انٹرپول بھی اس پر سیریس ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ ہماری لبرل حکومت کا بادشاہانہ رویہ ہے کہ وہ بلوچستان اور ''فاٹا'' میں بھارتی جارحیت جس کے ثبوت بھی موجود ہیں، پر زبان بھی نہیں کھولتی اور امریکہ کے ڈر سے، ''را'' کا نام نہیں لیتی جس نے ''را'' کے 25 سے زیادہ دفاتر پاکستانی سرحد کے ساتھ ساتھ قائم کئے ہیں اور جو تخریب کاری کے باقاعدہ اڈے ہیں۔ ہماری اسی نیاز مندانہ فارن پالیسی نے بھارتیوں کو پاکستان کے خلاف جارحانہ حکومت عملی کا سبق پڑھایا ہے اور بھارت کا بنگالی بابو پرناب مکھرجی بھی یہ کہہ رہا ہے اگر پاکستان شدت پسندوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا تو بھارت کے پاس بھی متبادل کھلے ہیں۔ مسٹر مکھرجی مختلف مقامات میں مامور بھارتی سفیروں کے دو روزہ اجلاس سے خطاب کر رہے تھے جو آج دلی میں شروع ہوا ہے۔ ممبئی حملوں کے بعد پاکستان اور بھارت کے رشتوں میں بڑھتی ہوئی تلخی کے پیش نظر اس اجلاس کو اہم مانا جا رہا ہے۔ اس دوران بھارت میں امریکی سفیر ڈیوڈ سی ملفرڈ نے بھارت کے وزیر داخلہ پی چدامبرم سے ملاقات کی ہے اور شدت پسندی سے نمٹنے میں انڈیا کے ساتھ تعاون کی بات کہی ہے۔ ممبئی حملوں کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بیان بازیاں تلک ہو چکی ہیں بھارت بار بار یہ کہہ رہا ہے کہ ممبئی حملوں کے پیچھے بعض پاکستانی شدت پسند عناصر ہیں اور ان کے خلاف سختی سے کارروائی کرے۔ وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے ایک بار پھر کہا ہے کہ اگر پاکستان شدت پسندوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا تو بھارت کے پاس متبادل کھلے ہیں اور وہ کوئی بھی کڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس ''بڑی کارروائی'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ یہ صرف پاکستانی وزیر خارجہ ہی بتا سکتے ہیں۔

اتوار کو وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے کولکتہ میں نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کو کئی بار ثبوت فراہم کیے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان متضاد بیانات دیتا رہا ہے، اسے کافی ثبوت دیئے جا چکے ہیں اور اب متضاد بیانات اور انکار کرنے کے بجائے اسلام آباد کو کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ پرناب مکھرجی نے کہا کہ پاکستان اپنا وہ وعدہ پورا کرے جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی سرزمین کو دہشت گردی کے لیے استعمال نہیں ہونے دے گا۔ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ پاکستان نے یہ کارروائی عرصہ پہلے کردی تھی۔ جنرل پرویز مشرف نے بھارت کے خلاف جارحیت کے تمام دروازے سختی سے بند کردیئے تھے، اب وہ اور کیا چاہتے ہیں؟

بھارت کو بھی اب امریکہ کی طرح DO MORE کا چسکا لگ گیا ہے۔ اگر اس مرحلے پر حکومت نے کمزوری دکھائی اور معمول کی طرح آئیں بائیں شائیں کی تو پھر یاد رکھئے کہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

یہ آزمائش کی گھڑی ہے جس میں ثابت قدمی لازم ہے۔ پاکستانی قوم میں بڑا پوٹینشل ہے۔ جو درباری مسخرے اس قوم کا مضحکہ مخصوص چینلوں پر اڑاتے ہیں وہ اپنی نہیں اپنے آقاؤں کی زبان بولتے ہیں۔ معلوم نہیں پاکستانی حکومت یہ کیوں نہیں کہہ رہی نیٹ پر موجود کئی ذرائع یہ خبریں دے رہے ہیں کہ بھارت نے راجستھان میں ''کوئیک گوئنگ فورس'' بٹھادی ہے۔ یہ بھارت کی خصوصی کمانڈوز ہیں (خیال رہے ایسے کمانڈوز کا نظارہ ساری دنیا نے مختلف چینلز پر ممبئی دہشت گردی کے دوران کرلیا ہے) دہلی کے ہوائی اڈے پر اسرائیلی سکوارڈ کے اترنے کی بھی اطلاعات ہیں۔ہمیں اس سے زیادہ کی توقع کرنی چاہیے لیکن اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے؟ خدانخواستہ پاکستان کوئی ایسا ترنوالہ نہیں جسے برہمن اپنے حلق میں انڈیل لے گا۔ بھارت کے اندر موجود انتہائی طاقتور علیحدگی پسند گروپ عرصے سے اس موقعے کے منتظر ہیں کہ کب دونوں ممالک لڑائی میں الجھیں اور وہ اپنی سی کر گزریں۔

......❁......

بھارت سے ہوشیار

بھارتی وزیراعظم سردار من موہن سنگھ نے توقعات کے عین مطابق پاکستان کو مذاکرات کی دعوت دیتے ہوئے یہ الزام بھی عائد کردیا ہے کہ پاکستانی حکومت انتہا پسند سکھوں کی تحریک کو پھر مضبوط کررہی ہے۔ یہ بیان اس لئے غیر متوقع نہیں کیونکہ گزشتہ دنوں ہمارے نگران وزیر داخلہ نے نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ پاکستان میں ہونے والی تخریب کاری میں امریکہ اور بھارت ملوث ہوسکتے ہیں کیونکہ جس انداز سے پاکستان میں دہشت گردی نیٹ ورک چلایا جارہا ہے اس میں کسی غیر ملکی ہاتھ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ وزارت خارجہ کے ترجمان اور وزیر اطلاعات نے بھی اس سے پہلے بھارت کا نام لیا تھا اور حال ہی میں لاہور میں نیوی وار کالج میں ہونے والے دہشت گردانہ حملے میں بھی بھارت کو ملوث قرار دیا جارہا ہے۔ پاکستان کی خصوصاً افغانستان میں سرحد کے ساتھ ساتھ موجود ''را'' کے متحرک مراکز کی کارکردگی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی اور مسلسل ہونے والے واقعات سے چونکہ بھارت کی اصلیت بے نقاب ہورہی ہے۔ اس لئے اب بھارت پر لازم ہو گیا تھا کہ وہ پاکستان پر جوابی الزام تراشی کرے جس کا مظاہرہ بھارتی وزیراعظم نے کردیا۔

یہ بھارت کا پرانا طریق واردات ہے جب بھی کسی بڑے واقعہ یا سانحے کی تحقیق بھارت تک پہنچتی ہے تو بھارت اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پہلے ہی پاکستان پر الزام تراشی شروع کردیتا ہے اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ چند روز پہلے ایک ٹی وی پروگرام میں وزیر داخلہ جنرل حامد نواز خان نے عمران خان کے اس سوال کے جواب میں کہ اگر وہ امریکہ اور بھارت کو اس مسئلے میں ملوث سمجھتے ہیں تو اس کو ان کے سامنے کیوں نہیں اٹھاتے کہا تھا کہ پاکستان کے اندرونی حالات ابھی ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ دلیل سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر پاکستان کے اندرونی حالات اس طرح خراب رہے اور پاکستانی سالمیت کے دشمن اسے مزید خراب کرتے رہے تو کیا ہم اپنے ہی لوگوں سے لڑتے مرتے رہیں گے اور ان شیطانوں کے نام لینے کی جرأت بھی نہیں کریں گے جو اس تخریب کاری کے کرتا دھرتا ہیں جو ہمیں ذبح بھی کررہے ہیں اور الٹا الزام بھی ہم پر ہی لگا رہے ہیں۔ ہم تو اس گھن چکر میں الجھے ہوئے ہیں اور امریکہ بھارت اس خطے میں ایٹمی مقابلہ بازی کا نیا طوفان کھڑا کرنے جارہے ہیں۔

امریکہ کے نائب وزیر خارجہ برائے جنوب وسطی ایشیا رچرڈ باؤچر نے انڈیا کو خبردار کیا ہے کہ اگر اس کو امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدہ کرنا ہے تو اسے جلدی کرنی ہوگی۔ رچرڈ باؤچر نے انڈیا کے دورے کے دوران کہا کہ نومبر میں امریکہ میں اقتدار میں تبدیلی آنے والی ہے اور اگر انڈیا نے جلد جوہری معاہدہ کی تکمیل نہ کی تو یہ معاہدہ کھٹائی میں پڑسکتا ہے۔ بھارت کی بائیں محاذ کی جماعتوں جو موجودہ حکومت کا حصہ ہیں' انڈیا اور امریکہ کے درمیان جوہری معاہدے کی مخالف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بھارت امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدہ کر کے امریکہ کے دباؤ میں آجائے گا، اور اس کی خارجہ پالیسی آزاد نہیں رہ سکے گی۔ رچرڈ باؤچر نے کہا کہ وقت بہت کم ہے کیونکہ نومبر میں صدارتی انتخابات سے قبل پارلیمان کے سامنے بہت سے ایجنڈے ہیں اور اگر جولائی تک اس معاہدے کو حتمی شکل نہیں دی جاتی تو اس کے بعد کانگریس سے معاہدے کی منظوری بہت مشکل ہوگی۔

اس سے پہلے امریکی سینیٹروں نے بھی بھارت کو متنبہ کیا تھا کہ اگر بھارت نے جولائی سے قبل معاہدہ حتمی شکل میں کانگریس کے پاس نہ پہنچایا تو کانگریس کو یہ معاہدہ منظور کرنے میں دشواری پیش آ سکتی ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اگر کانگریس اس معاہدے کو صدارتی انتخابات سے قبل منظوری نہیں دیتی تو آئندہ بننے والے صدر کے لئے بھی اس معاہدے کو منظور کرنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اگر ہندوستان معاہدے کا خواہاں ہے تو اسے جلد ہی قدم اٹھانا ہوگا۔ واضح رہے کہ اس متنازعہ جوہری تعاون کے معاہدے کے تحت بھارت کو جوہری عدم توسیع کے عالمی معاہدے پر دستخط کئے بغیر امریکہ کے جوہری توانائی کے وسائل اور ٹیکنالوجی تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور الٹی گنگا بہنے سے امریکہ بھی بھارت کے ہاتھوں بلیک میل ہو سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک طرف تو امریکہ پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام میں کسی نہ کسی بہانے کیڑے نکالتا رہتا ہے اور اس حوالے سے ایسی ایسی باتیں خصوصاً امریکی پریس میں لکھی اور کہی جاتی ہیں جن کا علم شاید پاکستان کو بھی یہ رپورٹیں پڑھنے کے بعد ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی بہانے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ہدف تنقید بنانا شاید امریکیوں کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے لیکن بھارت کے حوالے سے امریکی پریس کو شاید سانپ سونگھ گیا ہے یا پھر ان کا خبث باطن کھل کر سامنے آ گیا ہے گو کہ بھارتی حکومت کو اپنے ملک میں امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بائیں بازو کی جماعتوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے، لیکن امریکی وزیر خارجہ کونڈو لیزا رائس نے کہا ہے کہ ان کی حکومت بھارت سے جوہری معاہدے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی ہے۔ کونڈو لیزا رائس کا یہ بیان حکومت ہند کی جانب سے ان واضح اشاروں کے پس منظر میں آیا ہے کہ بائیں بازو کی اتحادی جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے یہ معاہدہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ بھارت میں کانگریس کی حکومت بائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت سے ہی اقتدار میں ہے۔ کمیونسٹ جماعتوں کو خطرہ ہے کہ جوہری معاہدہ کی وجہ سے امریکہ بھارت کی خارجہ پالیسی کو بڑی حد تک متاثر کرنے کی حیثیت میں آ جائے گا۔ وہ واضح الفاظ میں یہ دھمکی دے چکے ہیں کہ اگر اس معاہدے پر عمل درآمد کیا گیا تو وہ حکومت سے اپنی حمایت واپس لے لیں گے' اور مبصرین کے مطابق اگر ایسا ہوتا ہے تو ملک میں وسط مدتی انتخابات کرانا ناگزیر ہو جائے گا۔ اس متنازعہ معاہدہ کے تحت بھارت کو غیر فوجی جوہری ٹیکنالوجی اور جوہری ایندھن تک رسائی حاصل ہوگی حالانکہ ہندوستان نے جوہری عدم پھیلاؤ کے معاہدے یعنی این پی ٹی پر دستخط نہیں کئے ہیں۔

امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان شان میک کارمیک کے مطابق محترمہ رائس نے ہندوستانی وزیر خارجہ پرنب مکھر جی سے ٹیلی فون پر بات کی، اور کہا کہ امریکہ معاہدہ پر قائم ہے اور اس پر عملدرآمد کرنا چاہتا ہے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا اس معاہدے کو ایک نئی شکل دی جا سکتی ہے۔ ترجمان نے کہا کہ فی الحال اس بارے میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی ہے۔ مسٹر من موہن سنگھ کی قیادت والی حکومت اور کمیونسٹ جماعتوں کے درمیان کئی دور کی بات چیت ہو چکی ہے لیکن جمود کو ختم نہیں کیا جا سکا۔ اب بات چیت 16 نومبر سے دوبارہ شروع ہوگی۔ امریکی حکومت چاہتی ہے کہ آئندہ برس کے صدارتی انتخابات سے قبل اس معاہدے پر عملدرآمد مکمل ہو جائے۔ مسٹر من موہن سنگھ نے حال ہی میں صدر بش کو بتایا تھا کہ انہیں سیاسی مخالفت کی وجہ سے اس معاہدے پر عمل درآمد میں مشکلات کا سامنا ہے جس سے یہ عندیہ ملا تھا کہ بھارت شاید معاہدے سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اس معاہدے کی بین الاقوامی سطح پر بھی مخالفت کی گئی ہے کیونکہ معاہدے کے تحت ہندوستان استعمال شدہ جوہری ایندھن کو دوبارہ افزودہ کر سکتا ہے جس پر عالمی رولز اینڈ ریگولیشنز کے مطابق پابندی عائد ہے خصوصاً این پی ٹی پر دستخط کرنے والے ممالک کو اس پر سخت اعتراضات اور تحفظات بھی ہیں۔

ہند امریکہ جوہری معاہدے کے مستقبل کے لئے اگر وزیر اعظم منموہن سنگھ یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ابھی بھی امید نہیں چھوڑی حکومت

اور بائیں بازو کی جماعتوں کے درمیان اس مسئلہ پر جن نوٹس کا تبادلہ ہوا ہے ان سے یہ واضح ہے کہ سرکار اور بائیں بازو کے درمیان جاری اجلاس کے سلسلے میں اب صرف باتوں کو دہرایا جا رہا ہے اور دونوں کے درمیان صلح کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے۔ بائیں بازو کی جماعتوں اور حکومت کے درمیان اس مسئلے پر چھڑی بحث کی دستاویزات کو دیکھنے کا موقع بی بی سی کو بھی حاصل ہوا اور ان میں بالکل واضح طور پر نظر آیا کہ بائیں بازو کے رہنماؤں نے جو سوالات سرکار سے کیئے ہیں یا تو ان کا جواب سرکار کے پاس ہے نہیں یا پھر سرکار کے جواب سے بائیں بازو کے رہنما مطمئن نہیں ہیں۔ 22 اکتوبر 2007ء کو یو پی اے اور بائیں بازو کے رہنماؤں کے درمیان ہوئے اجلاس میں بائیں بازو کے رہنماؤں نے خارجہ پالیسی سے متعلق اپنا پرانا نوٹس سرکار کو دیا' لیکن اس بار اس میں سخت نکتہ چینی بھی کی گئی۔ اس میں سرکار سے کہا گیا کہ اگر حکومت اس مسئلہ پر بات چیت جاری رکھنا چاہتی ہے تو اسے بائیں بازو کے رہنماؤں کو جواب سنجیدگی سے دینا چاہئے۔ اس نوٹس میں حکومت سے دس سوالوں کے جوابات طلب کیئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ زور بھارت اور امریکہ کے درمیان سٹریٹجک تعلقات پر دیا گیا ہے۔ بائیں بازو کی جماعتوں نے پوچھا ہے کہ جب کامن منیمم پروگرام (کم از کم مشترکہ پروگرام) میں کہا گیا ہے کہ بھارت کی خارجہ پالیسی ملٹی پولر دنیا کی حمایت کرے گی تو اکیلے امریکہ کے ساتھ دفاعی تعلقات کیسے بنائے جا سکتے ہیں۔ اس سوال پر حکومت نے جواب دیا کہ بھارت کئی ممالک کے ساتھ دفاعی سمجھوتے کر رہا ہے صرف امریکہ کے ساتھ نہیں۔ اس کے علاوہ بایاں محاذ کے نوٹ میں آئی اے ای اے میں ایران کے خلاف ووٹ' عراق پر حکومت کا رویہ اور اسرائیل سے ہتھیاروں کی خریداری جیسے معاملات پر سرکار سے صفائی مانگی گئی ہے۔ حکومت کی جانب سے ان معاملات پر بے حد سرسری اور مختصر جواب دیئے گئے ہیں۔ خصوصی طور پر بایاں محاذ نے حکومت سے پوچھا کہ ہندوستان 126 ایف 16 جنگی طیارہ امریکہ سے خرید رہا ہے' جو ابھی تک کی سب سے بڑی دفاعی خریداری ہے اور یہ طیارہ امریکہ پاکستان کو بھی فروخت کر رہا ہے' تو ایسے میں بھارت امریکہ پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے۔ اس پر حکومت کا جواب ہے کہ بھارت صرف امریکہ سے دفاعی خریداری نہیں کر رہا ہے بلکہ دوسرے ممالک سے بھی ایسی خریداری کر رہا ہے۔ کُل ملا کر حکومت اور بایاں محاذ کے درمیان ''ون ٹو تھری'' معاہدہ کو لے کر جو بحث ہو رہی ہے اس میں بایاں محاذ حکومت کے رخ سے ناراض ہی نظر آ رہے ہیں۔ حکومت آخر تک بایاں محاذ کو یہ یقین دہانی نہیں کرا پائی ہے کہ امریکہ کا گھریلو قانون ''ون ٹو تھری'' معاہدے پر اثر انداز نہیں ہو پائے گا۔ اس کے ساتھ ہی استعمال شدہ جوہری ایندھن کے دوبارہ استعمال کے ساتھ ہی جوہری ری ایکٹر کے لئے بغیر روک ٹوک ایندھن کی فراہمی پر بھی حکومت بایاں محاذ کو کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکی ہے۔ موجودہ صورتحال میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید ہند امریکہ جوہری معاہدے کو لے کر بایاں محاذ اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ ختم ہونے کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں بلکہ اس میں مزید تلخی ہی پیدا ہو رہی ہے۔ معروف بھارتی ماہر عسکریات برجیش اپادھیائے نے گزشتہ دنوں اس دورے سے ایک اہم مضمون لکھا تھا جس میں وہ کہتے ہیں ہند امریکہ جوہری معاہدے پر ہندوستانی حکومت کے نئے ردعمل کے باوجود امریکی انتظامیہ نے امید نہیں چھوڑی اور محتاط رویے کا مظاہرہ کیا ہے۔ بھارت کے وزیر اعظم نے امریکہ کے صدر بش سے کہا ہے کہ امریکہ اور انڈیا کے درمیان جوہری معاہدے کے انعقاد میں مشکلات کا سامنا ہے اور وہ پُر امید ہیں کہ معاہدہ ہو جائے گا۔ ہند امریکہ امور کے ماہرین کا خیال ہے کہ اگر معاہدہ نہیں ہوتا تو بھارت جیسے ملک کی ساکھ متاثر ہو سکتی ہے۔ بھارت کی حکمران کانگریس پارٹی کو اپنے اتحادی بائیں محاذ سے معاہدے پر شدید مخالفت کا سامنا ہے۔ بائیں محاذ کا کہنا ہے کہ حکومت معاہدہ نہ کرے کیونکہ معاہدے میں بعض ایسی شرائط ہیں جس سے ہندوستانی خارجہ پالیسی میں

امریکہ کی دخل اندازی صاف نظر آتی ہے۔ بائیں بازو کا کہنا ہے کہ اگر حکومت امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدہ کرتی ہے تو وہ حکومت سے حمایت واپس لے سکتے ہیں۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حکومت بائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ معاہدے سے متعلق سارے اختلافات دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور وہ وسط مدتی انتخابات نہیں چاہتی۔

وزیراعظم من موہن سنگھ نے نائیجیریا کے دورے کے دوران امریکی صدر بش سے ٹیلی فون پر بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں امریکہ اور انڈیا کے درمیان جوہری معاہدے کی تکمیل میں مشکلات کا سامنا ہے۔ امریکی حکومت کی طرف سے اس بات چیت پر کوئی ردعمل نہیں آیا حالانکہ دفتر خارجہ کے ترجمان ٹام کیسی کا کہنا ہے امریکہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے معاہدے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوشاں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ معاہدہ اسی دائرے میں ہوگا جس پر دونوں ملکوں نے رضامندی ظاہر کی ہے۔ تاہم انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ وہ بھارت کو یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ اپنے اندرونی معاملات سے کیسے نمٹے۔ بھارت کے ساتھ جوہری معاہدہ کرنے سے پہلے امریکہ کو جوہری عدم توسیع کے مخالفین سے شدید مخالفت کا سامنا تھا اور اس معاہدے کو 21 ویں صدی میں ہندامریکہ رشتوں کی نئی کڑی کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ جوہری معاہدے پر عملدر آمد کے لئے بھارت کو ابھی نہ صرف جوہری توانائی کے عالمی ادارے آئی اے ای اے سے بات کرنا باقی ہے بلکہ اسے نیوکلیئر سپلائی گروپ سے بھی منظوری لینی ہوگی اس کے بعد ہی اس معاہدے کو اس برس اختتام سے پہلے امریکی کانگریس میں منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا، لیکن اس مقررہ وقت پر معاہدہ پر دستخط ہونا مشکل لگتا ہے۔ ہندامریکہ بزنس کونسل کے صدر رون سومرز کا کہنا ہے بھارت اگر امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدے کرنے کے اس موقع کو گنوا دیتا ہے تو جوہری توانائی کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ ہیریٹیج فاؤنڈیشن کے سینئر محقق نے ایک نیوز میگزین سے کہا تھا کہ اگر بھارت کی گھریلو سیاسی اختلافات کے سبب جوہری معاہدہ نہیں ہوتا ہے تو ہندوستان کی بین الاقوامی ساکھ کو دھچکا پہنچے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر معاہدہ نہیں ہوا تو یہ صرف دلی کیلئے ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا نہیں ہوگا بلکہ امریکہ انتظامیہ بھی مستقبل میں بھارت کے ساتھ کسی بھی اہم معاہدے کے لیے پہل نہیں کرے گا۔ اب ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا امریکہ میں آئندہ برس انتخابات کے بعد جو نئی حکومت آئے گی وہ اس معاہدے کی حمایت کرے گی یا نہیں خاص کر اگر حکومت ڈیموکریٹس کی ہوتی ہے۔ جارجیا یونیورسٹی کے پروفیسر انوپم شریواستو کا کہنا ہے کہ یہ معاہدہ ابھی نہیں ہوا تو کبھی نہیں ممکن ہوگا۔ اگر ڈیموکریٹس اقتدار میں آتے ہیں تو جوہری عدم توسیع کے حمایتی اس معاہدے کی مخالفت میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور معاہدے میں بعض ایسی تبدیلیوں کا مطالبہ کریں گے جو بھارتی سائنسدانوں کو ناقابل قبول ہوگا۔ یوں لگتا ہے جیسے دو بازی گر ایک دوسرے کے داؤ پیچ کو جانتے ہیں لیکن دونوں کوئی ایسا داؤ کھیلنا چاہتے ہیں جس سے دوسرا فریق لاعلم ہو جس کے امکانات ابھی نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن ہم ایسے بھولے بادشاہ ہیں کہ اس ساری صورتحال سے لاتعلق اپنے بکھیڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔

مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی نئی لہر

ہندو شرائن بورڈ کی طرف سے مندر کے لئے زمین کے حصول میں ناکامی نے متعصب ہندوؤں کو برافروختہ کیا تو انہوں نے کشمیر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں سے بدلہ لینے کی بڑی گھناؤنی صورت نکالی۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن پھلوں کی تجارت ہے۔ مقبوضہ کشمیر سے پھل بھارتی منڈیوں میں جاتا ہے۔ جموں میں آر ایس ایس اور مہا بھارتی ذہنیت کی حامل دیگر ہندو جماعتوں نے اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کیلئے مسلمانوں کی اقتصادی ناکہ بندی کا گھناؤنا کھیل رچایا اور سری نگر سے آنے والے ٹرکوں کو روک کر کروڑوں روپے کا فروٹ ضائع کر دیا جس پر مقبوضہ کشمیر کی حریت کانفرنس نے یہ انقلابی فیصلہ کیا کہ اگر بھارتی حکومت ان کی اقتصادی ناکہ بندی نہیں توڑتی تو پھر انہیں اس روایتی راستے کے ذریعے اپنا مال پاکستانی منڈیوں میں لے جانے کی اجازت دے جو صدیوں سے کشمیری استعمال کرتے آئے ہیں، اور انہوں نے چکوٹھی کے ذریعے مظفر آباد جانے کا اعلان کر دیا جس پر لاکھوں کی تعداد میں کشمیری عورتوں' مردوں' بچوں اور بوڑھوں نے ایل او سی کی منحوس اور خونی لکیر کی طرف مارچ شروع کیا۔ اس مارچ کی قیادت یاسین ملک' شبیر شاہ' سید علی گیلانی اور حریت کے دیگر اہم لیڈر کر رہے تھے۔ بھارتی فوج نے اپنا روایتی سنگدلی اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر گولیاں برسائیں جس میں معروف کشمیری لیڈر شیخ عبدالعزیز اور دیگر 25 کشمیری شہید ہو گئے جبکہ سینکڑوں افراد زخمی ہوئے۔ بے رحمی اور سنگدلی کی انتہا یہ ہے کہ بھارتی فوج نے شیخ عبدالعزیز کے جنازے پر بھی گولیاں برسائیں جن میں مزید درجنوں کشمیری شہید ہو گئے۔

اس سانحے کی اطلاع آزاد جموں کشمیر پہنچتے ہی کہرام مچ گیا۔ آزاد کشمیر حکومت اور آزاد جموں کشمیر کی تمام سیاسی' مذہبی اور جہادی تنظیموں کی طرف سے بھی کنٹرول لائن کی طرف روانگی کا اعلان ہو گیا اور ہزاروں کی تعداد میں کشمیریوں نے چکوٹھی کی طرف مارچ شروع کیا۔ یہ سب لوگ اپنے کشمیری بھائیوں کیلئے جو لائن آف کنٹرول کی طرف آ رہے تھے درجنوں کی تعداد میں ٹرکوں میں اشیائے خورد و نوش لے کر چکوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے لیکن ایسا صرف سوچا ہی جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے حکومتی ضوابط اور قوانین آڑے آتے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ اس صورتحال کا سب سے اچھا پہلو یہ ہے کہ آزاد جموں و کشمیر حکومت نے سب سے پہلے اس کال پر لبیک کہا اور تمام حکومتی وزراء نہ صرف کنٹرول لائن پر گئے بلکہ وزیر اعظم سردار عتیق احمد نے یوم سیاہ منانے کا اعلان کرتے ہوئے کابینہ کا ہنگامی اجلاس بلایا جس نے درج ذیل قراردادیں منظور کیں۔

1- کابینہ کا یہ ہنگامی اجلاس مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی طرف سے آنے والے قافلوں پر اندھا دھند فائرنگ سے ممتاز حریت رہنما شیخ عبدالعزیز دیگر افراد کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے بھارتی فوج کے مظالم کی شدید مذمت کرتا ہے اور عالمی برادری' او آئی سی' سارک اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بھارت کے اس وحشیانہ قتل عام کا فوری نوٹس لے۔

2- کابینہ کا یہ اجلاس بھارت کی طرف سے مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی اقتصادی ناکہ بندی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے عالمی برادری سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمشن بھیجے جو بگڑتی ہوئی اور ابتر صورت حال کا جائزہ لے کر انسانی حقوق کی عالمی برادری کو آگاہ کر سکے تاکہ مقبوضہ کشمیر کے سیاسی قائدین اور سول سوسائٹی کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے۔

3- کابینہ کا یہ اجلاس کل جماعتی حریت کانفرنس کی قیادت اور دیگر آزادی پسند رہنماؤں کے حوصلہ اور استحکامت پر انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یقین دلاتا ہے کہ آزاد کشمیر حکومت اور عوام کسی بھی مرحلے پر انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

4- کابینہ کا یہ اجلاس بھارت کی طرف سے مقبوضہ کشمیر میں اقتصادی ناکہ بندی فوری طور پر اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ لائن آف کنٹرول پر قدرتی راستے آمدورفت اور تجارت کے لئے کھول دیئے جائیں۔

5- کابینہ کا یہ اجلاس بھارت سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کیلئے جو مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔ ان مذاکرات میں تعطل پیدا کرنے کیلئے ایسے اقدامات سے گریز کرے۔

6- کابینہ کا یہ اجلاس 15 اگست 2008ء کو پورے آزاد کشمیر اور ساری دنیا میں بسنے والے کشمیریوں کی جانب سے یوم احتجاج کا اعلان کرتا ہے۔

7- کابینہ نے حریت رہنما عبدالعزیز اور دیگر بے گناہ افراد کی شہادت پر آزاد کشمیر میں ایک روزہ سرکاری سطح پر سوگ منانے اور ریاستی پرچم سرنگوں رکھنے کا اعلان کیا ہے۔

8- کابینہ نے اس موقع پر حریت رہنما اور دیگر کشمیری شہدا کے روح کے ایصال ثواب کیلئے فاتحہ خوانی کی۔

جس طرح افغانوں کے بارے میں ایک مثل مشہور ہے کہ کوئی انہیں زیر کرنے میں آج تک کامیاب نہیں ہوا بالکل اسی طرح کشمیریوں کے بارے میں عام ہے کہ وہ کسی کا چیلنج یا للکار قبول نہیں کرتے۔ تاریخ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ 1953ء میں کانگریس حکومت کی مبینہ سازشوں کے نتیجے میں جب بھارت نواز کشمیری رہنما شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کیا گیا جس نے اپنی قوم کی خواہشات کے برعکس بھارت سے الحاق کیا تو کشمیریوں نے اسے ایک بڑے چیلنج کے طور پر لیا۔ خود کشمیری اس وقت حیران رہ گئے کہ جس رہنما کو انہوں نے ''شیر کشمیر'' کا درجہ دیا اور درختوں کے پتوں پر ان کا نام لکھا کرتے تھے انہوں نے ''پنڈت نہرو سے محض دوستی کے عوض'' کشمیر کی سرزمین بھارت کی جھولی میں ڈالی دی۔ اس کے باوجود کانگریس نے شیخ عبداللہ کی نیت پر شبہ کیا اور گیارہ برس تک زندان میں ڈالے رکھا۔ کشمیریوں کے خیال میں یہ ان کی عزت نفس پر پہلا وار تھا جس کے زخم اب تک رس رہے ہیں مگر شیخ عبداللہ کے بیٹے اور سیاسی جانشین فاروق عبداللہ اس واقعے کو فوراً بھول گئے۔ اقتدار کو برقرار رکھنے کیلئے راجیو گاندھی فاروق سمجھوتے کے ذریعے نیشنل کانفرنس نے سینکڑوں نوجوانوں پر تشدد کر کے اور جیلوں میں بند رکھ کر انتخابات کے نتائج اپنے حق میں کر لئے۔ جیلوں سے رہائی حاصل کرنے کے بعد یہ تمام نوجوان مظفر آباد روانہ ہوئے جہاں انہیں نہ صرف سر آنکھوں پر بٹھایا گیا۔ کانگریس سے اتحاد کر کے جی نہیں بھرا تو خود کو سیکولر پارٹی کہلانے والی نیشنل کانفرنس نے ہندو قوم پرست جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی سے اتحاد کر کے کشمیری سیاست میں ایک

زبردست ہلچل مچادی۔ جب سیاست کے منظرنامے پر پی ڈی پی کا وجود ہوا تو سب کو گمان تھا کہ وہ این سی کی غلطیوں سے ہٹ کر سیاست کرے گی مگر اس نے نیشنل کو بھی اس میدان میں مات دی۔ پی ڈی پی نیشنل کانفرنس سے بھی دو قدم آگے چلی گئی اور کانگریس سے ہاتھ ملا کر کشمیری سیاست میں نیا طوفان کھڑا کر دیا۔ کانگریس اور پی ڈی پی کے اتحاد نے شرائن بورڈ کے مسئلے کو جنم دیا جس نے ریاست کی برادریوں میں ایسی خلیج پیدا کر دی ہے کہ کوئی معجزہ ہی انہیں ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔ کشمیری قوم میں یہ بات گھر کر گئی ہے کہ بھارت نے کشمیر کو ایک زرخرید لونڈی کی طرح تصور کیا ہے، اور اس کی قسمت کے تمام فیصلے سرینگر کے بجائے دلی کے ایوانوں میں ہو رہے ہیں اور فیصلے وہ لوگ کر رہے ہیں جنہیں کشمیر کی انا اور عزت نفس کا کوئی خیال نہیں۔

بی بی سی نے تازہ صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے چار اضلاع میں تیسرے روز بھی کرفیو نافذ ہے جبکہ سرینگر سے کرفیو اٹھا لیا گیا ہے۔ بارہ مولا‘ بانڈی پورہ‘ پلوامہ اور شوپیاں میں ابھی تک کرفیو میں نرمی نہیں کی گئی ہے۔ سکیورٹی فورسز کی جانب سے مظاہرین پر گولی چلانے کے خلاف لوگوں میں زبردست غم وغصہ ہے، اور وادی میں حالات اب بھی انتہائی کشیدہ ہیں اس دوران کشمیر کے حریت رہنماؤں نے امن کی اپیل کی ہے۔ گذشتہ روز پولیس کی فائرنگ سے تقریباً دو درجن افراد زخمی ہوئے تھے جن میں سے کچھ کی حالت نازک ہے۔

بی بی سی کے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ پلوامہ میں بعض لوگوں نے مرکزی ریزرو پولیس کے ایک افسر پر پتھر پھینکے تھے جس کے بعد مزید پولیس وہاں پہنچ گئی، اور انہوں نے لوگوں کے گھروں میں گھس کر زدوکوب اور تشدد کیا۔ اس کے جواب میں ہزاروں لوگوں نے جلوس نکالا جس پر پولیس نے فائرنگ کی۔ درمیانی شب سرینگر میں بالکل وہی ماحول تھا جیسا کہ 1990ء میں ہوا کرتا تھا‘ لوگ گھروں سے باہر آ کر مسجدوں میں اور سڑکوں پر جمع ہو گئے اور نعرے بازی شروع کر دی کیونکہ کئی مقامات سے پولیس کے لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے کی خبریں آئی تھیں۔ اطلاع کے مطابق رات کو شروع ہوئے مظاہرے صبح چار بجے تک جاری رہے، اور فجر کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔

مقبوضہ کشمیر میں تازہ مظاہرے سکیورٹی فورسز اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں میں اب تک بیس سے زائد افراد شہید ہو چکے ہیں۔ جموں شاہراہ پر ہندو بلوائیوں کی ناکہ بندی کے خلاف پرتشدد احتجاجی مظاہروں میں تین دن میں انیس افراد شہید ہوئے جبکہ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق صرف وادی میں گذشتہ دو روز میں چوبیس افراد شہید ہوئے ہیں۔

گذشتہ تیرہ برس میں یہ پہلا موقع تھا کہ کشمیر کے سبھی اضلاع میں ایک ساتھ کرفیو نافذ کیا گیا تھا۔ تاہم سرینگر اور بڈگام میں بدھ کی صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے کے درمیان کرفیو میں نرمی کی گئی تھی۔ اس دوران سرینگر کے مہاراجہ ہری سنگھ ہسپتال اور شیر کشمیر انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کے ایمرجنسی شعبوں سے وابستہ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ ہسپتالوں میں جموں سرینگر شاہراہ کی ناکہ بندی کے باعث ضروری ادویات اور طبی ساز وسامان کا فقدان ہے جس کی وجہ سے زخمیوں کی نگہداشت میں مشکلات درپیش ہیں۔ تاہم محکمہ داخلہ کے نگران حاکم انل گوسوامی نے بتایا ”نیشنل ہائی وے پر کوئی بلاکڈ (ناکہ بندی) نہیں ہے اور مال بردار گاڑیاں برابر وادی آ رہی ہیں اور یہاں سے جموں جا رہی ہیں۔ واضح رہے کشمیری میوہ کاشتکاروں اور میوہ صنعت سے جڑے تاجروں نے گیارہ اگست کو جموں میں ہندو شدت پسند گروپوں کی طرف سے جموں سرینگر شاہراہ کی ناکہ بندی

کے خلاف مظفر آباد روڈ کھولنے کیلئے ایک عوامی تحریک چھیڑ دی جس کے دوران علیحدگی پسندوں اور دیگر عوامی حلقوں کی حمایت سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ شمالی کشمیر میں کنٹرول لائن کے اس مقام کی طرف مارچ کرنے لگے جہاں سے مظفر آباد کی طرف راستہ جاتا ہے۔

''مظفر آباد چلو'' عنوان سے چلائی جارہی اس تحریک کے پہلے روز یعنی سوموار کو چھ مقامات پر فوج اور پولیس نے عوامی قافلے روکنے کی کوشش کی جس دوران مظاہرین مشتعل ہو گئے، اور پولیس و فوج کی فائرنگ سے حریت رہنما شیخ عبدالعزیز سمیت چھ افراد شہید ہو گئے۔ شیخ عبدالعزیز کی شہادت سے پوری وادی اور جموں کے مسلم اکثریتی خطوں میں تناؤ پیدا ہو گیا اور منگل کو انتظامیہ نے پوری وادی میں کرفیو نافذ کر دیا، لیکن ہزاروں افراد نے کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرینگر کی جامع مسجد میں شیخ عبدالعزیز کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

مقبوضہ کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر پاکستانی حکومت کی تشویش کا بھی بھارتی حکومت برا مناتی ہے۔ 15 اگست کو بھارتی وزارت خارجہ کے ترجمان نوتیج سرنا نے یہ احتجاج پریس کانفرنس کے ذریعے پاکستان تک پہنچایا ہے۔ اس مرحلے پر حال ہی میں ''وقت'' چینل کی ٹیم کے دورہ چکوٹھی کے حوالے سے ہونے والے پروگرام میں حزب المجاہدین کے کمانڈر شمشیر خان کی یہ بات بالکل سچ دکھائی دیتی ہے کہ بھارتی صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاقتور بھارتی فوج کے ہاتھوں نہتے اور بے بس کشمیریوں کے قتل عام کو آخر کشمیری اور پاکستانی مسلمان کب تک برداشت کریں گے۔ یوں دکھائی دے رہا ہے جیسے پاکستان اور بھارت کی طرف سے کشمیریوں پر نافذ کردہ جبری امن اب ختم ہو رہا ہے گو کہ پاکستانی حکومت نے اس ضمن میں انتہائی نیاز مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی دانست میں کشمیر میں جاری جہاد آزادی کا قریباً خاتمہ کر دیا تھا، اور بھارتی درندگی کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن بھارتی حکومت کی موجودہ مہم کے نتیجے میں کشمیر کا مسئلہ اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔

⁂